بنام محمد اسمعیل خان صاحب
(والد بزرگوار حافظ محمود شیرانی)
(۱)

17 Princes Square
Bayswater, W. London
مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۳ء

قبلۂ صوری و کعبہ معنوی مدظلہ العالی

بعد آداب کے گزارش پرداز ہوں کہ میں بہرنوع خیریت سے ہوں - سردی یہاں روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے نیز ہوا بالعموم چلتی رہتی ہے - آسمان پر ہر وقت ابر محیط رہتا ہے - صبح کے وقت کہر کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ دس قدم کی چیز مشکل سے نظر آتی ہے - مینھہ قریباً روزانہ یہاں ہوتا ہے -

آج میرا یہ تیسرا خط ہے جو آپ کی خدمت میں لندن سے آ رہا ہے - آج شام کو یہاں سے ہندوستان ڈاک جاوے گی -

یہاں مجھ پر بیسیوں مشکلیں آن پڑی ہیں کہ میرا دل جانتا ہے - میں ولایت کا سفر آسان جانتا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ یہاں رہنا اور کئی کئی سال گذار دینا بڑے جوانمردوں کا کام ہے -

میں نے ایک سرٹیفکیٹ بیرسٹر کا حاصل کر لیا ہے دوسرا بھی کل تک مل جاوے گا -

میں اس وقت تک مذبذب ہوں کہ کیا کروں - اس وقت میرے سامنے دو صیغے ہیں ، ایک قانونی دوسرا زراعتی - میں نے اپنے خیالات وہاں بھی جناب پر ظاہر کیے تھے کہ ایگریکلچر یعنی زراعتی صیغہ اچھا ہے - یہاں آ کر جو اس کے لیے میں نے خط و کتابت کی تو اس کی وقعت میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی - اب تک اس میں صرف چھ مسلمان اور بیس ہندو داخل ہوئے ہیں - ہاں یہ بات تو ضرور ہے کہ گورنمنٹ ملازمت دینے کی ذمہ دار نہیں ہے اور یہی حال قانون میں ہے - میں اس کے متعلق اوروں سے صلاح لینے والا ہوں -

سید علی بلگرامی[1] کو میں نے کیمبرج خط لکھا - اس کا جواب کل کی ڈاک

۱- مترجم ''تمدن عرب'' و ''تمدن ہند'' - عربی ، فارسی ، سنسکرت ، بنگلہ ، مرہٹی ، تلنگی اور انگریزی زبانوں کے ماہر تھے - فرنچ اور جرمن بھی جانتے تھے - نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی اور ڈاکٹر میجر سید حسن بلگرامی کے بھائی تھے - پٹنہ میں سنہ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲ مئی ۱۹۱۱ء کو بمقام ہردوئی انتقال کیا - (مرتب)

میں آیا کہ میں آپ سے دور ہوں ۔ پورے حالات معلوم کیے بغیر میں کوئی رائے نہیں دے سکتا ہوں ۔ بہتر ہے کہ آپ میرے بھائی صاحب ڈاکٹر میجر سید حسن[1] ایم ۔ ڈی سے ملیں ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ آپ کو عمدہ مشورہ دیں گے ۔

کسی وقت جا کر ان سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں اور میں زراعت کی بابت اور زیادہ دریافت کر رہا ہوں ۔ پورے اطمینان پر ہی مجھ کو اس میں داخلے کے لیے آپ کی اجازت درکار ہوگی ۔ یہ مجھے خوب معلوم ہے کہ جناب قانون کے صیغہ کو پسند کرتے ہیں سو اس کی خلاف ورزی میں کچھ نہیں کروں گا ۔ بخدمت والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود[2] خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

عزیز القدر محمد مودود خاں[3] بعافیت باشند میں یقین کرتا ہوں کہ تم خیریت سے ہوگے اور اپنی انگریزی کے لیے سخت ترقی (کذا) کر رہے ہو گے مجھ پر بھی بہت سی مشکلات پڑ رہی ہیں اسی وجہ سے کہ میری ایسی زیادہ لیاقت نہیں ہے اس لیے تم برابر کوشش کیے جاؤ کہ جلد انگریزی میں بات چیت اور نوشت خواند کرنے لگو ۔ تمہارے استادوں کو میرا سلام کہہ دینا ۔ مجھ کو اپنی خیریت کا خط لکھتے رہا کرو ۔

فقط

محمود

۱۔ علی گڑھ ایسوسی ایشن (لندن) کے صدر تھے ۔ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۱۵ء کو شملہ میں حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پائی ۔ (مرتب)

۲۔ مشہود خاں ، شیرانی صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی تھے ۔ تاریخ ولادت ۱۵ جولائی ۱۸۹۹ء ۔ شیرانی صاحب کو ان سے بہت محبت تھی جس کا اظہار ان کے خطوط میں جابجا کیا گیا ہے ۔ والد کی وفات کے بعد دسمبر ۱۹۰۶ء میں دوبارہ انگلستان جاتے وقت شیرانی صاحب انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے ۔ پھر یہ واپس نہیں آئے ۔ چند سال قبل تک ایسیکس (Essex) میں مقیم تھے ۔ اب خدا جانے زندہ بھی ہیں یا نہیں ۔ (مرتب)

۳۔ شیرانی صاحب کے تیسرے بھائی ۔ ان کی پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۸۶ء کی تھی ۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ٹونک میں وفات پائی ۔ (مرتب)

برادر عزیز محمد مقصود[1] خاں بحفظ ایزد متعال باشند

میں بخیریت ہوں ۔ تم کیا کرتے ہو ۔ میں خوش ہوؤں گا اگر والد ماجد کے قلم کا لکھا ہوا دیکھوں گا کہ تم دل سے اور شوق سے پڑھ رہے ہو ۔

تم مجھ کو اپنے قلم سے اپنی خیریت لکھا کرو اور پڑھنے سے کبھی غافل نہ رہو ۔

فقط

محمود

(۲)

16 Kildare Terrace

Bayswater W

یوم جمعہ[2] وقت دو بجے دن کے

لندن

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

آداب کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں تاحین تحریر ہذا بخیریت ہوں ۔ نوازش نامہ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۰۴ء سہ شنبہ کو موصول ہوا ۔ رجسٹری کی رسید دے چکا ہوں ۔ پاسپورٹ پہنچ چکا ہے ۔ میری صحت ہر طرح اچھی ہے ۔

مجھ کو اب اس قدر بھی فرصت نہیں ہے کہ کسی ہندوستانی سے ملوں ۔ دس بجے ناشتہ کھا کر کالج گیا ۔ وہاں سے ایک بجے گھر پہنچ کر کھانا کھایا ۔ پھر کالج روانہ ہوا ۔ پانچ بجے ، چھ بجے ، بعض اوقات سات بجے وہاں سے لوٹا ۔ لیکچر وغیرہ کی نقل کی ۔ کچھ یاد کیا ۔ نو بجے کھانا کھا کر پروفیسر کے پاس گیا ۔ دو گھنٹے اس سے پڑھا ۔ وہاں سے آیا ۔ بارہ بج چکتے ہیں ۔ آتے ہی سو جاتا ہوں ۔ کبھی چھ بجے آنکھ کھل گئی کبھی سات بجے کبھی آٹھ بجے ۔ پیشاب پاخانے گیا ، ہاتھ منہ دھویا ، کپڑے پہنے ، اتنے میں نو بج چکتے ہیں ، ناشتہ کیا اور کالج پہنچا ۔ بس یہ میری زندگی کا دستور ہے ۔ اب اس حالت میں جب کبھی مجھ کو موقعہ مل جاوے گا ، اپنے مفصل حالات لکھ دیا کروں گا ورنہ اپنی صحت کے متعلق لکھ سکوں گا ۔ اس وقت لنچ کھا کر ارادہ کر رہا تھا کہ کالج جاؤں ۔

۱۔ شیرانی صاحب کے چوتھے بھائی ۔ ولادت ۳ نومبر سنہ ۱۸۹۱ء (غالباً) اکتوبر ۱۹۴۰ء میں ٹونک میں انتقال ہوا ۔

۲۔ اس خط پر تاریخ موجود نہیں البتہ اس کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۲۵ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کا تحریر کردہ ہے ۔ کیونکہ جس خط کا یہ جواب ہے وہ انہیں ۲۲ نومبر ۱۹۰۴ء (منگل) کو موصول ہوا تھا ۔ (مرتب)

پھر یاد آیا کہ آج جمعہ ہے ، گھر خط لکھنا ضروری ہے - گھر گیا اور یہ خط لکھنا شروع کیا -

جناب کے جس قدر فقرات ہیں کوئی ایسا فقرہ نہیں کہ جواب چاہتا ہو - تسلی آمیز فقرات کی بابت عرض ہے کہ مجھ کو میرے والدین کی طرف سے دلاسہ دینے والے خطوط آنے چاہییں - یہاں اجنبی ہوں اس لیے گھبراتا ہوں لیکن اب پہلی سی حالت نہیں ہے - ہنڈوی کی بابت عرض ہے کہ جب فرصت ہو اور موقعہ ہو روانہ فرما دیں - خواہ کوئی سا انتظام فرماویں روپیہ مجھ کو مل جاوے گا -

کالج میں ہم لوگ ہندوستانی ، افریقن ، حبشی ، انگریز ، فرانسیسی ، جرمن ، امریکن سب ہی قسم کے ہیں - وہاں کوئی ایسا موقعہ نہیں ہوتا کہ بات کریں ، میل بڑھاویں - پہلے تو سب کو جلدی ہوتی ہے کہ حاضری کے وقت کالج پہنچ جاویں - حاضری کے بعد لیکچر شروع ہوا - اس میں مشغول ہو گئے جس میں صرف سامعہ کام کرتا ہے - لیکچر ختم ہوتے ہی سب کو جلدی ہوتی ہے کہ کھانے کے وقت گھر پہنچ جاویں اور جس دن لیکچر ایک سے دو تک ہوتا ہے اس دن یا تو بھوکا رہنا ہوتا ہے یا پانچ شلنگ کا خون ہوتا یعنی پونے چار روپیہ دینا ہوتے ہیں کیونکہ گھر سے تو امید ٹوٹ جاتی ہے کہ وہاں تو ہو چکا ہے - اس لیے کسی (ریسٹورنٹ) نان بائی کی دوکان پر جا کر کھانا ہوتا ہے جو سادہ اور معمولی غذا کے پانچ شلنگ لے لیتا ہے - بعض وقت کالج میں فرصت ہوئی لائبریری میں جا بیٹھتے ہیں - وہاں اپنی اپنی کتابیں دیکھتے ہیں - ہم سینکڑوں لڑکے ہوتے ہیں لیکن تمام خاموش ہوتے ہیں - کوئی کسی سے نہیں بولتا - باقی سب طرح خیریت ہے - بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم مشہود خاں کو پیار -

فقط

مودود و مقصود کے فقرات دیکھے - خوشی ہوئی - مسعود خاں پوچھتے[1] ہیں کہ کالج کے قریب مکان کیوں نہیں لے لیتے - اعتراض نہایت معقول ہے لیکن وہ بھولتے ہیں کہ وہ شہر کا وسط ہے - کرایہ اس قدر گراں ہے کہ اللھم حفظنا - معمولی مکانات پانچ پونڈ فی ہفتہ کرایہ کے ہیں ، اچھے مکان ایک گنی روزانہ کے - اور یہ تو سردی ہے جس میں لندن بہت سستا ہو جاتا ہے خوراک اور مکان میں - کیونکہ عموماً لوگ باہر کنٹری میں چلے جاتے ہیں - سمندر کے اطراف میں جا رہتے ہیں کیونکہ وہاں سردی لندن کی بہ نسبت کم ہوتی ہے لیکن گرمیوں میں جب کہ پارلیمنٹ کھلتی ہے اور تمام سرکاری بڑے بڑے آفس کھل جاتے ہیں ، اس وقت

١- شیرانی صاحب کے دوسرے بھائی تھے - ٢ نومبر سنہ ١٨٨٢ء کو پیدا ہوئے - اور ٧ مئی ١٩٥٦ء کو نواب شاہ (سندھ) میں انتقال کیا - (مرتب)

لندن کا نرخ بہت مہنگا ہو جاتا ہے کیونکہ تمام بڑے بڑے لارڈ اور ڈیوک اور سرکاری عہدہ دار اور ان کے آفس کے لوگ واپس آ جاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اس وقت نصف آبادی ہے اور نصف آبادی کے لوگ باہر دیہات وغیرہ میں چلے گئے ہیں اور گرمیوں میں وہ سب واپس آ جائیں گے ۔ عزیزم مسعود خاں یہ وجہ ہے کہ میں کالج کے پاس مکان نہیں لے سکتا ۔ دوسرے وہاں مکانات جو ملتے ہیں وہ پانچ پانچ سال دس دس سال کی میعاد کے اوپر ملتے ہیں جو ہم لوگ نہیں چاہتے اس لیے یہاں دو طریقے کے حساب ہیں ایک تو ہفتہ وار جیسے ہم لوگ ، دوسرے سالانہ بلکہ کئی سال کے عہدہ میں ، جن میں بڑے بڑے ساہوکار ، سوداگر ، بیرسٹر ، جج وغیرہم رہتے ہیں یا ان کے آفس رہتے ہیں ۔ اس وقت بڑے بڑے سوداگروں کے آفس یعنی محکمے شہر سے باہر ہیں ۔ جب وہ آ جاویں گے تو شہر میں قسمت سے ہی مکان خالی ملیں گے ۔

فقط

محمود

مقصود خاں ، مجھ کو اس قدر فرصت نہیں کہ تم کو ٹکٹ اتار کر بھیجوں اس لیے میں کبھی تمام کاغذات تم کو بھیج دوں گا ۔ پھر خود اتارتے رہنا ۔

فقط

شیرانی

(۳)

لندن

۱۶ کلڈیر ٹیریس ۔ بیزواٹر

۲۳ دسمبر ۱۹۰۴ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین دام برکاتکم

میں برادر عزیز محمد مشہود خاں کے لیے یہ اے ۔ بی ۔ سی ۔ ایک بھیجتا ہوں اور یہ بہتر خیال کرتا ہوں کہ ابھی سے ان کو انگریزی حروف کی شناخت ڈال دی جائے ۔ یہ کتاب اس طور سے لکھی گئی ہے کہ بچے اپنے آپ اس میں سے حرف پہچاننے لگتے ہیں ۔ کل دو لفافے خدمت اقدس میں روانہ کر چکا ہوں ۔ جمعہ آج ہے لیکن کرسمس کی وجہ سے اب کے ہندوستان کی ڈاک جلد روانہ ہوگی یعنی آج جمعہ کے بارہ بجے یہاں سے روانہ ہو جاوے گی ۔ میں نے اپنے پہلے خط جلد اس لیے ڈال دئیے کہ مجھ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاک ممالک غیر ایک روز پہلے یعنی جمعہ کی بجائے جمعرات کو روانہ ہو جاوے گی ۔ اس لیے وہ خط میں نے اسی وقت ڈال دئیے ۔ اب یہ کتاب بھیجتا ہوں اس لیے یہ خط علیحدہ روانہ کرتا ہوں ۔ ہمیشہ ڈاک جمعہ کی رات کے دس بجے لندن سے روانہ ہوتی ہے اور شہر سے پانچ چھ بجے نکل جایا کرتی ہے ۔ میں ہر طرح بخیریت ہوں ۔ سردی سخت پڑ رہی ہے ۔ کہر برابر ایک ہفتہ سے جاری ہے ۔ دن رات چراغوں کی روشنی سے کام لیا جا رہا ہے ۔ باقی سب

طرح خیریت ہے - فقط

محمد مشہود خاں کو پیار - فقط　　　　　　　　　　محمود شیرانی

(۴)

یوم آدینہ

۵ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء[1]　　　　　　　　خفیہ

ابا جان !

میں اس وقت مایوسی اور نا امیدی کی حالت میں یہ عریضہ لکھ رہا ہوں اور مجھے یہ بھی خبر نہیں ہے کہ جب تک یہ عریضہ جناب کی خدمت میں پہنچے گا میں اس دنیا میں ہوؤں گا یا اس دنیا میں - مجھے خبر نہیں تھی کہ میری موت مجھے انگلستان لے کر آئی تھی جہاں گھر والے تو درکنار دوست احباب کے ہاتھ سے کفن و قبر بھی نصیب نہیں ہوگا -

ابا جان میں اس دو ہفتہ کی بیماری کے عرصہ میں بہت رویا ہوں اور میں نے آپ سے غائبانہ معافی مانگی ہے ، اپنے گناہوں کی - میں نے آپ کا روپیہ ہمیشہ برباد کیا ، انگلستان آ کر اور بھی برباد کیا - ہمیشہ آپ کی نافرمانی کی اور اس وقت ایسے مقام پر ہوں جہاں موت کی سرحد بالکل قریب ہے اور زندگی کا ہمسایہ کوسوں دور ہے - ابا جان میں آپ کی بدنصیب اولاد ہوں - اگر مر جاؤں تو آپ مجھے معاف کر دینا - مجھے اپنی زندگی کی کچھ امید نہیں رہی ہے - میرا تمام سر سوج رہا ہے ، چہرہ پر ورم ہے - یہ بیماری میں نے کبھی ہندوستان میں نہیں دیکھی اور نہ سنی - ناک اور منہ سے خون جاری ہے اور دونوں سے رات دن پیپ بہہ رہی ہے - درد کی یہ شدت ہے کہ اللھم حفظنا جب ڈاکٹر دو تین روز میں سونے کی دوا دے دیتا ہے تو چھ سات گھنٹے کے لیے سو رہتا ہوں ورنہ وہی بے قراری اور وہی تڑپنا - ڈاکٹر نے دو نرسیں یعنی دو ملازم عورتیں جو ہسپتال میں کام کرتی ہیں ، بھیج دی ہیں - وہ اٹھاتی بٹھاتی سلاتی ہیں -

میں دل میں کیا کیا امیدیں لے کر یہاں آیا تھا لیکن کیا خبر تھی کہ یہاں میرا موت سے سامنا ہوگا - تمام سر پک رہا ہے - میں نے خیال کیا تھا کہ میں کفایت شعاری سے رہوں گا - اسی خیال سے یہاں آ کر کپڑے نہیں بنوائے - اب

۱- ۵ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء کو جمعہ نہیں بلکہ جمعرات تھی - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی گھبراہٹ میں دن یا تاریخ میں سے ایک کے اندراج میں غلطی کر گئے ہیں - (مرتب)

بھگت رہا ہوں - ڈاکٹر اور نرسیں مجھ کو تباہ کر دیں گی - ڈاکٹر کی فیس ایک دفعہ آنے کی دس شلنگ ہے - وہ دن بھر میں دو دفعہ آتا ہے اور آج دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ ہونے کو آیا - اور خدا جانے میں کب تک بیمار رہوں - یہ خیالات ہیں جو مجھے ذبح کر رہے ہیں - میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں اچھا ہو جاؤں گا یا میری بیماری کا نتیجہ موت ہوگا - لیکن ابا جان آپ مجھے دل سے معاف کر دینا اگر میں مر جاؤں گا - اگرچہ میں آپ کا نافرمان اور فضول خرچ بیٹا تھا - آپ میری والدہ سے بھی کہہ سن کر مجھے معاف کروا دینا اور حمیدہ[1] سے مہر بخشوا دینا اور اس کی بابت جو کچھ آپ مناسب سمجھیں کرنا کیونکہ آپ کو اس کا مجھ سے زیادہ خیال ہے -

میری بیماری کی بابت ہوا[2] سے یا کسی اور سے ذکر نہ فرماویں - ممکن ہے کہ میں جلد اچھا ہو جاؤں اور ہوا کی عادت تو آپ جانتے ہیں رونے کی ہے - کسی آدمی کو میرے لیے یہاں مت بھیجنا - میرا خدا پر بھروسہ ہے ، آپ بھی خدا پر بھروسہ کیجیے اور دعا کیجیے کہ جلد صحت پا کر اپنے فرائض میں مشغول ہو جاؤں -

فقط

بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار - فقط

محمود شیرانی

اس ہفتہ مجھ کو گھر سے کوئی خط نہیں ملا جس سے اور بھی پریشانی ہے -

محمود

(۵)

لندن - کلڈیر ٹیریس

سہ شنبہ[3]

(میری بیماری کے متعلق والدہ کو ہرگز ہرگز اطلاع نہ ہو - محمود)

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

گذشتہ جمعہ ایک عریضہ لکھ چکا ہوں - حسب معمول ڈاک خالی نہیں جانے

۱- شیرانی صاحب کی اہلیہ محترمہ (والدہ اختر شیرانی مرحوم) - عالم خان ولد محراب خاں شیرانی کی دختر تھیں - (مرتب)

۲- شیرانی صاحب اپنی والدہ محترمہ کو 'ہوا' کہا کرتے تھے بلکہ پورے خاندان میں وہ اسی لفظ سے مخاطب کی جاتی تھیں - (مرتب)

۳- اس خط پر تاریخ نہیں دی گئی - قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء (منگل) کا تحریر کردہ ہے - (مرتب)

دی ہے - اس میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ اب کی ڈاک میں جو لندن ۳ دسمبر ۱۹۰۴ء کو پہنچی مجھ کو گھر سے کوئی خط نہیں ملا تھا - بے شک اس وقت تک یعنی جمعہ تک مجھے کوئی خط نہیں ملا تھا لیکن شنبہ کے دن ، جو کہ ڈاک کا دن تھا ، دن کے دس بجے مجھ کو جناب کا لفافہ ملا ، جس پر تیرہ دسمبر کی تاریخ تھی اور جس کے اندر لکھا تھا کہ یہ گیارھواں خط ہے - اس سے پہلے ایک رجسٹری مجھے ملی تھی - نہیں معلوم اس کی رسید میں نے دی یا نہیں -

جمعہ کے روز سے میری یہ حالت ہے کہ ہر وقت شدت درد کی وجہ سے نشہ کی حالت میں رہتا ہوں ، آنکھیں کھلتی نہیں ، کانوں سے سماعت موقوف ، دانتوں سے کوئی چیز نہیں چبتی - تمام چہرہ سوج گیا ، سینہ پر ورم آن پہنچا - ان پچھلے دنوں میں مجھے تو اپنی زندگی کی امید تھی نہیں - آدمی کی صورت پہچانی نہیں جاتی تھی - آخر کل ڈاکٹر نے دونوں کانوں کے قریب شگاف دیا - کوئی آدھ سیر کے قریب خون اور پیپ نکلی - درد میں اب وہ اگلی سی شدت نہیں لیکن ابھی تک دونوں کانوں سے خون اور پیپ جا رہے ہیں - دن اور رات میں شفاخانہ کی عورتیں (نرسیں) دس بارہ مرتبہ دونوں کانوں کو دھوتی ہیں اور صاف کرتی ہیں ، دوا ڈالتی ہیں ، روئی کے پھاہے چڑھاتی ہیں لیکن کانوں کا درد اب تک بدستور جاری ہے - جس دن شگاف لگایا اس دن تو کسی قدر نیند آئی لیکن اس کے پہلے اور اس کے بعد خواب آور دوا دینے کے باوجود بھی نیند نہیں آتی ہے - رات کے تین بجے چار بجے اگر آنکھ لگ گئی تو ایک دو گھنٹوں کے لیے آرام ہوگیا ورنہ وہی درد ہے وہی ٹیسیں ہیں مجھ کو تمام عمر میں اس قدر تکلیف نہیں ہوئی جیسی آج کل برداشت کر رہا ہوں - آج اور دنوں کی نسبت کوئی دو گھنٹہ سے طبیعت بہت اچھی ہے - میں نے خیال کیا کہ جناب کو خط لکھ دوں کل خدا جانے کیا پیش آوے - میرے پاس خرچ بالکل نہیں ہے اور بیماری کا خرچ اس کے متعلق میں نے ابھی کچھ ادا نہیں کیا ہے- نہ ڈاکٹر کو فیس دی ہے اور نہ نرسوں کو کچھ دیا ہے - دوا وغیرہ یہ بھی سب ڈاکٹروں کی معرفت آ رہی ہیں - میں نہیں جانتا اگر خرچ دیر میں آیا تو میری کیا حالت ہوگی - اور مجھے آپ سے مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے - میں نہیں جانتا میں کیا کروں - اللہ تعالیٰ موت دے دے تو اچھی بات ہے - مجھے کس قدر شرم آتی ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں چار ہزار پچاس روپیہ لے کر گھر سے نکلا تھا اور آج چار مہینہ بعد وہ تمام روپیہ خرچ ہوگیا اور میں آپ سے پھر مانگ رہا ہوں - ابا جان اگر آپ دل میں یہ خیال کریں گے کہ میں نے فضول خرچی کی ہے تو مجھے بہت صدمہ ہوگا - تقریباً تین ہزار تو کرایہ جہاز اور فیس کالج میں

چلا گیا - باقی رہا ایک ہزار - اس کے اندر ہی تین مہینہ گذر گئے - کتابیں خریدیں اور کچھ چیزیں یہاں کی رسم کے مطابق خریدیں -

پھر بھی میں نے دس پونڈ اصل میں سے نکال کر علیحدہ سیونگ بینک میں رکھ دیے ہیں صرف اس خیال سے کہ موت ہے زیست ہے خدا جانے کیا وقت پڑے - اور یہ ارادہ کر رہا تھا کہ ہر سال اتنی ہی رقم بچا بچا کر سیونگ بینک میں رکھتا جاؤں گا اور جب میں یہاں سے جانے لگوں گا تو اس وقت میرے پاس تیس پونڈ فالتو ہوں گے اور اگر مر گیا تو گور و کفن کے لیے کافی ہوں گے کیونکہ اگر میں مر جاؤں تو بینک میرے حساب میں ایک کوڑی بھی نہیں دے گا کیونکہ وہ زیادہ تر دستخط مانگتے ہیں اور یا وہ میرا باقی روپیہ میرے وارثوں کے سپرد کر دیں گے -

اس ہفتہ سے ان دس پونڈ پر گذارہ ہے مگر تابکے - ڈاکٹر کی فیس دس شلنگ روزانہ - نرسوں کی فیس پانچ پانچ شلنگ روزانہ - یہ میری لینڈ لیڈی بہت اچھی ہے جس نے مجھ کو اس قدر بیماری پر بھی اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دی ورنہ انگریز لوگ بڑے بے رحم ہوتے ہیں - جہاں کسی کو زیادہ بیمار پایا ، ہسپتال بھیج دیا - اگر وہ بالکل مفلس ہے اور ڈاکٹر کی فیس ادا نہیں کر سکتا تو خیراتی شفاخانے میں بھیج دیا جہاں اس کی موت و زیست صرف ان لوگوں کے رحم پر منحصر ہے - جوان اور بچے تو خیر ، ضعیف اور بوڑھے تو اکثر مر کر ہی نکلتے ہیں - ہر روز ان مرنے والوں کی اخباروں میں فہرست ہوتی ہے کہ فلانے ہسپتال میں اتنے آدمی مرے اور فلانے میں اتنے اگر فیس ادا کر سکتا ہے تو سرجری میں بھیج دیا جہاں خرچ کا کچھ حساب نہیں ہے اور بیمار مجبور کہ ان کی فیس وغیرہ کے علاوہ ان کو دیتا رہے ورنہ طرح طرح سے اس کو ستایا جاوے گا- انگریز صرف کہنے کو مہذب ہیں اور ہمدرد ہیں ورنہ ان میں دونوں باتیں مفقود ہیں- یہ صرف ایک چیز جانتے ہیں، روپیہ- روپیہ ان کا خدا ہے، روپیہ ان کا ایمان ہے - غرض روپیہ کے سوا یہ کچھ نہیں جانتے- میری لینڈ لیڈی، اگرچہ اس کو انگلینڈ میں رہتے تمام عمر گذر گئی لیکن ہمیشہ یہی کہا کرتی ہے کہ انگریز ہمیشہ خود غرض ہوتے ہیں - یہ عورت آئرش ہے یعنی آئرلینڈ کی رہنے والی - کہتی ہے کہ میں تم پر بہت رحم کرتی ہوں کہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر اتنی دور یہاں آن پڑے ہو - اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا ایک بیٹا نو سال سے ہندوستان میں ہے - اگر میں دوسروں کی اولاد کو تکلیف دوں گی تو ممکن ہے کہ خدا میری اولاد کو تکلیف دے -

ابا جان یہ شفا خانوں کی بابت جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے ، میں نے سنا ہے ۔ خدا نہ کرے کہ میں وہاں جاؤں ۔ لیکن یہ تمام مصیبت ان لوگوں کے لیے ہے جو مسافر ہیں یا جو گھر بار نہیں رکھتے یا جن کے رشتہ دار نہیں ہیں ۔ ابا جان آپ اس بات کا ہرگز خیال ہی نہ کرنا کہ اس قسم کی بیماری سے میں گھبرا جاؤں گا ، واپس ہندوستان آنے کی خواہش کروں گا یا ہندوستان سے کسی کو اپنی تیمارداری کے لیے بلاؤں گا ۔ پچھلی بات تو بالکل فضول ہے۔ رہی پہلی بات ہندوستان آنے کی بابت ۔ میں مر جانا قبول کروں گا ، اس سے دس گنی بیماری برداشت کر لوں گا بہ نسبت اس کے کہ میں بے نیل مرام ہندوستان آؤں اور آپ کو اپنی منحوس صورت دکھاؤں ۔ اگر انگلستان میں میری موت لکھی ہے تو کوئی اسے مٹا نہیں سکتا ورنہ اس طرح اگر پچاس مرتبہ بھی بیمار ہوؤں تو کچھ پرواہ نہیں ۔ دست از طلب ندارم تاکام برنیاید ۔

دو شنبہ کی صبح یعنی کل ایک رجسٹری اور ایک خط مجھ کو اس میل سے ملا ۔ یہ ۲۰ دسمبر کا لکھا ہوا تھا اور اس خط کو بارھواں خط کہنا چاہیے ۔ اس میں نواب فتح علی خاں[1] قزلباش کے سفر نامہ کی بابت ذکر تھا ۔ اس وقت جواب دینے کی طاقت نہیں ہے صرف رسید لکھے دیتا ہوں ۔

رجسٹری کے متعلق سنیے کہ اس کو میں نے کھولا تو اس میں ایک نوٹ چھیاسٹھ پونڈ یا ایک ہزار روپیہ کا تھا ۔ خیال کیا کہ یہ نوٹ جناب نے بھیجا ہے ۔ اس نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا ۔ خط کو تو میں ضعف کے سبب سے نہ پڑھ سکا ۔ میں نے یہی خیال کر لیا کہ آپ نے یہ نوٹ بھیجا ہے ۔ میں بہت خوش ہوا کہ وقت پر روپیے پہنچ گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد نوٹ کو کھول کر دیکھتا ہوں تو اس میں جگناتھ سریرے لکھا ہوا ہے ۔ رجسٹری کا پتہ جو دیکھا تو اس پر بھی جگناتھ سریرے معرفت طامس کک اینڈ سنز لکھا ہوا ہے ۔ اس وقت میں بڑا گھبرایا ۔ اول تو روپیہ پانے کی خوشی معدوم ہو گئی ۔ اس کے بعد میں نے اپنی نرس کو طامس کک کے ہاں بھیجا ۔ وہ وہاں سے اس شخص کا پتہ لائی ۔ پھر میں نے اس کو خط لکھا کہ جس طرح ہو سکے مجھے فوراً آ کر مل جاؤ ۔ خیر رات کے سات بجے کے قریب وہ شخص میرے پاس آیا ۔ اس وقت میں بہت ہی غفلت کے عالم میں تھا ۔ تھوڑی دیر میں میں نے اس سے سوالات کرنا شروع کیے ۔ وہ میرے سوالات کے جوابات لکھتا گیا کیونکہ میں سن نہیں سکتا تھا ۔ سب سے پہلے اس نے

---

۱ ۔ والد نواب مظفر علی قزلباش ۔ ان کا سفر نامہ «سیاحت فتح خانی» کے نام سے مطبع مفید عام ، لاہور سے سنہ ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا ۔ (مرتب)

مجھے میرا خط دکھایا جس سے مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کو میں نے بلایا تھا - پھر میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا جگناتھ - میں نے کہا میں پورا نام چاہتا ہوں -

(چہار شنبہ وقت صبح)

رات کو میں بارہ سے لے کر تین بجے تک اچھی طرح سے سویا - پھر دوبارہ خواب آور دوا پی لیکن نیند نہیں آئی - آخر آگ کے سامنے پڑے پڑے صبح کر دی - رات والی نرس چلی گئی ہے اور دن والی نرس چلی آئی ہے - یہ پچھلے صفحے میں نے کل سارا دن اور رات میں لکھے ہیں - آنکھیں برابر ٹھہرتی نہیں ہیں - پہلے کی بہ نسبت بینائی میں بہت فرق ہو گیا ہے - اس لیے مجھ کو لکھنے میں بہت دقت پڑتی ہے - اس وقت چونکہ طبیعت درست ہے اس لیے باقی حالات گوش گذار کرتا ہوں -

میں نے مسٹر جگناتھ سے ان کا پورا نام پوچھا تو انھوں نے جگناتھ سریرے بتایا - مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کا یہ نوٹ ہے - لیکن اس سے کچھ نہیں کہا اور دیگر سوالات کرنے شروع کیے - ان کے والد کی بابت پوچھا - وہ امرتسر کے رہنے والے ہیں اور کالکا میں ریلوے کے ٹھیکہ دار ہیں - شملہ میں ان کے کوئی رشتہ دار ہیں لالہ ٹھاکر چند نامی جو ایگزیمنر آفس میں [ا] کونٹنٹ ہیں - اس میں بھی شک نہیں کہ یہ نوٹ لالہ ٹھاکر چند اکونٹنٹ نے شملے سے بھیجا تھا - اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی شخص ہے جو اس نوٹ کا مالک ہے - پھر اس سے میں نے پوچھا کہ کیا آپ کو آج کل میں کہیں سے روپیہ آنے کی امید ہے - اس نے کہا ہاں میں گذشتہ سال ہندوستان چلا گیا تھا - اکتوبر میں واپس آیا اور یہاں آتے ہی میں دماغی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس بیماری نے بہت طول پکڑا اور آخر میں سرجری ہسپتال میں بھیج دیا گیا جہاں میرا چار ہفتوں میں سات سو روپیہ اٹھ گیا اور خیر میں شکر کرتا ہوں کہ جان بچ گئی - اب کوئی تین ہفتہ سے مجھے صحت ہوئی [ہے] میرے پاس روپیہ نہیں تھا - میں نے گھر تار دیا - اس کا جواب آج کی ڈاک میں موصول ہوا کہ ایک ہزار کا چیک لالہ ٹھاکر چند کے نام شملے بھیج دیا ہے - امید ہے کہ تم اسی میل سے روپیہ پاؤ - میں نے کہا کیا آپ مجھ کو وہ خط دکھا سکتے ہیں - اس پر تامل کیا - میں نے کہا جناب من موجودہ ضروریات اس قسم کی ہیں کہ میں آپ سے یہ سوالات کرنے کا حق رکھتا ہوں - آپ مجھ کو اپنا ہندوستانی بھائی خیال کر کے بتا دیں - میں صرف اپنا اطمینان [چاہتا ہوں] اور بعد میں میں آپ کو جس غرض کے لیے تکلیف دے رہا ہوں اس سے مطلع کر دوں گا - تب اس نے کہا کیا آپ اردو جانتے ہیں - میں نے کہا ہاں - تب اس نے مجھ کو ایک لفافہ دکھایا جس پر اسی

روز کی مہر تھی اور اندر سے وہ مقام دکھایا جہاں روپیہ کی بابت ذکر تھا - جو کچھ اس شخص نے کہا تھا سب سچ تھا - اب میں نے اس کو رجسٹری دکھائی - اس نے پتہ دیکھ کر کہا لالہ ٹھاکر چند کے ہاتھ کی تحریر ہے - خیر میں نے اس سے پھر کہا کہ وہ ایک ہزار روپیہ کا نوٹ اسی میں موجود ہے - طامس کک نے غلطی سے میرے نام بھیج دیا - اور میں نے بھی بغیر پتہ دیکھے اسے کھول لیا جس کی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں- میری ایک نرس موجود تھی - میں نے اپنی لینڈ لیڈی کو بھی بلایا اور ان دونوں کے سامنے وہ نوٹ دونوں کو دکھا کر لالہ جگناتھ کو دے دیا - اس شخص نے بہت ہی مشکوری کے کلمے ظاہر کیے اور کہا کہ اگر اس ہفتہ مجھ کو خرچ نہ پہنچتا تو مجھ کو اپنی چیزیں فروخت کرنے کی ضرورت پڑتی - اگر کسی انگریز کے ہاتھ یہ نوٹ لگ جاتا تو وہ بالا بالا روپیہ وصول کر لیتا - خدا کا شکر ہے کہ آپ کے ہاتھ یہ نوٹ لگا جو مجھ کو واپس مل گیا - کہنے لگا کہ تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا [تھا] کہ ہم اور آپ ہندوستانی بھائی ہیں - میں چاہتا ہوں کہ فی‌الحقیقت ہم دونوں بھائی بن جاویں - الغرض ایک دفعہ اور ہاتھ ملایا اور اپنے اپنے خانگی حالات اور اپنے آئندہ خیالات پر باتیں کرتے رہے - یہ لالہ جگناتھ امرتسر کے رہنے والے ہیں - ۱۹۰۳ء کے اگست میں یہاں آئے - ایک امتحان دے چکے ہیں - تین اور باقی ہیں - ۱۹۰۴ء کی تعطیلوں میں واپس ہندوستان چلے گئے تھے - چھٹیوں کے بعد وہاں سے آئے - یہ بھی قانون میں داخل ہیں اور ان کے کالج کا نام گریزان[1] ہے - آخر کوئی بارہ بجے رات کے دوسرے دن مجھ سے آنے کا وعدہ کرکے چلے گئے -

دن کے دس بجے ڈاکٹر آیا - دونوں کانوں سے خون اور پیپ نکالے - آج اور دنوں سے زیادہ خون نکلا - شگاف میں بتی رکھی ، کان دھویا ، دوا ڈالی اور نرس کو ہدایت کر کے چلا گیا - اتنے میں نرس نے مجھے کھانا کھلایا - بعد میں دوا پلائی - بارہ بج چکے تھے (دن کے) کہ شیخ عبدالقادر[2] آئے - انھوں نے معذرت کی کہ مجھ کو تمہاری بیماری کی بالکل خبر نہیں تھی - ان سے بھی تحریر کے ذریعہ گفتگو ہوئی - شیخ صاحب کوئی پون گھنٹہ ٹھہرے اور چلے گئے - دو بجے کے قریب لالہ جگناتھ پھر آئے اور اپنے ساتھ کچھ میوہ بھی لائے تھے جو بہت اصرار کے بعد میں نے

۱- Gray's Inn

۲- (سر) شیخ عبدالقادر بھی سنہ ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لیے انگلستان گئے تھے - سنہ ۴ سے سنہ ۶ کے دو سالہ عرصے میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان وہ گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے جو مدت العمر تک قائم رہے - آیندہ خطوط میں جا بجا شیخ صاحب کا ذکر آئے گا - بلکہ شیرانی صاحب کے والد محترم سے بھی شیخ صاحب کی خط و کتابت ہوگئی تھی - (مرتب)

قبول کیا ۔

شام کو ساڑھے پانچ بجے پروفیسر آرنلڈ[1] تشریف لائے ۔ مجھ کو ان کے آنے کا وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ کوئی گھنٹہ بھر ٹھہرے ۔ ان سے بھی وہی تحریر کے ذریعہ سے باتیں ہوئیں ۔ یہ پروفیسر آرنلڈ کی بڑی مہربانی ہے جو باوجود عدیم الفرصت ہونے کے میرے ہاں آئے حالانکہ انڈیا آفس میرے مکان سے کوئی آٹھ نو میل کے فاصلے پر ہے ۔ سنیچر کو پھر آنے کا وعدہ کرکے گئے ہیں ۔

یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں ایک فارسی پروفیسر کی ضرورت ہے ۔ تنخواہ شاید دو سو ڈھائی سو پونڈ سالانہ ہے ۔ اس کے لیے بڑے بڑے لوگوں نے ہندوستان سے درخواستیں بھیجی ہیں اور زیادہ تر قابل تعجب امر یہ ہے کہ یہاں سے بھی بڑے بڑے لوگوں نے درخواستیں دی ہیں ۔ مثلاً شیخ عبدالقادر ۔ ان کی فارسی لیاقت کا مجھ کو علم نہیں لیکن یہ بھی چاہتے ہیں ۔ سید امیر علی[2] جج (سابق) کلکتہ ہائی کورٹ ۔ انھوں نے درخواست دی ہے ۔ پروفیسر ٹی ۔ ڈبلیو ۔ آرنلڈ نے خود درخواست دی ہے ۔ اب جب ایسے بڑے بڑے لوگ درخواست دیں تو ہمیں کون پوچھے ۔ ہاں ڈاکٹر ایم حسن بلگرامی کی بھی درخواست ہے اور کئی انگریز ہیں جن سے مجھ کو شناسائی نہیں لیکن انھوں نے درخواستیں بھیجی ہیں ۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ کون مقرر ہوگا ۔

۱۔ جن دنوں شیرانی صاحب لاہور اورینٹل کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے ، آرنلڈ صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے ۔ بلکہ اسی دوران میں ایک مختصر عرصے (اپریل تا نومبر سنہ ۱۸۹۹ء) کے لیے وہ اورینٹل کالج کے پرنسپل رہے ۔ اس سے قبل ۱۸۸۸ء تک وہ علی گڑھ کالج میں پروفیسر رہ چکے تھے ۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں پروفیسر آرنلڈ ، انڈیا آفس لائبریری کے اسسٹنٹ لائبریرین ہو کر لندن چلے گئے تھے کچھ عرصہ بعد یونیورسٹی کالج لندن میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے ۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں انھیں سر کا خطاب ملا ۔ ۹۔ جون سنہ ۱۹۳۰ء کو لندن میں انتقال ہوا ۔ (مرتب)

۲۔ مشہور قانون دان اور مورخ ۔ ولادت ۶۔ اپریل سنہ ۱۸۶۹ء ۔ سنہ ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۳ء تک قیام انگلستان کے عرصے میں بیرسٹری پاس کی ۔ ۱۸۸۳ء میں وائسرائے کی کونسل کے واحد مسلمان رکن تھے ۔ ۱۹۰۴ء میں کلکتہ ہائی کورٹ سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی انگریز بیوی کے ساتھ انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی ان کی کتابیں Spririt of Islam اور A Short History of Saracens محتاج تعارف نہیں ۔ ۳۔ اگست ۱۹۲۸ء کو وفات پائی ۔ (مرتب)

سورج نرائن اور من سکھ داس ، ان دونوں نے اپنی پہلی رہائش گاہ بدل دی ہے اور مجھ سے بہت دور چلے گئے ہیں - من سکھ داس کوئی دس میل مجھ سے جنوب میں چلے گئے اور سورج نرائن کوئی سات میل مشرق میں ورنہ یہ دونوں شخص روزانہ مجھ کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں -

طامس کک پر مجھ کو اعتبار نہیں ہے - میں نہیں جانتا کہ قسطوں کا کیا انتظام کروں - بہر حال جب تک میں اچھا ہوؤں اس وقت تک اس کی معرفت منگواؤں گا بعد میں کوئی اور انتظام کروں گا - میں خرچ کی طرف سے بہت پریشان تھا لیکن لالہ جگناتھ نے کہا کہ میں دے سکتا ہوں - میں نے ان کی اس درخواست کو بڑی خوشی سے منظور کیا ہے - اور کہا ہے کہ جب ضرورت ہوگی کہلوا بھیجوں گا -

میں خطوں کی طرف سے سخت پریشان ہوں اس لیے ابھی تو یہی ترکیب سمجھ میں آتی ہے کہ بجائے ایک آنے کے ٹکٹ کے آپ آدھ آنے کا ٹکٹ لگایا کریں - باقی وہ وصول کریں گے لیکن اس صورت میں میرا خیال ہے کہ خط ضائع نہ ہوگا کیونکہ سرکار اپنا محصول کسی حالت میں ضائع نہیں کرے گی - اس صورت میں طامس کک بھی خیال کر کے خط بھیجا کرے گا - باقی کیا عرض کروں -

فقط

بخدمت بردو والدہ ماجدہ آداب محمد مشہود خاں کو پیار فقط

ح - م - شیرانی

میری بیماری کے متعلق والدہ کو اطلاع نہ ہو - فقط

محمود

بخدمت اخوان صاحب محمد ابراہیم[1] و محمد اسرائیل[2] خان صاحب آداب -

فقط

جمعہ کے دن دوسرا عریضہ ارسال خدمت عالی کروں گا ، اگر طبیعت درست ہو - فقط

محمود

۱- شیرانی صاحب کی بڑی والدہ کے بڑے لڑکے تھے - شیرانی صاحب سے عمر میں چھ سال بڑے تھے - پیدائش ۱۹- اکتوبر ۱۸۷۴ء - اپریل ۱۹۳۵ء میں ڈھانی شیرانیاں میں وفات پائی - (مرتب)

۲- اسرائیل خان ، ابراہیم خان کے چھوٹے بھائی تھے - پیدائش یکم دسمبر ۱۸۷۷ء - ٹونک میں ۱۷- مئی ۱۹۳۴ء کو انتقال ہوا - (مرتب)

(٦)

16 Kildare Terrace

Bayswater W

March 24th, 05 ۲۴ مارچ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبہ دارین دام برکاتکم

بعد تسلیمات فدویانہ گذارش پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت و بہبودی ہوں - شنبہ گذشتہ کو ایک خط میرے نام ایک خط سورج نرائن کے نام اور ایک خط شیخ عبدالقادر کے نام پہنچے - سورج نرائن اسی روز میرے پاس چلے آئے تھے - میں نے وہ خط دیکھ لیا - شیخ عبدالقادر اتوار کو میرے پاس آئے - اس وقت میں ان کے ہاں گیا ہوا تھا - وہ خط میرے کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے - جب وہ اپنے مکان پر واپس گئے تو میں ان کے مکان پر موجود تھا -

میری حالت یہ ہے کہ ڈاکٹر روزانہ آتا ہے - دو روز بعد زخم کھولتا ہے - کل زخم کھولا تھا - اس سے پہلے منگل کو ، اس سے پیشتر اتوار کو - اس نے دس روز تک برابر رستے زخم [کو] نہیں کھولا - دونوں زخم بھر چلے تھے اور تسلی تھی کہ بہت جلد مندمل ہو جاویں گے لیکن اب یہ نئی مشکل آ بنی ہے - بھرے ہوئے زخموں کو چیرنا اول تو باعث تکلیف ہے ہی ، دوسرے اتنی مدت گذر جانا اور بھی مصیبت ہے - ڈاکٹر سے کہتا ہوں - وہ کہہ دیتا ہے ، میں خود مجبور ہوں -

آنکھوں کی بینائی جیسے پہلے تھی ویسی نہیں ہے - بعض وقت بالکل دھندلا نظر آتا ہے - ڈاکٹر سے کہتا ہوں - وہ کہتا ہے ، غالباً کمزوری ہے - کوئی کام نہ کرو - یہ میری عادت نہیں کہ خالی رہوں - کتاب قریباً اکثر دیکھتا رہتا ہوں - نیند بہت کم آتی ہے - صبح چار پانچ بجے آنکھ کھل گئی ، گیس جلایا - کتاب دیکھنی شروع کر دی - آٹھ بجے گرم پانی ملا - منہ ہاتھ دھوئے - اخبار آیا ، وہ دیکھا - نو بجے حاضری کھائی - پھر کتاب دیکھنا شروع کر دی - دس گیارہ بارہ کے درمیان ڈاکٹر آیا - ایک بجے لنچ (دوپہر کا کھانا) کھایا - چار پانچ بجے سورج نرائن آئے - ایک آدھ گھنٹے وہ ٹھہرے - چھ بجے گیس جلایا - کتاب لی ، آٹھ بجے نو بجے رات کا کھانا کھایا - کچھ کام کرتا رہا - نیند کبھی ایک بجے آتی کبھی بارہ بجے - آج کل میں تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکتا - ڈاکٹر کہتا ہے ، جس قدر زیادہ سوؤ گے مفید صحت ہوگا - اب وہ کہتا ہے کہ کچھ دنوں کے لیے سمندر کے کنارے جا رہو - وہاں کی صحت بخش ہوا تم کو نہایت مفید ہوگی - میں

لندن چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا - دوسرے کالج کی ٹرم اپریل میں چلی آ رہی ہے - اس میں حاضری ضروری ہے - تیسرے ابھی زخم بھی نہیں بھرے ہیں - اس نے یہ بھی رائے دی کہ تین چار مہینہ کے لیے واپس اپنے وطن چلے جاؤ - یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ مئی میں یہاں چار مہینہ کی چھٹیاں ہوں گی اور پھر اکتوبر تک کالج بند رہے گا - اکثر ہندوستانی ان چھٹیوں کے دنوں کو یا تو یورپ کی سیر میں بسر کرتے ہیں ، بعض امریکہ چلے جاتے ہیں اور بعض ہندوستان اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں - میں بھی ہندوستان آ سکتا ہوں لیکن اس صورت میں مجھ کو ایک بڑا نقصان رہے گا - وہ انگریزی کا - اس وقت میں جس کالج میں ہوں اس میں قریباً تمام ایم - اے ، بی - اے ہیں - ڈھائی سو کے قریب انگریز ہیں باقی پچاس میں ہندوستانی ، جاپانی ، افریقن ، حبشی - برمی اور سیلونی ہیں اور یہ ایسے ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر انگریزی سیکھنے میں بسر کی ہے - بعض ان میں تیس سال کے ہیں بعض پینتیس سال کے ، چالیس کے اور پچاس سال کے ہیں - ان کے مقابلے میں میری حالت یہ ہے کہ ۱۸۹۷ء میں انگریزی شروع کی - ۱۸۹۸ء میں مڈل پاس کیا - اس کے بعد فارسی میں لگ گیا - منشی فاضل کے بعد پھر انگریزی دیکھنا شروع کی - اس صورت میں کیونکر ان کے مقابلے کے قابل ہو سکتا ہوں اور پھر اللہ اکبر ، انگریزی جیسی وسیع اور مشکل زبان - املا ، اصوات سے بالکل اجنبی ، تلفظ سخت - جو تلفظ میں نے ہندوستان میں سیکھا ، یہاں آ کر میں اس کو غلط پاتا ہوں اور مجھ کو کس قدر افسوس ہوتا ہے جب میں اسی تلفظ کو دوبارہ یاد کرتا ہوں - ایک لفظ کے سیکھنے میں تین باتیں ضروری ہیں - تلفظ ، صحیح املا ، موقع استعمال - اگر ان تینوں میں سے ایک بھی یاد نہیں تو اس لفظ کا استعمال مشکل ہے - میں ہندوستان آتا مگر میری موجودہ مشکلات مجھ کو روکتی ہیں - اگر میں یہاں رہا تو میرے حق میں نہایت مفید ثابت ہوگا - اسی خیال سے میں موجودہ مکان کو تبدیل کرنے والا ہوں کیونکہ یہاں مجھ کو لوگوں سے میل جول کا موقع کم ملتا ہے -

ڈاکٹر : اسی عرصہ میں ڈاکٹر آیا - آج ڈاکٹر نے زخموں کو اس قدر برا چھیڑا ہے کہ علاوہ شدت تکلیف کے خون دونوں طرف سے بہہ رہا ہے - تمام کپڑے خراب ہوگئے - جل کے ڈاکٹر سے کہا ، اس تمام کے کیا معنی ، آخر کب تک یہ تکلیف سہوں گا - بولا زخم کے اندر چور ہے ، خلا نہیں بھرتا - مادہ پھر جمع ہو جاوے گا تو مشکل پڑے گی - میں نے کہا ، پہلے آپ نے زخموں کو بند کیوں کیا - بند کرنا اور کھولنا عجیب مصیبت ہے - ہنوز روز اول - بولا ، صبر کرو -

میں نے اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا ہے کہ یہاں سے کہاں جاؤں گا - آیندہ

سہ شنبہ کو اس مکان کو چھوڑ دوں گا ۔ ایک خیال آتا ہے کہ سورج نرائن کے پاس رہوں یا پھر شیخ جی کے قریب چلا جاؤں ۔ موسم اب بدلتا چلا ہے ۔ برف باری ، سرد ہوا اور مینہہ موقوف ہوگئے ہیں ۔ بعض دن تو اچھی گرمی ہوتی ہے ۔ لیکن موسم بہت جلد بدلتا ہے ، ابھی گرمی تھی دھوپ تھی ، اتنے میں ابر آیا ، برس کر نکل گیا ، اب سخت سردی پڑنے لگی ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

رسیدات مبلغ ۱۴ ، ۳۰ اور ۴۰ ، میں اپنے گذشتہ خطوط میں دے چکا ہوں ۔ باقی سب طرح خیریت ہے ۔

بخدمت پر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ خط معرفت طامس ککک اینڈ سن آویں ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

لندن ۲۴ مارچ ۱۹۰۵ء

کل گھر سے خط ملے گا ۔ اس وقت سے سخت منتظر ہوں ۔

(۷)

Bedgeburry House,
Highlever Road,
St. Quintin Park
۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت و بہبودی ہوں ۔ میں نے گذشتہ سہ شنبہ منگل کو اپنا مکان بدل لیا ہے ۔ پہلے مکان میں مجھ کو کسی قسم کی شکایت نہیں تھی لیکن وہاں ایک بات کی کمی تھی یعنی کھانے کے میز علیحدہ علیحدہ تھے یعنی ہر ایک شخص اپنا اپنا کھانا اپنے اپنے کمرے میں کھاتا تھا ۔ اس وجہ سے مجھ کو انگریزوں سے ملنے جلنے کا مکان میں موقعہ کم ملتا تھا ۔ یہاں سب کی میز ایک ہے ۔ کھانا پابندی کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور سب مل کر ساتھ کھاتے ہیں ۔ سب کی ملاقات کا کمرہ ایک ہے ۔ اس طرح سے مجھ کو یہاں انگریزوں کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقعہ حاصل ہے ۔ دوسرے سورج نرائن بھی ساتھ ہیں ، کسی قسم کا اندیشہ نہیں ۔ لیکن ایک خرابی ہے کہ جب دو ہندوستانی ایک ساتھ رہتے سہتے ہیں تو یہ قدرتی امر ہے کہ ہم

اپنی مادری زبان میں گفتگو کریں - اس صورت میں انگریزی کا نقصان متصور ہے - اگرچہ میں نے اور سورج نے عہد کر لیا ہے کہ ہم ہر وقت انگریزی بولیں لیکن بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ طبیعت اردو بولنے کو چاہتی ہے - ہندوستان میں انگریزی خواں انگریزی بولنے کے بہت مشتاق نظر آتے ہیں لیکن یہاں ہم انگریزی ہر وقت بولتے رہنے سے اکتا جاتے ہیں اور طبیعت خواہ مخواہ چاہنے لگتی ہے کہ اردو میں گفتگو کریں اور جب طرف ثانی اردو بولنے والا ہو تو ہم جھٹ مادری زبانوں میں بولنے لگتے ہیں - اس لیے تمام ہندوستانی ایسا کرتے ہیں کہ جدا جدا مکانوں میں رہتے ہیں اور سب اکیلے ، جہاں کوئی دوسرا ہندوستانی نہ ہو - لیکن کچھ دنوں میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں یہاں رہوں - میرے زخم ابھی تک نہیں بھرے ہیں - ڈاکٹر روزانہ آتا ہے -

پرسوں میں اور سورج نرائن ، ڈاکٹر گرانٹ کے ہاں گئے - اس نے میرے کانوں کا امتحان کیا - بولا کہ ابھی سماعت اپنی اصل حالت پر نہیں آئی ہے - مگر جب تم میں توانائی آ جاوے گی اور تمہارے زخم بھر جاویں گے اس وقت بالکل درست ہو جاوے گی - زخموں کے واسطے پوچھا - اس نے کہا کہ زخم جس قدر دیر میں بھریں ، بہتر ہے - بالکل نہ گھبراؤ - بیماریاں تمام ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کو نحیف و کمزور کر دیتی ہیں - اسی طرح سے یہ بیماری ہے - لیکن اکثر مریضوں کو اس بیماری نے فائدہ ہی دیا ہے ، یعنی بعد میں ان کی صحت بہت اچھی حالت میں ہوگئی ہے اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ توانا اور مضبوط ہوگئے ہیں - بعض وقت اس کے زخم سال سال دو دو سال تک اچھے نہیں ہوتے ہیں - گو عرصہ زیادہ لگتا ہے لیکن آیندہ کو کوئی خطرہ نہیں رہتا -

مجھ کو شبہ ہوتا تھا کہ کہیں میرا ڈاکٹر فیس بڑھانے کے لیے میرا زخم جلدی نہ بھرتا ہو - یہ بات میں نے سورج نرائن سے کہی - پھر ہم نے یہ صلاح کی کہ ڈاکٹر گرانٹ کے پاس جاویں - یہ ڈاکٹر اس قدر مشہور اور نیک نام ہے کہ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا - جب اس نے کہا تو ہم کو تسلی ہوگئی - میں نے ضعف بصارت کی شکایت کی - اس نے کہا ، یہ کمزوری کی وجہ سے ہے ، کچھ اندیشہ نہ کرو -

مسٹر ینگ نے مجھ کو گذشتہ اتوار کو تین بجے بلایا تھا - میری خیر و عافیت پوچھی - کہنے لگے ، تمہارے والد کا خط آیا تھا - پھر میں نے ان سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے واسطے کہا - یہ سوسائٹی ایک علمی صیغہ ہے اور اس میں ایسے لوگوں کو داخل کیا جاتا ہے جو علمی امور خصوصاً ایشیا کے متعلق عام دلچسپی

رکھتے ہوں - انھوں نے اقرار کیا کہ وہ بڑی خوشی سے میرے لیے سفارش کریں گے - کیونکہ اس میں ضروری ہے کہ دو ممبر داخل ہونے والے کی سفارش کریں - آئندہ اتوار کو ان کے پاس پھر جاؤں گا ، وعدہ ہوگیا ہے -

ٹرم میں سولہ روز باقی رہ گئے ہیں - موسم آج کل عمدہ اور گرم ہوتا چلا ہے - شہر میں آج کل آکسفورڈ اور کیمبرج کی کشتی کی دوڑ کی دھوم ہے - یہ دوڑ دریائے ٹیمز میں ہوگی - زیادہ کیا گذارش کروں - فقط

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزی محمد مشہود خاں کو پیار -

فقط

محمود شیرانی

(۸)

Bedgebury House,
Highlever Road,
St. Quintin Park,
۷ اپریل ۱۹۰۵ء

یوم آدینہ

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

تسلیات مستمندانہ بجا لا کر عرض پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت و بہبودی ہوں اور آنحضرت کی عافیت مع جملہ اہل خانہ مطلوب - میرے زخم پہلے سے اچھی حالت میں ہیں - اب میں نے ڈاکٹر کا آنا موقوف کر دیا ہے اور خود اس کے مکان پر جاتا ہوں - اس صورت میں فیس میں بہت کمی کر دے گا - گذشتہ اتوار کو میں اور سورج نرائن مسٹر ینگ کے ہاں گئے تھے - کوئی کام کی بات نہیں ہوئی کیونکہ ہماری موجودگی ہی میں ان کے اور ملاقاتی آ گئے - یہاں علی گڑھ کالج کا ایسوسی ایشن ہے - اس کے جلسہ میں مجھ کو بھی بلایا تھا - ٹکٹ بھیج دیا تھا لیکن مجھ کو ڈاکٹر نے منع کر دیا اس لیے نہیں جا سکا - وہ ٹکٹ بھیجتا ہوں -

ایسٹ انڈیا کمپنی ، وہی ہندوستانی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک انجمن یہاں اب تک قائم ہے - اس کا ایک ٹکٹ میرے نام آیا ہے - اس میں ۱۳ ماہ حال کو مجھ کو جانا ہے -

مسٹر کولڈ اسٹریم ہمارے لنکنز ان کے ماسٹر آف دی بنچ یعنی افسر ہیں - ان کا ایک خط آیا ہے - وہ لکھتے ہیں کہ سینٹ پال گرجا کے بڑے پادری صاحب نے

ہمیں ۷ اپریل ۱۹۰۵ء کو ڈھائی بجے سینٹ پال گرجا میں بلایا ہے - چاء کی دعوت دی ہے - بعد میں وہ گرجا کی سیر کروائیں گے اور یہاں آپس میں شناسائی کا بھی اچھا موقعہ ہے - میں نے کولڈ اسٹریم صاحب کو خط لکھ دیا ہے کہ میں آؤں گا لیکن آج صبح ہی سے موسم بدل گیا ہے - سخت سردی پڑ رہی ہے - اس وقت گیارہ بج چکے ہیں - ڈاکٹر کے پاس بھی برف کی وجہ سے نہیں جا سکا - اور اگر میں ان کے ہاں نہ گیا تو ایک بہت اچھا موقعہ ملاقات کا کھو دوں گا - کولڈ اسٹریم صاحب بہت بڑے آدمی ہیں - یہاں علاوہ ہمارے کالج کے افسر ہونے کے سرکاری جج ہیں اور دوسرے سرکاری صیغوں خصوصاً مشرقی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - ان کا بلانا روز روز نہیں ہو سکتا -

یہاں اس مکان میں میں جب سے آیا ہوں مجھ کو کن امور میں پابندی کرنا پڑتی ہے - صبح نو بجے سے پیشتر کھانے کے کمرے میں آنا پڑتا ہے - دس بجے ساڑھے دس بجے کھانے سے فراغت ہوتی - اس کے بعد پھر ایک بجے کھانے کے کمرے میں جانا ہوتا ہے - ڈھائی بجے تک اس سے فراغت ہوتی - اب چار بجے چاء نوشی کے لیے آنا پڑا - ساڑھے چار بجے اس سے چھٹی ملی - سات بجے پھر رات کے کھانے کے لیے جمع ہونا پڑا - اس سے کہیں نو بجے فراغت ملتی ہے - اس طرح سے پانچ چھ گھنٹہ قریباً کھانے میں صرف ہو جاتے ہیں - اس سے فائدہ کیا ہے ؟ یہ کہ مجھ کو انگریزی سننے اور بولنے کا زیادہ موقعہ ملتا ہے - یہاں کھانے میں دنیا جہان کی باتیں ہوتی ہیں اور عام معلومات بڑھتی ہیں اور اسی کے لیے میں نے یہاں رہنا اختیار کیا ہے - ڈاکٹر کے بل اور دوسرے بل وغیرہ وغیرہ میں دوسرے ہفتہ میں بھیجوں گا -

پرسوں کے ڈیلی ٹیلی گراف (یہ ایک روزانہ اخبار کا نام ہے) سے معلوم ہوا کہ لاہور میں اور دوسرے مقامات میں زلزلے نے سخت نقصان پہنچایا ہے - پانچ یوروپین اور ستر ہندوستانی مر گئے - شاہی مسجد اور دوسرے مکانات گر پڑے - یہ پرسوں کے اخبار میں تھا - کل کے اخبار میں بھی اسی قسم سے - آج کا اخبار ظاہر کرتا ہے سو اور ڈیڑھ سو کے درمیان آدمی مر گئے - میں آپ کی خدمت [میں] عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو مولوی عبداللہ[1] صاحب اور مولوی

۱- (شمس العلما) مفتی مولانا محمد عبداللہ ٹونکی مراد ہیں ، جو عربی کے فاضل اجل تھے - شیرانی صاحب کے والد نے ان کو ، لاہور کے عرصۂ تعلیم میں ، مفتی صاحب کی نگرانی میں دیا تھا - انھوں نے سنہ ۱۸۸۳ء سے ۱۹۱۷ء تک اورینٹل کالج میں عربی کی تدریس کے فرائض انجام دیے - ۷ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو بھوپال میں انتقال کیا جہاں ان کے صاحبزادے مفتی انوار الحق مشیر تعلیمات تھے - (مرتب)

محمد شعیب[1] صاحب کی خیریت سے اطلاع دیں کیونکہ لاہور میں بیسیوں مکانات گرے ہیں اور ہزاروں آدمی بے گھر ہوگئے ہیں۔ دھرم سالہ میں اسی فی صدی آدمی مرے۔

صاحب پولٹیکل ایجنٹ اگر بدل گئے تو ان کی بجائے کون آیا ہے۔ سید اسد علی جودھ پور سے لکھتے ہیں کہ صاحب ریزیڈنٹ جودھ پور چھ ماہ کی رخصت لے کر لندن آنے والے ہیں۔ جب وہ یہاں آویں گے، میں ان سے ضرور ملوں گا۔ باقی سب خیریت ہے۔ بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب۔

اس وقت میرے پاس مسٹر جگناتھ آئے ہوئے ہیں۔ وہ جناب کی خدمت میں آداب عرض کرتے ہیں۔ مسٹر سورج نرائن تسلیم کہتے ہیں۔

عزیزم محمد مشہود خاں کو دعا۔

فقط

محمود

(۹)

Bedgebury

Highlever Road,

لندن۔ اپریل ۲۸ سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

نوازش نامۂ عالی معہ تحریر عزیزی مسعود خاں موصول ہوا۔ مجھ کو ہر ہفتہ جناب کے اور مسعود کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں۔ اس ہفتہ لاہور سے مولوی محمد شعیب کا جودھ پور سے سید حسنات احمد کے خطوط ملے۔ وہاں کے حالات معلوم ہوئے۔ مچھو خاں کا حال آپ نے سن ہی لیا ہوگا۔ یہ حال بھی لندن کے ڈیلی ٹیلی گراف میں ۱۸ ماہ حال کو پڑھ لیا تھا۔ فوجدار احمد حسین صاحب کے بڑے صاحب زادے حافظ عزیز احمد کا انتقال ہوگیا۔ مجھ کو حسنات احمد کے خط سے معلوم ہوا۔ ''مخزن'' میں اس مرتبہ میری نظم ''ٹیپو سلطان'' شائع[2] ہوئی ہے۔ شاید جناب کی نگاہ سے گزری ہو۔ میں نے ایک مرتبہ جب یہ نظم لکھی تھی، جناب کو سنائی تھی۔ لیکن اب وہ پہلی نظم سے زیادہ دلچسپ اور مختلف ہے۔

۱۔ مولوی محمد شعیب صاحب بھی اورینٹل کالج میں عربی کے استاد تھے۔ ان کا عرصۂ تدریس سنہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۰۶ء تک ہے۔ شیرانی صاحب کی قیام لندن میں ان سے بھی خط و کتابت تھی۔ (مرتب)

۲۔ یہ نظم ''مخزن'' کے مارچ ۱۹۰۵ء کے شمارے میں چھپی تھی۔ (مرتب)

بالخصوص شیخ صاحب نے جو رائے اس پر لکھی ہے وہ قابل تعریف ہے ۔ اس سے پیشتر میری ایک نظم ''نخلستان'' جنوری کے ''مخزن'' میں شائع ہوئی ۔ شاید آپ نے اس کو ملاحظہ کیا ہو ۔ مقصود کے واسطے جو ''مخزن'' آوے ، آپ اس کو واپس نہ کریں ۔ اس کی قیمت میں یہاں ادا کر چکا ہوں ۔ آپ پرچہ رکھ لیں اور مقصود کو پڑھا دیں ۔ اگر وہ وی ۔ پی ۔ بھیجیں تو واپس کر دیں ۔ میں نے شیخ صاحب کو کہہ دیا ہے اور انھوں نے ایڈیٹر مخزن کو لکھ دیا ہے ۔

مسٹر اقبال علی گذشتہ شنبہ کو یہاں سے روانہ ہندوستان ہوئے ۔ ان کے ساتھ ہی شیخ صاحب بہ غرض سیر پیرس گئے ہیں ۔ مسٹر اقبال نے اپنا الوداعی جلسہ کیا تھا ۔ اس میں ان کے تمام دوست قریباً شامل تھے ۔ اس میں ہم گیارہ ہندوستانی تھے اور باقی تمام انگریز اور میمیں تھیں ۔ یہاں اس قسم کے جلسوں کا رواج ہے اور ان جلسوں میں زیادہ تر نئی ملاقاتیں اور تفریح خاطر ملحوظ ہوتی ہے ۔ اس لیے انگریزوں میں ایسے جلسوں میں گانے ناچنے پیانو وغیرہ کا رواج ہے ۔ جب تمام لوگ جمع ہوگئے ، جن کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی ، تو مسٹر اقبال نے اٹھ کر ایک مختصر سی تقریر کی ۔ اس کے بعد ایک لیڈی نے اٹھ کر کچھ گایا ۔ انگریزی گانا ہمارے گانوں سے بالکل خلاف ہے ۔ اس لیے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکا ۔ اس طرح سے ہر ایک عورت یا مرد نے اٹھ کر گایا ۔ ہمارے ہاں کے گیت یا غزلیں جس قدر ہیں عشق و عاشقی سے پر ہیں لیکن انگریزوں کے گیت تمام موجودات اور اس کے واقعات کے مضامین سے پر ہیں ۔ بعض میں مہذب ظرافت ہے ، بعض میں بدقسمتی ، بعض قومی گیت وغیرہ وغیرہ ۔ ہماری موسیقی میں تال سر یا زیرو بم کا نام نہیں ہے ۔ وہاں زیادہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ الفاظ پورے پورے ادا ہوں ۔ جب انگریز گا چکے تو انھوں نے ہندوستانیوں سے درخواست کی کہ اب تم اپنا گانا سناؤ لیکن یہاں گانا کسے آتا تھا ۔ سب بغلیں جھانکنے لگے اور انگریزوں نے ایک قہقہہ لگایا ۔ اس پر شیخ عبدالقادر اٹھے ۔ اول تو انھوں نے مسلمانوں میں موسیقی سے زیادہ دلچسپی نہ رکھنے کے متعلق تقریر کی ۔ پھر موسیقی کے نہ جاننے کی وجہ سے معذرت کی ۔ اس کے بعد انھوں نے ایک غزل مرزا غالب کی پڑھی ۔ ان کی آواز سریلی نہیں تھی مگر دردناک ضرور تھی ۔ تمام لوگ خاموش تھے ۔ کسی نے کوئی کلمہ تحسین کا نہیں کہا ۔ اس پر شیخ صاحب جھلا کے اردو میں مجھ سے کہتے ہیں ۔ بھائی شیرانی یہ لوگ تو سب گنوار ہیں مگر تم کیوں خاموش بیٹھے ہو ۔ اس پر میں نے انگریزی میں از راہ مذاق کہا (میری تحسین یہ ہے کہ آپ مہربانی فرما کر اس شعر کا ترجمہ کر دیں) ۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا ۔ خیر شیخ صاحب نے وہ غزل ختم کی ۔ اب پھر خاموشی چھا گئی ۔ اب شیخ صاحب نے ہندوستانیوں سے

مخاطب ہو کر کہا ، بھائی مرد میدان بنو ، وطن کی بات رکھو ورنہ یہ سب ہنسیں گے - پہلے ہی وحشی جاہل کہتے ہیں اب اور بھی بے وقوف بناویں گے - ارے میاں گاؤ نہیں تو سرسری طور پر پڑھ دو - یہ تو اس کو گانا سمجھ لیں گے - مگر چپ نہ رہو ، اپنی اپنی باری پر اٹھ جاؤ اور گا دو - میرے دل میں تو آئی کہ اٹھوں اور کچھ پڑھوں لیکن ہچکچا کر چپکا رہ گیا - جب کوئی نہیں اٹھا تو شیخ جی نے کہا ، شیرانی صاحب آپ چھپیے نہیں - (کیونکہ میں سورج نرائن کی آڑ میں ہو گیا تھا) ہاں صاحب کچھ آپ پڑھیں - جب انھوں نے بھرے جلسہ میں زور سے کہا اور سب کی نگاہیں مجھ پر اٹھیں تو مجبوراً مجھ کو اٹھنا پڑا - پہلے اٹھ کر میں نے کہا کہ میرا خیال تھا میں آخری شخص ہوؤں گا جس سے گانے کے لیے کہا جائے گا ، کیونکہ میں نے شعر گوئی کا دعویٰ کیا ہے نہ شعر گانے کا - مجھ کو یہ افسوس ہمیشہ محسوس ہوتا رہا کہ میری آواز اچھی نہیں - اس پر ایک میم صاحب اٹھیں اور انھوں نے یہ گرما گرم فقرہ کہا ، مسٹر شیرانی میں تمہارے لیے اس قدر غمگین ہوں کہ میرا دل رونے کو چاہتا ہے - اس پر تمام نے ایک زور کا قہقہہ لگایا - میں شرمندہ تو ہوا لیکن جواب میں کہا ، میں آپ کے رونے کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں اور بھی شکر گذار ہوؤں گا اگر کچھ دیر کے لیے اپنی نغمہ صفت آواز مجھ کو آپ قرض دے دیں گی - اس پر تالیاں بجیں (انگریزوں میں تالیاں اظہار تحسین و آفریں کی علامت ہیں) - اس پر لیڈی صاحبہ آہستہ سے بڑبڑائیں ، شریر آدمی - خیر میں نے غزل شروع کی - جہاں تک ہو سکا اچھی طرح سے پڑھی - درمیان میں اور ختم ہونے پر تالیاں بجیں - میں نے یہ معلوم کر لیا کہ ہندوستانیوں نے اس کو پسند کیا ہے کیونکہ میں اچھی طرح یہاں معلوم کر چکا ہوں کہ بہ لحاظ اخلاق کے ہم ہندوستانی بہت کمزور ہیں - ہم اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور فوراً انہیں اپنے قہقہوں ، زہر خند وغیرہ کے ذریعہ سے ظاہر کر دیتے ہیں - لیکن انگریز ایسے موقعوں پر بالکل سنجیدہ اور خاموش رہتے ہیں اور میں پڑھتے وقت ہر ایک ہندوستانی کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا ، جس سے مجھ کو اطمینان ہو گیا کہ میرے پڑھنے کی طرز اگر اچھی نہیں تو بری بھی نہیں - اس کے بعد مسٹر اقبال بڑی خوشامدوں اور غمزوں کے ساتھ اٹھے - وہ پیانو بجانا بھی جانتے تھے - انھوں نے کوئی ناٹک کی غزل گائی لیکن میرا خیال ہے کہ ہندوستانی زیادہ محظوظ نہیں ہوئے کیونکہ انھوں نے کئی مرتبہ قہقہہ لگایا ، اشارے کئے - اس کے بعد چند انگریزوں نے پھر گایا - اس کے بعد پھر مجھ سے شیخ صاحب نے کچھ پڑھنے کے لیے [کہا] جس سے میں خیال کرتا ہوں کہ انھوں نے میرے پڑھنے کی طرز کو پسند کیا - میں نے پھر کچھ پڑھا - ہم ہندوستانیوں میں سے کوئی نہیں اٹھا - بعد میں چائے آئی - سب نے پی - اس کے بعد انگریز اور عورتیں رخصت ہو گئے - ہم ہندوستانی

رہ گئے - میں نے شیخ صاحب سے پھر کچھ پڑھنے کی فرمائش کی - انھوں نے داغ کی غزل پڑھی - اس میں شک نہیں کہ میں شیخ صاحب کے پڑھنے کی طرز کو بہت کچھ پسند کرتا ہوں - پھر ایک ڈاکٹر صاحب تھے ، انھوں نے مجھ سے فرمائش کی اور شاید وہ زیادہ میرے پڑھنے کے مشتاق تھے - میں نے کچھ اور پڑھا اور جب ہم ہندوستانی ہی ہندوستانی رہ گئے تو سورج نرائن صاحب کو ہمت ہوئی - انھوں نے بھی کچھ پڑھا - بعد میں کچھ پنجابی کچھ سندھی غزلیں پڑھیں - بعد میں رات کے دو بجے جلسہ برخاست ہوا - میں اور سورج گھر آئے - شنبہ کو میں مسٹر اقبال علی کو اسٹیشن تک پہنچانے گیا - وہاں اور بھی ہندوستانی اور انگریز موجود تھے -

دو شنبہ کو یہاں ایسٹر کا میلہ تھا - میں نے ہندوستان کے میلے کم دیکھے ہیں اس لیے میں یہاں کے میلوں کا وہاں کے میلوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا - میں نے تمام عمر میں جودھ پور میں منڈور[1] کا ایک میلہ دیکھا ہے - تو جہاں تک خیال کرتا ہوں ان میلوں میں کوئی فرق نہیں پاتا - فرق جو ہے تہذیب میں اور تمدن میں - ہندوستان کے میلوں میں بھی ٹکے کمانے کی ترکیب لوگ کرتے ہیں ، یہاں بھی ترکیبیں ہیں - زیادہ سنوری اور زیادہ پیچیدہ - انگریزوں کے میلوں میں اور ہمارے میلوں میں بھی فرق ہیں - ان کے میلے اسی قدر ہمارے میلوں سے فرق رکھتے ہیں جس قدر ہم تمدن میں انگریزوں سے کم ہیں -

مختصر یہ ہے کہ یہاں جس قدر چیزیں تھیں سب عمدہ اور آراستہ تھیں - ہمارے ہاں میلوں میں جھولے ، چکر ہوتے ہیں وہ چیزیں یہاں بھی تھیں لیکن نہایت نفیس جو یہاں بجلی کے ذریعہ سے چل رہی تھیں - ہمارے ہاں یہ چیزیں بچوں کے لیے مخصوص ہیں لیکن یہاں پر ہر ایک عمر کا شخص ان پر سوار ہوتا تھا - اس مضمون کے متعلق آیندہ عریضہ میں لکھوں گا کیونکہ اب ڈاک جانے کے قریب ہے -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار

فقط

محمود

۱- منڈور ، ماروار کی پرانی راجدھانی ہے ، جو موجودہ شہر جودھ پور سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے - (مرتب)

(۱۰)

Bedgebury
Highlever Road
۲- مئی سنہ ۱۹۰۶ء[1]
لندن بیج بری

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

بعد تسلیمات فدویانہ گذارش پرداز ہوں کہ میں بفضل الٰہی قرین خریت ہوں اور آں حضرت کی خیریت کا معہ جملہ اہل خانہ دعا گو - گذشتہ ہفتہ میں ایسٹر کے تیوہار کی بابت کچھ لکھنے والا تھا لیکن وقت کی تنگی سے لکھ نہ سکا - اس لیے میں اب اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں - یہ تیوہار یا جشن دو روز تک منایا گیا یعنی شنبہ اور دو شنبہ کو - یک شنبہ اتوار تھا - اس روز لندن نے اس میلے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی - شنبہ کو میں اس میلے میں شریک نہیں ہو سکا کیونکہ اس روز میں مسٹر اقبال علی کو اسٹیشن تک پہنچانے گیا تھا - مسٹر اقبال نو بجے شب ٹرین میں سوار ہوئے اور دس بجے میں مکان پر پہنچا - میرے آنے سے پیشتر یہ لوگ کھانا کھا چکے تھے - مسز کلفٹن نے مجھ سے پوچھا ، کیا تم نے کھانا کھا لیا - میں نے نفی میں جواب دیا - اس پر انھوں نے کہا ، اچھا میں تمھارے لیے تیار کر کے لاتی ہوں - میں ڈرائنگ روم میں گیا - وہاں مسٹر کلفٹن سورج نرائن اور مس ڈیزی سانڈرسن ، مسز کلفٹن کی بہن ، موجود تھے - مس ڈیزی آج یہاں مہمان تھیں - میں نے سب سے ہاتھ ملایا اور مسٹر کلفٹن نے مسکرا کہا ، آج عجیب دل لگی ہوئی - غریب مسٹر نرائن بہت خفیف ہوئے - ایک نقصان زر دوسرے یاروں کے قہقہے - میں نے دریافت کیا ، کیا ہوا - مسٹر کلفٹن نے کہا ، تمھارے جانے کے بعد کھانا کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ سیر کے لیے میلے میں گئے - وہاں طرح طرح کے دل بہلاوے تھے - انھی میں ایک نیا کھیل تھا - اس کی شرط یہ تھی کہ ایک پینس میں تین گیندیں خریدو اور پھر ان گیندوں سے دیوار میں لٹکی ہوئی تصویروں کے دانتوں کا نشانہ بناؤ - اگر تم نے دانت اڑا دئے تو تم کو دو پینس کی چیزیں انعام میں مل جاویں گی ورنہ پینس گیا - خیر مسٹر نرائن نے ایک پینس کی تین گیندیں خریدیں اور نشانہ تاکا - پہلی گیند

۱- یہ طویل خط اگرچہ ۲- مئی (سہ شنبہ) کو لکھنا شروع کیا ہے تاہم اس کا اختتام جمعہ کے روز یعنی ۵- مئی کو ہوتا ہے - جمعہ کی شام کو لندن سے ہندوستان کی ڈاک روانہ ہوتی تھی - (مرتب)

تصویر کے سر پر سے نکل گئی - دوسری آنکھ پر لگی - تیسری بائیں رخسار پر - خفیف مفت میں ہوئے- اب کیسے خاموش بیٹھے ہیں گویا بخار آ گیا ہے - میں نے ہنس کر مسٹر نرائن کو کہا ، سورج تمھارے لیے میں سخت غمگین ہوں لیکن مجھے تعجب ہے تم تو بہت اچھے کرکٹر ہو - پھر یہ کیا ہوا - سورج نے کچھ لب ہلائے اور پھر خاموش بیٹھ گئے - اس پر ہم سب ہنس دیے اور سورج صاحب جھلائے - میں نے کہا ، رکو مت ، کہہ ڈالو - اس پر بولے ، اچھا آپ چل کر کچھ کرامت دکھانا - میں نے کہا ، اگر میں تمھاری طرح کرکٹر ہوتا - اتنے میں مسز کلفٹن میرے لیے کھانا لائیں اور میں نے کھانا شروع کیا - وہ باتیں کرتے رہے - آخر میں سورج نے مجھ کو گفتگو میں حصہ نہ لیتے دیکھ کر مسٹر کلفٹن سے کہا ، دیکھو کس طرح کھانے پر گرا ہے کہ ہمیں بھول گیا - میں نے ہنس کر مسٹر کلفٹن سے کہا ، مسٹر کلفٹن ہمارے ہاں ایک مثل ہے - اول طعام بعد کلام - سو میں اس پر عمل کر رہا ہوں - وہ بولے ہمارے ہاں یہی مثل ہے - پھر بولے کیا میلے میں ہمارے ساتھ چلو گے - میں نے کہا ، آپ کی خوشی - اور پوچھا ، کب جاویں گے - انھوں نے کہا ، دو شنبہ کو حاضری کے بعد - مسز کلفٹن نے کہا ، اور تمھیں تصویر کے دانت بھی اڑانا ہوں گے - میں نے کہا ، کیا یہ ضروری شرط ہے - مگر میں خیال کرتا ہوں میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں - بولیں ہم سب ان کھیلوں میں شریک ہوں گے - اس لیے اگر تم نے ان میں حصہ نہیں لیا تو یوں بھی تم خفیف ہو گے - میں نے کہا ، اور اگر لیا بھی تو بھی خفیف ہوؤں گا - یہ تو سخت عجب ہے - خیر پھر یہ صلاح ہوئی کہ دو شنبہ کو سب چلیں گے - اتوار آیا اور اپنی معمولی سنجیدگی اور تقدس کے ساتھ گذر گیا - جب کہ دن بھر گرجوں کے گھنٹوں کی آوازیں سنائی دیں - دو شنبہ آیا - صبح آٹھ بجے میں کھانے کے کمرے میں گیا - وہاں تمام خاندان اجلے لباس میں جمع تھا - مجھے دیکھ کر مسٹر کلفٹن نے کہا ، تم نے آج اپنا اتوار کا لباس کیوں نہیں پہنا - میں نے کہا ، چونکہ آج اتوار نہیں تھا - بولے مگر آج میلہ ہے اس لیے سب سے اچھا لباس پہننے کا ہمارے ہاں رواج ہے اور شاید تمھارے ملک میں بھی تہواروں کی تقریب پر یہی رسم ہو - میں نے کہا ، بے شک ہے - مسز کلفٹن نے کہا ، تو کیا تم ہمارے لیے اپنے اتوار کے لباس کو آج کے واسطے اور تکلیف دے سکتے ہو - میں نے کہا ، بڑی خوشی کے ساتھ - خیر میں جا کر اتوار کا لباس پہن آیا - اتوار کے روز ایک خاص قسم کا کوٹ پہنا جاتا ہے جو زیادہ تر ترکی کوٹ کے مشابہ ہے اور اسے انگریز فراک کوٹ کے نام سے پکارتے ہیں - بعد میں سب نے مل کر کھانا کھایا - مسز کلفٹن کی ایک لڑکی آٹھ برس کی دوسری تین برس کی اور ایک لڑکا ہے جو سب میں بڑا

ہے ۔ لڑکے کا نام چارلی ہے ۔ لڑکیوں میں سب سے بڑی کا نام زیٹی اور چھوٹی کا نام آئرس ہے ۔ لڑکے نے کہا ، پاپا (ابا جان) تمہارا انعام میں لوں گا ۔ زیٹی نے کہا ، مسٹر نرائن تمہارا انعام میں لوں گی کیوں تم دو گے نا؟ آئرس جو بالکل بچہ ہے ، اس نے ہکلا ہکلا کر میری طرف اشارہ کیا ۔ مطلب یہ ہے کہ شیرانی تمہارے انعام کی میں حق دار ہوں ۔ مجھے اس بچے کے فہم پر حیرت ہوئی اور مسکرا کر میں نے اس سے کہا ، اچھا ۔ ہم گھر سے نکلے ۔ سڑک راہ گیروں کے ہجوم سے پر تھی ۔ کچھ دور پر نصف میل طول میں اور پاؤ میل عرض میں ایک سبزہ زار میدان ہے جس کا نام سینٹ کوئنٹن پارک ہے ۔ اس پارک میں جگہ جگہ خیمے لگے ہوئے تھے ۔ قرینے سے دوکانیں لگی تھیں ۔ تماشائی بہ کثرت تھے ۔ سب سے پہلے جو نظارہ ہم نے دیکھا وہ عجیب ہنسانے والا منظر تھا ۔ یعنی بچوں اور جوانوں کو ہم نے گدھوں پر سوار دیکھا ۔ وہ بڑے خوش معلوم ہوتے تھے اور گدھوں پر سوار دوڑ رہے تھے ۔ مجھے اول تو ہنسی آئی ۔ پھر میں نے مسٹر کلفٹن سے اس رسم کی قدامت کے متعلق سوال کیا ۔ انہوں نے کہا ، یہ رسم قدیم ہے اور زیادہ تر اس کا تعلق مذہبی رسوم سے ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ گدھے کی سواری کیا کرتے تھے ۔ ان کی یادگار میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے ۔ کیونکہ یہ روز مولود مسیح ہے ۔ میں نے کہا ، عجب اعتقاد ہے ۔ خر عیسیٰ کی دونوں مذہب اسلام اور عیسائی عزت کرتے ہیں ۔ اس پر انہوں نے ایک لطیف ضرب المثل انگریزی مجھے سنائی کہ ''مختصر مگر شیرس جیسے گدھے کی دوڑ'' ۔ کیونکہ یہ حیوان عموماً نہایت سست رو ہے ۔ گدھے اور پھر حضرت عیسیٰ کے گدھے کی بابت مجھے ایک حکایت یاد آئی جس کو انہوں نے پسند کیا ۔ وہ حکایت یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دربار میں ایک شخص گدھے کے دو سم لایا ۔ اور بادشاہ سے کہا کہ یہ سم حضرت عیسیٰ کے گدھے کے ہیں ۔ بادشاہ چونکہ نہایت خوش اعتقاد تھا ۔ اس نے ان سموں کی سر و قد تعظیم کی ، چوما ، آنکھوں سے لگایا اور اس شخص کو انعام سے مالامال کر دیا ۔ کسی دل لگی باز نے یہ ماجرا سنا اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی گدھے کے دو سم لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور کہا کہ باقی سم خر عیسیٰ یہ ہیں ۔ پہلے سم اگلے پاؤں کے تھے اور یہ پچھلے پاؤں کے ہیں ۔ بادشاہ نے ان سموں کو بھی عزت سے لے لیا اور خوش ہو کر کہا ، میں عجیب خوش قسمت شخص ہوں کہ حضرت کے گدھے کے چاروں سم میرے پاس موجود ہیں ۔ چند روز کے بعد ایک اور لطیفہ باز دربار میں آیا اور ساتھ ہی ایک سم گدھے کا لایا اور عرض کی کہ یہ سم بھی حضرت عیسیٰ کے گدھے کا ہے ۔ بادشاہ نے حسب معمول شرائط تعظیم و تکریم ادا کیں اور لانے والے کو انعام دیا ۔ عقل مند

وزیر نے عرض کی ، جہاں پناہ ایک سوال دل میں کھٹک رہا ہے - اجازت ہو تو عرض کروں - بادشاہ نے اجازت دی - وزیر نے کہا قبلۂ عالم یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عیسیٰ کے گدھے کے پانچ پاؤں کیونکر ہو سکتے ہیں - چار تک تو خیر گذری مگر یہ پانچواں سم سمجھ میں نہیں آتا - بادشاہ خوش اعتقاد ہنسے اور کہا ، بھئی واہ تم بھی عجیب ہو - آخر حضرت عیسیٰ کا گدھا تھا - پانچ کی بجائے اگر پچاس سم ہوں تو کم - پھر کونسا تعجب ہے اگر پانچ ہی ہوں -

جب ہم گدھوں کی دوڑ سے گزرے تو ہمیں دو تین چکر نظر آئے - چکر تو ہمارے میلوں میں بھی ہوتے ہیں لیکن یہ چکر ایسے تھے جو کلوں کے ذریعہ سے چل رہے تھے - ہمارے ملک کی طرح ان چکروں میں صرف بچے ہی نظر نہیں آتے ہیں بلکہ ہر عمر کے لوگ تھے - خصوصاً عورتیں ان کی بڑی مشتاق تھیں - اس میں بڑی خوشی سے بیٹھتی تھیں اور جب چکر اپنے زور میں پھرتا تھا تو چیختی چلاتی تھیں - عورتوں اور بچوں کی خاطر سے ہم لوگ بھی سوار ہوئے - یہ چکر ہمارے ہاں کے چکروں سے دس گنا بڑا تھا - اس میں کرسیاں لگی تھیں ، جن میں مخمل کی گدی لگی ہوئی تھی - مسٹر کلفٹن نے کہا کہ اس چکر کی تیاری میں کم سے کم تین ہزار پونڈ لگے ہوں گے - جو ہمارے ہاں کے پینتالیس ہزار روپے ہوئے اور کمپنی اس چکر سے آج دن بھر میں پانچ ہزار پونڈ بڑی آسانی سے پیدا کر سکتی ہے - اس طرح سے اس کو صرف ایک ہی دن میں دو ہزار پونڈ یعنی تیس ہزار روپیہ نفع کے بچ سکتے ہیں - چکر سے گذرے جھولے نظر آئے - ان پر بچے اور عورتیں جھول رہی تھیں - یہ جھولے ہمارے جھولوں کی طرح خطرناک نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کے نیچے آرام کرسیاں لگی ہوتی ہیں ، جن پر تین چار آدمی بآسانی بیٹھ سکتے ہیں - آگے بڑھے تو ایک لمبا شہتیر زمین میں گڑا تھا اور شہتیر کے شروع سے آخر تک ہند سے لگے ہوئے تھے اور شہتیر کی جڑ میں ایک میخ لگی ہوئی تھی اور پاس ہی لکڑی کا ایک موٹا ہتھوڑا پڑا تھا - مسٹر کلفٹن نے کہا ، یہ ہتھوڑا اس میخ پر مارو - اس سے انسانی طاقت کا بہت جلد اندازہ لگ سکتا ہے - اس پر سورج بڑھے اور ہتھوڑا لے کر میخ پر مارا - اس میخ کے صدمہ سے ایک تار زمین سے نکل کر شہتیر کے درمیان میں چلا گیا - یہاں چار سو سات کا ہندسہ تھا - پھر مسٹر کلفٹن نے ہتھوڑا لگایا - اس نے پانچ سو سے زیادہ تک نمبر طے کیے - بعد میں شہتیر کے مالک نے زور آزمائی کی اب کی بار شہتیر کے اوپر کے ہندسے یعنی ہزار تک پہنچ گیا - آگے بڑھے تصویروں کی دوکان تھی اور لوگ دانتوں کا نشانہ بنا رہے تھے - یہاں میں نے ، مسٹر کلفٹن نے ، سورج نے اور دونوں عورتوں نے ایک ایک پینی کی تین گیندیں لے کر نشانہ بازی شروع کی - اس میں صرف میں نے تین بار میں ایک

یار نشانہ لگایا اور دو پنس کے کھلونے فوراً دوکان دار نے دے دیے جو آئرس کی نذر ہوئے - ایک نشانہ مس ڈیزی نے لگایا - اور سب کے نشانے خطا گئے - یہاں سے آگے بڑھے - وہاں بندوق ہوائی سے نشانہ بازی ہو رہی تھی - سامنے دیوار میں بوتلیں لٹکی ہوئی [تھیں] - ان کو لوگ نشانہ کر رہے تھے - صحن میں برابر برابر میں فوارے چھوٹ رہے تھے - ان فواروں کے اوپر تین گیندیں علیحدہ علیحدہ ہوا میں معلق فواروں پر کھیل رہی تھیں - ہوندوں کے زور پر کبھی نیچے گرتی تھیں اور کبھی اوپر ہو جاتی تھیں - سب سے پہلے مسٹر کلفٹن نے بندوق لی اور ایک گیند کو تاکا - نشانہ خالی گیا اور سورج صاحب نے مجھ سے کہا ، آپ اپنا نشانہ دکھائیے - میں نے پہلی وار[1] میں ایک گیند کو تاکا اور اڑا دیا - انعام آئرس نے لے لیا - بعد میں دوسری گیند کو اڑا دیا - تیسرا نشانہ خالی گیا - چوتھے میں ایک بوتل توڑی - پانچویں میں گیند کو اڑا دیا - چھٹا نشانہ خالی گیا - اب بچوں میں تکرار شروع ہوئی - زیٹی اور چارلی کو ابھی تک کچھ نہیں ملا تھا - آئرس کو انعام کئی مرتبہ مل چکا تھا - اب ان دونوں نے اس سے مانگنا شروع کیا - وہ ہے تو بچہ مگر ذکی - مسٹر کلفٹن اور سورج کی طرف اشارہ کر دے کہ تمہاری تقسیم کے مطابق تمہارا حق ان دونوں کے انعام میں ہے ، نہ میرے میں - اس پر مسٹر کلفٹن اور سورج شرمائے - نتیجہ یہ ہوا کہ سورج صاحب نے بندوق لی اور نشانے لگائے مگر تینوں نشانے خالی گئے - دونوں بچوں نے ماں سے اپیل کی - ماں نے زیٹی کو تو مس ڈیزی کا انعام دے کر خاموش کر دیا اور چارلی سے کہا ، تم مرد ہو اور آئرس عورت ہے - مرد عورت کا حق کبھی نہیں لیا کرتے - ہمیشہ مرد عورتوں کو دیتے ہیں - اس پر چارلی نے جواب دیا ، ماں تم عورت ہو اس لیے تم نے فیصلہ عورت کے حق میں کیا - اگر تم مرد ہوتیں تو مرد کی طرف ہوتیں - اس پر مسز کلفٹن بگڑیں اور بولیں ، خاموش لڑکے ، میں تمہیں کبھی پیار نہیں کروں گی - مسٹر کلفٹن ہنسے اور بولے، چارلی میرے بچے تم صحیح ہو - مجھے دیکھو - میرے حصہ میں تمہاری ماں برابر کی حصہ دار ہے لیکن تمہاری ماں کے حصہ میں میرا حصہ کبھی نہیں - یہ عورتیں بڑی نامہربان ہیں - انہوں نے ہمارے تمام حقوق ضبط کر لیے ہیں - نامنصف مخلوق - مسز کلفٹن نے کچھ جواب دیا مگر مسٹر کلفٹن مسکرا کر خاموش ہو گئے - آگے بڑھے - یہاں لکھا ہوا تھا 'باکسنگ' (گھونسہ بازی) - انگریزوں میں باکسنگ بہت مشہور ہے ، لیکن میں نے یہ ہنر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے میں نے مسٹر کلفٹن سے اس کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی - عورتیں اور بچے اس کھیل میں شریک نہیں ہوئے اور ہم تینوں مرد اس اکھاڑے میں جا شامل ہوئے - چاروں طرف ہم

۱- یہاں 'بار' کو 'وار' لکھنا راجستھانی زبان کا اثر ہے - (مرتب)

تماشائی تھے، بیچ میں اکھاڑے کی طرح کا ایک میدان تھا ۔ اس میں ایک جوڑا اترا ۔ ان کی بانہوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھے ہوئے تھے ۔ اب انھوں نے ایک دوسرے پر گھونسوں سے وار کرنے شروع کیے ۔ ان کی زد زیادہ تر گردن کندھوں اور منہ پر ہوتی تھی ۔ ایک ہاتھ سے زد روکتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے مارتے تھے ۔ چند منٹ میں یہ جوڑ چلا گیا ۔ دوسرا آیا پھر تیسرا آیا ۔ بعد میں ہم وہاں سے رخصت ہوئے ۔ ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں آدمی ناریل اڑا رہے تھے ۔ یہ ناریل دیوار میں لٹکے ہوئے تھے ۔ فاصلہ زیادہ تھا اور شرط سخت ۔ کیونکہ ایک پنس میں ایک گیند دیتے تھے ۔ مگر اس کھیل کو انگریز زیادہ پسند کرتے ہیں اس لیے زیادہ ہجوم تھا ۔ مسٹر کلفٹن نے اپنی بیوی کو خطاب کر کے کہا ، موڈ پیاری (موڈ مسز کلفٹن کا عیسائی نام ہے ۔ یہاں دستور ہے کہ لڑکیاں شادی سے پیشتر باپ کے نام سے پکاری جاتی ہیں اور بعد میں یعنی شادی ہونے کے بعد خاوند کے نام سے پکاری جاتی ہیں لیکن ماں باپ اور خاوند ان کو ان کے عیسائی نام سے پکارتے ہیں) کیا تم اس قدر مہربان ہوگی کہ اس کھیل کو شروع کرو ۔ مسز کلفٹن نے کہا ، ہاں پیارے ۔ اس پر مسٹر کلفٹن نے ایک پنس میں ایک گیند خرید کر ان کو دے دی ۔ یہاں عورتوں مردوں اور بچوں کے لیے تین حدیں مقرر تھیں جہاں سے وہ نشانہ لگا سکتے تھے ۔ مردوں کے لیے فاصلہ بہت لمبا تھا اس قدر کہ گیند کا پہنچا ناریلوں تک مشکل تھا ۔ عورتوں کے لیے یہ فاصلہ اور کم تھا اور بچوں کے لیے اور بھی کم ۔ خیر مسز کلفٹن مقررہ فاصلے پر پہنچیں اور نشانہ تاکا لیکن گیند خطا گئی اور شرما کر واپس آئیں ۔ اگر ہندوستان ہوتا تو ہم سب ہنس پڑتے لیکن یہ لوگ بہت مہذب ہیں ۔ کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ البتہ خاوند نے بیوی کی دلدہی کے لیے کہا ، ہاں پیاری فاصلہ زیادہ تھا میں جانتا ہوں ۔ اس پر مسز کلفٹن نے شکریہ ادا کیا اور کہا ، مگر پیارے میں امید کرتی ہوں تم میرا بدلہ لے لو گے یعنی نشانہ اڑا دو گے (ڈیر = پیارا ۔ یہ لفظ جب بغیر نام کے استعمال ہوتا ہے تو اس صورت میں مخاطب بیٹا ، بیوی ، بیٹی یا خاوند ہوتے ہیں) ۔ مسٹر کلفٹن بڑھے گیند پھینکی مگر ناریل نہیں اڑا ۔ اس پر مسز کلفٹن ہنسیں اور خاوند سے خطاب کر کے کہا چارلی (مسٹر کلفٹن کا عیسائی نام) پیارے تم نے میری امید کو بارور نہیں کیا ۔ پھر کوشش کرو پیارے ۔ پھر مسٹر کلفن نے نشانہ اڑایا لیکن غلط ۔ اب کے مسز کلفٹن بگڑیں اور خاوند سے کہا ، شریر آدمی ۔ مسٹر کلفٹن مسکرائے اور بولے ، پیاری میرے بس کی بات نہیں ۔ اب کے مسز کلفٹن کی بہن مس ڈیزی سے فرمائش کی گئی ۔ وہ گئیں لیکن نشانہ خطا گیا ۔ اس پر مسز کلفٹ جھلائیں ، ہائے کتنے پنس ضائع ہوئے ۔ اب کے مسز کلفٹن نے مجھ سے کہا ، مسٹر شیرانی کیا تم کوشش

کرو گے - میں نے کہا ، مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس قسم کے کھیلوں میں کبھی حصہ نہیں لیا اس لیے میں مذبذب ہوں اگر اڑا سکوں - مسز کلفٹن بولیں ، مسٹر شیرانی تم ہمیشہ ایسا کہتے ہو - آؤ شریک ہو - خاوند سے خطاب کر کے ، پیارے ایک گیند مسٹر شیرانی کے لیے- سورج سے خطاب کر کے ، اور تم مسٹر نرائن کیا شریک ہو کر مہربان نہیں ہو گے - خیر اب ہم دونوں آگے بڑھے - تھوڑی دیر تک تو ہندوستانی تکلف کرتے رہے ، پہلے تم پہلے تم پہلے آپ وغیرہ - خیر دونوں نے ساتھ ہی گیندیں پھینکیں - سورج خالی گئے اور میری گیند اتفاقاً جا لگی اور ایک ناریل گر گیا ادھر سے انھوں نے ایک ناریل پھینک دیا - وہ ناریل میں نے لے کر مسز کلفٹن کو دے دیا - بڑی خوش ہوئیں - پہلے شکریہ ادا کیا پھر خاوند سے بولیں ، پیارے دیکھا یہ کیسا عقلمند ہے - اوہ شیرانی تم بڑے عقلمند ہو - سورج نے ہنس کر کہا غضب کا یعنی غضب کا ہشیار - اس میں ایک قسم کی ہجو ملیح پائی جاتی ہے - اس لیے مسز کلفٹن نے کہا ، مسٹر نرائن تم نے کچھ کیا نہیں اس لیے اس کے حاسد ہو - پھر اپنی بہن کو ناریل دکھایا اور بولیں کیا یہ ہوشیار نہیں ہے - انھوں نے جواب دیا ، ہاں ہے - پھر مجھ سے بولیں ، میں بہت ہی غمگین ہوتی اگر ہمیں یہاں سے کچھ بھی نہیں ملتا - میں تمہاری بڑی شکر گذار ہوں - اتنے میں آڈرس جو اتنی دیر سے ناریل کی تاک میں تھی اور میرے پاس کھڑی تھی ، ماں کے پاس پہنچی اور ناریل کے لیے ہاتھ بڑھایا - ماں دینا تو نہیں چاہتی تھی لیکن ناخوشی سے دے دیا - اس عرصے میں کلفٹن نے بھی ایک ناریل اڑایا - وہ حسب وعدہ چارلی کو مل گیا - اس پر سورج بہت جھینپے اور پانچ دفعہ اور نشانے لگائے آخر چھٹا نشانہ کامیاب ہوا - خیر نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر کلفٹن نے چھ نشانوں میں دو نشانے اڑائے ، سورج نے آٹھ میں دو اور میں نے تین یا چار میں دو - آتے وقت ہم نے بچوں کے لیے کچھ چیزیں خریدیں اور پھر ایک دوکان میں جا کر ملائی کی برف کھائی -

کل دو شنبہ ۲- مئی[1] کو میں رائل البرٹ ہال گیا - یہاں عیسائی مشنریوں کا سالانہ جلسہ تھا - البرٹ ہال شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم شاہ حال کے باپ شہزادہ البرٹ کی یادگار میں بنا ہے - یہ ہال ایک وسیع ہال ہے جس میں دس ہزار آدمی ایک وقت میں سما سکتے ہیں - کل ہال آدمیوں اور عورتوں سے بالکل پر تھا - مسٹر کوالڈ سٹریم نے مجھ کو ٹکٹ بھیج دیا تھا اور وہاں ہم ہندوستانیوں کے لیے دو کمرے مخصوص

۱- یہاں تاریخ اور دن میں مطابقت نہیں ہے - دو شنبہ کو یکم مئی تھی اور دو مئی کو سہ شنبہ کا دن تھا - (مرتب)

تھے - چھ بجے دروازہ کھلا - سات بجے جلسہ شروع ہوا - اس میں انگریز مشنریوں نے ایشیا افریقہ میں اپنی مذہبی کامیابی کے متعلق تقریریں کیں - ان میں ہندوستان کا لاٹ پادری ، چین کا لاٹ پادری ، یوگنڈا واقع افریقہ کا لاٹ پادری بولنے والے تھے - انگلینڈ کا لاٹ پادری صدر انجمن تھا - ہندوستان اور سیلون میں جس طرح عیسائی مذہب اپنی اشاعت کر رہا ہے وہ حیرت انگیز ہے - متحرک تصویروں کے ذریعہ سے بہت سے منظر دکھائے گئے - ہندوستان کے لاٹ پادری نے زیادہ تر جنوبی ہندوستان اور بالخصوص ہندؤوں میں اپنی کامیابی کی نظیریں دیں اور مسلمانوں کے متعلق کچھ نہیں کہا جس پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا - پھر انھوں نے ہندوستان کے قدیم فرقے سنتھال پر مذہب عیسوی کے اثر پذیر ہونے پر فخر کیا کہ یہ فرقہ ہندوستان کا بہت معزز فرقہ ہے - انھیں قدیم ہندوستانی ہونے کا فخر ہے اور عیسائی مذہب ان پر بہت جلدی کامیابی کر رہا ہے -

میرے قریب ایک ہندوستانی (سندھی) بیٹھے تھے - انھوں نے مجھ سے میرا نام پوچھا - میں سمجھ گیا تھا جس خیال سے انھوں نے یہ تکلیف کی تھی - میں نے اول تو ان کا نام دریافت کیا جس پر انھوں نے فخریہ لہجہ میں کہا ، عبدالحمید خان - بعد میں میں نے مذاق میں کہا ، فرض کرو میرا نام ''بھوجو'' ہے جو سنتھالی نام ہے - اس پر وہ گھبرائے اور خاموش ہو گئے - میں نے چھیڑ کر کہا ، کیا تم ایک سنتھالی سے بات نہیں کرو گے - بلحاظ ہندوستانی ہونے کے ان کو مغرور آریہ اور وحشی مزاج پٹھانوں پر فوق ہے - کچھ شرمائے اور بولے ، نہیں میرا یہ منشا نہیں تھا - میں نے صرف نام دریافت کیا تھا - میں نے کہا ، مگر تم سنتھالی کو حقارت کی نگاہ سے ضرور دیکھتے ہو - بولے حقارت کی تو کوئی بات نہیں - ہاں یہ فرقہ وحشی ہونے میں مشہور ہے - بالکل غیر شائستہ اور غیر مہذب فرقہ کہلایا جاتا ہے - میں نے کہا ، مگر یورپین کے مقابلے میں پٹھان اور سنتھالی دونوں غیر مہذب اور وحشی ہیں - بولے ، ہاں وہ ایسا ہی کہتے ہیں کم سے کم - لیکن اگر تم سنتھالی ہو تو میں ایسے فرقے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھوں گا جس میں تم جیسے شائستہ لوگ موجود ہیں - میں نے کہا ، اگر میں یہ کہوں کہ میں سنتھالی نہیں ہوں تو شاید آپ کو افسوس ہو کیونکہ میں اسی فرقے کا ہوں جس فرقہ کے آپ ہیں - بولے ، کیا پٹھان ہو - میں نے کہا ہاں کہتے تو ہیں اور میرے نام کے پہلے حافظ کا لفظ بھی ہے جس سے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ میں پٹھان یعنی کٹر مسلمان اور حافظ یعنی اور بھی کٹر مسلمان ہوں - یہ دیکھیے میرا کارڈ ہے - اس کے آخر میں منشی فاضل ہے جو میرے کٹر مسلمان ہونے کو اور بھی خوفناک کر دیتا ہے - میرا نام محمود ہے جس کے ساتھ ''بت شکن'' کا لقب ہمیشہ سے لگا ہے - جس نے

سنتھالیوں اور آریہ کو مسلمان بھی کیا ہے ۔ کہیے اب تو آپ شبہ نہیں کریں گے کہ میں عیسائی ہوں یا ہو جاؤں گا ۔

چین کے لاٹ پادری اٹھے . انھوں نے بیان میں کہا کہ چین میں ہم مشنریوں کو زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں جو ہمارے بھائیوں کو افریقہ اور ہندوستان میں پیش نہیں آتیں ۔ اول تو ملکی حیثیت سے ایک مذہب یعنی بدھ مت کا ہونا ، دوسرے سلطنت کا بھی وہی مذہب ۔ تیسرے ہماری وہاں سلطنت نہیں ۔ نہ وہ زور حاصل جو ہمیں افریقہ اور ہندوستان میں ہے ۔ تیسرے[1] وہاں قومیت میں اختلاف نہیں ، تمام باشندے منگولین ہیں ۔ چوتھے[2] چینیوں کو یورپین لوگوں سے گذشتہ جنگ یورپ و چین کی وجہ سے اور بھی دشمنی ہو گئی ہے ۔ پھر ہمارے پاس اس قدر روپیہ نہیں جو ہر ایک شہر میں اپنے اپنے مشن قائم کریں ، ہسپتال بناویں اور سکول جاری کریں وغیرہ وغیرہ ۔ بعد میں نتیجہ یہ نکلا کہ پریذیڈنٹ نے اٹھ کر یہ کہا کہ پچاس ہزار پونڈ سالانہ اس وقت ہمیں چین کے لیے درکار ہیں جس کے سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہوتے ہیں ۔ جلسہ ختم ہوا اور میں ساڑھے دس بجے گھر پہنچا ۔

میرے زخم بھر چکے ہیں لیکن ڈاکٹر کے ہاں جانا موقوف نہیں کیا ہے ۔ زخموں کے مقام کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے قوت احساس جاتی رہی ہے ۔ درد تکلیف وغیرہ کچھ محسوس نہیں ہوتے ۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس مقام پر یہ قوت احساس پھر آ جاوے گی ۔ کیا خدا کی شان ہے کہ آپریشن کانوں کے اوپر ہوئے ۔ اگر بھی آپریشن چہرے پر ہوتے تو عمر بھر کے لیے داغ رہ جاتا اور صورت بگڑتی وہ الگ ۔ اب آپریشن کانوں کے نیچے ہیں ۔ یہ ایسا مقام ہے کہ نہ آگے سے نظر آتا ہے اور نہ پیچھے سے کیونکہ کانوں سے اور بالوں سے ڈھکا ہوا ہے ۔ اگر کوئی غور سے دیکھے تو نظر آوے ورنہ سرسری نظر میں کچھ فرق نظر نہیں آتا ہے ۔ خدا کی عجب قدرت ہے ۔

میں نے اپنی تعلیم شروع کر دی ہے ۔ کتاب بینی مجھ سے کسی حالت میں نہیں چھوٹتی ۔ لیکن محنت اس قدر نہیں کر سکتا جس قدر کرنا چاہیے ۔ دماغ اس قدر ضعیف ہو گیا ہے کہ جہاں کتاب دیکھتے دیکھتے آنکھ اٹھائی ، آنکھوں میں اندھیرا آ گیا ، اور پھر تھوڑی دیر کے لیے کچھ نظر نہیں آتا ۔ اٹھا ہوں اور چکر آ گیا ہے ۔

ہوا کو آپ ہر طرح سے میری طرف سے اطمینان دلادیں ۔ میں ہر طرح خوش ہوں ۔ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے ۔ میں ان کے لیے اور ان کی بہو کے لیے اپنی چھوٹی تصویر لاکٹ میں اتروا کر بھیجوں گا ۔ روپیہ کے لیے گذارش ہے کہ

۱- 'چوتھے' ہونا چاہیے (مرتب) ۔ ۲- 'پانچویں' ہونا چاہیے (مرتب) ۔

اپ جو مناسب خیال فرماویں بھیج دیں - مجھ کو ایک ہفتہ اور تک ضرورت نہیں - اٹھارہ مارچ سے ڈاکٹر کا حساب ادا کرنا ہے - وہ میرے خیال میں آٹھ سات پونڈ سے زیادہ نہیں ہوں گے - وہ بھی اس صورت میں اگر اس نے رعایت نہیں کی اور اگر رعایت کر دی تو اس سے بھی کم ہوں گے - ڈاکٹر کنگس فورڈ بہت شریف آدمی ہے اور مجھ پر مہربان ہے کیونکہ میں نے اس کی فیس ایک دم سے ادا کر دی تھی یہاں ڈاکٹر اور وکیل لوگوں کے شاکی ہیں اور لوگ ڈاکٹروں اور وکیلوں کے - یہاں ایک مثل ہے کہ ''خدا ہر کرسچین کو ڈاکٹروں اور وکیلوں کے ہاتھ سے بچاوے'' - باقی ہر طرح خیریت ہے - آج جمعہ ہے اس لیے اس خط کو روانہ کرتا ہوں - بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم مشہود خان کو پیار - فقط

مخزن اگر آوے تو آپ رکھ لیں اور ماہواری لیتے رہیں - اس کی قیمت میں یہاں ادا کر چکا ہوں - مقصود کو آپ ایک مرتبہ تمام مخزن پڑھا دیا کریں -

محمود

(۱۱)

"Bedgebury"
Highlever Road
May[1]

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بوجوہ قرین خیریت ہوں گذشتہ ہفتہ خط قلمی عزیزی محمد مسعود خاں موصول ہوا خیریت معلوم ہوئی - لیکن اس میں آں حضرت نے اپنے قلم سے کچھ تحریر نہیں فرمایا تھا - امید ہے کہ آیندہ آں حضرت خیال فرما کر کم از کم اپنے دستخط تو ضرور فرما دیا کریں کہ یہ باعث تسلی بندہ ہے -

میں نے ڈاکٹر کے ہاں جانا بند کر دیا ہے - زخم انگوری آئے ہیں - ڈاکٹر نے بیالیس روز کے چار شلنگ روزانہ کے حساب سے بل بھیجا ہے اور لکھا ہے کہ میں کسی طرح کی کمی نہیں کروں گا - یہ رقم آٹھ پونڈ آٹھ شلنگ ہوتے ہیں - ابھی تک میں نے دیے نہیں ہیں لیکن دو شنبہ کو بھیج دوں گا -

ہمارے کالج میں ڈنر شروع ہو گئے ہیں - میں تین ڈنر کھا چکا ہوں اور تین

۱- اس خط پر تاریخ درج نہیں - صرف انگریزی میں ''مئی'' کا لفظ تحریر ہے - آیندہ خط مورخہ ۱۹ مئی سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر مکتوب ۱۲ - مئی (جمعہ) کا لکھا ہوا ہے (مرتب) -

باقی ہیں - شیخ عبدالقادر خیریت سے ہیں - لالہ سورج نرائن سلام کہتے ہیں - لالہ جگناتھ نے بالفعل لندن کو خیر باد کہہ دیا ہے اور اسکاٹ لینڈ کی ایڈنبرا یونیورسٹی میں ایم - اے کے امتحان کے لیے چلے گئے ہیں - وہاں تین سال پڑھ کر ایم - اے کا امتحان دینگے بعد میں بیرسٹری کا امتحان - دینگے اس طرح سے انھیں یہاں پانچ چار سال اور رہنا پڑے گا یہاں والنٹیر فوج کا ایک صیغہ ہے جس میں ہر ایک انگریز شامل ہوسکتا ہے - اس کے علاوہ وہ غیر ملک کے رہنے والوں میں انگریزی رعایا کو بعض خاص شرائط کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں - میں نے اس فوج کے کرنل سے ملاقات کی ہے - بعد میں اس نے مجھ کو شریک ہونے کے قواعد بھیجے - چندہ داخلہ تین پونڈ ہے اور دس شلنگ جو سالانہ ادا کرنا پڑے گا - قد اور سینہ کی شرط میں پوری کر سکتا ہوں کیونکہ اس میں شرط ہے کہ قد پانچ فٹ پانچ انچ اور سینہ تینتیس انچ چوڑا ہو - یہ دونوں میں پوری کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط یہ ہے ، جو ذرا سخت ہے ، کہ چار سال تک اس میں مشق کی جاوے - اس شرط کو میں پورا نہیں کر سکتا کیونکہ میں شاید تین ساڑھے تین سال سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا - دوسرے یہ کہ ہفتہ میں تین مرتبہ قواعد وغیرہ سیکھنا ہوتے ہیں - یہ بھی آسان ہے کیونکہ میں پریڈ سے بہت قریب رہتا ہوں - اس میں قواعد اور نشانہ مارنے سکھائے جاتے ہیں - آپ فرماویں گے تو سہی کہ مجھے کیا سوجھی ہے جو فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہوں لیکن اصل یہ ہے کہ والنٹیر ہونے کی صورت میں مجھ کو ہندوستان میں اکثر مفید صورتوں کی امید ہے - اس صورت میں مجھ پر ہر ایک انگریز مہربان ہوگا اور میری عزت کرے گا اور میں اپنے حقوق ہر جگہ ثابت کر سکوں گا - دوسرے جسمانی لحاظ سے مجھ کو ورزش کی عادت ہو جاوے گی ، مضبوط ہو جاؤں گا جو مجھ جیسے ضعیف القویٰ شخص کے لیے ضروری ہے - ہندوستان میں یہ موقعہ حاصل نہیں ہو سکتا اور والنٹیر ہونے کی صورت میں بندوق کے لیے لائسنس کی کوئی ضرورت نہیں - اس کے لیے تو آپ جانتے ہیں کہ ہتھیار کے لیے ہندوستان خصوصاً انگریزی علاقہ میں سخت قانون ہیں - آپ اس کے لیے کیا رائے دیتے ہیں - یہ بھی لحاظ رہے کہ ہندوستان میں اگر یہ موقعہ کہیں ہے تو وہ صرف رئیسوں کے لیے ہے جیسے کریڈٹ کورٹ میرٹ میں ، جس کے ممبر دربار صاحب جودھ پور ہیں - وہاں عام لوگوں کے لیے کوئی اس قسم کا سلسلہ نہیں ہے -

اس ہفتہ میں ہمارے ہاں ایک موت ہو گئی ہے جس کے سبب سے مسز کلفٹن کو بے انتہا صدمہ ہوا لیکن باقی لوگوں کو دل لگی کا فقرہ ہاتھ آیا - مرنے والے کا نام ''باگی'' تھا اور مسز کلفٹن اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں اور اب بھی جب کبھی باگی کا نام اس کے منہ پر آ جاتا ہے تو ایک ٹھنڈی سانس ضرور لے لیتی ہیں -

اس کے انتقال پر انھوں نے تین روز تک ماتمی لباس پہنا اور گھنٹوں اس کی نعش پر روئیں ۔ مختصر یہ ہے کہ باگی صاحب اپنے انتقال پر ملال سے تین روز پیشتر بیمار ہوئے اور ساتھ ہی غذا چھوڑ دی ۔ مسز کلفٹن کو اس امر کا بڑا قلق ہوا ۔ خاوند (مسٹر کلفٹن) نے صلاح دی کہ ڈاکٹر کو بلا کر مریض کو دکھا دو ۔ لیکن مسز کلفٹن کو چونکہ مریض سے بے انتہا محبت تھی اس لیے انھوں نے کہا کہ میں میرے باگی کو خود ڈاکٹر کے ہاں لے کر جاؤں گی اس لیے باگی کو کپڑوں میں لپیٹا گیا تاکہ سردی نہ لگے ۔ پھر بچوں کی ہوا خوری کی گاڑی میں انھیں سوار کیا اور مسز کلفٹن گاڑی کو لے کر ڈاکٹر کے ہاں پہنچیں کیونکہ باگی کا منہ کپڑوں سے ڈھکا ہوا نہیں تھا اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر یہ کہا جاوے کہ باگی کی صورت راہ گیروں نے دیکھی ۔ اس پر بعض خوش طبع لوگوں نے فقرے کسنا شروع کیے ۔ ایک نے کہا ، آہا کیا چاند سا بچہ بیٹھا ہے ۔ دوسرے نے کہا ، اس کی ماں کی گود ہری رہے ۔ کسی نے کہا ، بھلا اس کی ماں کیسی ہوگی ۔ دوسرے نے جواب دیا ، واہ واہ ، ماں تو ساتھ ہی ہے ۔ پہلا بولا ، میں تو سمجھا تھا یہ تو کوئی آیا ہوگی ۔ دوسرے نے کہا ، کہیں آیا کی ایسی شکل ہوتی ہے ۔ یہ کم سے کم بیگم ہے بیگم اور اس کا بچہ شہزادہ ہے شہزادہ ۔ دیکھو نا کیسی نورانی شکل پائی ہے ۔ دوسرے نے بناوٹ کے لہجے میں کہا ، مگر ماں بیٹوں کی صورت میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ پہلے نے جواب دیا ، واہ بھائی غور سے دیکھو ماں بیٹے کی شکل بالکل ایک ہے ۔ بال بھر کا فرق نہیں اور جو نہیں مانتے تو پوچھ دیکھو ۔ (پھر مسز کلفٹن سے خطاب کرکے) کیوں بیگم یہ تمھارا ہی بچہ ہے نا ؟ میرے دوست کو یقین نہیں آتا ۔ مسز کلفٹن نے جھلا کر منہ پھیر لیا اور دونوں فقرہ باز قہقہہ لگا کر چلتے بنے ۔ بمشکل تمام مسز کلفٹن ڈاکٹر کے ہاں سے اپنے گھر تک پہنچیں ۔ پھر مریض کی دوا وغیرہ میں مصروف ہو گئیں اور ساتھ ہی روتی جاتی تھیں ۔ وہ دن گذرا ، رات گذری مگر باگی کو صحت نہیں ہوئی اور مسز کلفٹن کو اس کی طرف سے مایوسی ہوتی گئی اور ویسے ہی ان کا ماتم بڑھتا گیا ۔ میں نے باگی سے خطاب کرکے پوچھا ، باگی کیا حال ہے ؟ اس پر مسز کلفٹن نے بڑی مایوسی سے کہا ، اب باگی کہاں ہے باگی تو خدا کے ہاں گیا ۔ مگر اس وقت تک باگی زندہ تھا ۔ ہم لوگوں کو باگی سے محبت کم تھی اس لیے ہم تو حسب معمول رات کو اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے لیکن مسز کلفٹن باگی کے پاس دو بجے تک بیٹھی رہیں ۔ غریب مسٹر کلفٹن بھی بیوی کی وجہ سے بیٹھے رہے جاگتے رہے ۔ جھلائے تو بہت مگر بس کس پر چلتا ۔ کبھی کبھی کہہ اٹھتے تھے موڈ خدا کے لیے میری نیند حرام نہ کر اور جب بیوی کے تیور بگڑتے دیکھتے تو پھر گربۂ مسکین بن جاتے ۔ دو بجے تک اس

طرح سے میاں بیوی مریض کے پاس رہے بعد میں تھک کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے ۔ علی الصباح مسز کلفٹن مریض کے کمرے میں گئیں ۔ دیکھا تو مر چکا تھا گھبرا گئیں اور جا کر خاوند کو جگایا ۔ وہ بڑبڑاتے اٹھے ۔ سوڈ خدا کے لیے سونے دے رات بھر جاگتا[1] .....

(۱۲)

Bedgebury
Highlever Road,
May 19th 05

لندن ۱۹ مئی سنہ ۱۹۰۵ء

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

میں بخیریت ہوں اور آنحضرت کی خیریت کا طالب ۔ دو ہفتہ سے گھر کے خطوط میں جناب کے دستخط نہیں دیکھتا ۔ پہلے ہفتہ کی بابت پچھلے ہفتہ میں عرض کر چکا ہوں ۔ گذشتہ ہفتہ کے خط میں بھی آنحضرت کے دستخط نہیں ہیں ۔ امید ہے کہ آئندہ کے لیے کم از کم ہر ایک خط میں آنحضرت کے دستخط ہوا کریں گے ۔

یہاں میں خرچ میں ہر طرح سے میانہ روی بلکہ کنجوسی کام میں لاتا ہوں ۔ لندن میں رہنے کی حالت میں جہاں تک میں خیال کرتا ہوں پندرہ چودہ پونڈ سے کم کسی صورت میں خرچ نہیں ہو سکتا اور اب گرمیاں آ رہی ہیں لوگ جو سردی کی وجہ سے سمندر کی طرف چلے گئے تھے واپس آ رہے ہیں ۔ اس صورت میں مکانات کے کرائے وغیرہ اشیاء اور بھی گراں ہو جاویں گی ۔ یہاں گرمی ایک ایسا موسم ہے جس میں یہ لوگ ہر طرح کی خوشیاں مناتے ہیں ، سیر و تفریح کرتے ہیں ۔

میں جس موجودہ مکان میں رہتا ہوں یہ کالج سے نو میل کے فاصلہ پر ہے اور اس فاصلے کے طے کرنے کے لیے پہلے ایک میل تک مجھ کو گھوڑوں کی گاڑی میں جانا پڑتا ہے جو ہر پانچ منٹ پر چلتی ہیں ۔ وہاں سے ایک دخانی ریلوے میں سفر کرنا ہوتا ہے اور تین میل اس طرح طے کرنا ہوتے ہیں ۔ باقی پانچ میل کے لیے برقی ریلوے میں کوئنز روڈ سے چانسری لین تک گیارہ اسٹیشن طے کرنا ہوتے ہیں یعنی گھر سے کالج تک پہنچنے کے لیے ایک گھنٹہ کم از کم درکار ہے اور ٹرین وقت پر ہاتھ نہ آئے تو ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹہ صرف ہو گئے ۔ لیکچروں کا وقت کچھ ایسا عجیب ہے کہ کوئی باضابطہ نہیں ہو سکتا (کذا) ۔ لیکچروں کی خاطر بعض

---

۱ - اس دل چسپ خط میں خاتون خانہ مسز کلفٹن کے پسندیدہ کتے ''باگی'' کی موت کا تذکرہ ہے ۔ افسوس کہ اس خط کا آخری حصہ دستیاب نہ ہو سکا (مرتب) ۔

دفعہ دوپہر کا کھانا (لنچ) باہر کھانا ہوتا ہے - جس میں تین شلنگ کا خون ہو جاتا ہے - بعض وقت لیکچر پانچ سے چھ تک ہوا - تب ڈنر سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے - یا باہر کھاؤ یا بھوکے رہو - روزانہ گھر پر ڈنر (رات کا کھانا) دیر میں نہیں مل سکتا کیونکہ گھر پر ڈنر شام کے سات بجے ہوتا ہے - یہی صورت جلسوں کی ہے - یہاں تمام جلسے عموماً شام کو ہوا کرتے ہیں - اول تو مقام جلسہ تک پہنچنے میں ایک دو شلنگ خرچ ہوئے ، پھر شام کا کھانا باہر کھانا پڑا - اکٹھے پانچ چھ شلنگ کا خون ہوا - اس لیے میں اکثر جلسوں میں کم جاتا ہوں اور یہ بھی برا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کارڈ بھیجیں ، بلاویں ، مقام نشست میرے لیے روک رکھیں اور میں نہ جاؤں - اس صورت میں مجھے یہ امید رکھنا چاہیے کہ آئندہ وہ مجھے نہیں بلاویں گے - اسی ہفتہ میں دو کارڈ آئے - ایک مسٹر عبدالقادر نے پین اسلامک سوسائٹی کے جلسے میں شریک ہونے کے لیے بھیجا - دوسرا مس میننگ[1] نے انڈین ایسوسی ایشن میں شریک ہونے کے لیے - پہلا جلسہ اٹھارہ مئی کو یعنی کل تھا - میں نہیں گیا - دوسرا جلسہ ۲۹ کو ہے اور شاید اس میں بھی نہ جاؤں -

موسم یہاں کا عجیب ہے - آج سردی ہے کل گرمی ہے - گھنٹوں میں موسم بدلتا ہے - مکانوں کے سامنے لنڈ منڈ درخت ہرے ہونے شروع ہوگئے ہیں اور ہر ایک گھر ایک چھوٹا سا باغ معلوم ہوتا ہے - ہمارے گھر میں بھی ایک چھوٹا سا باغ ہے جو کچھ بیلوں کچھ پھولوں اور کچھ بڑے درختوں کا مجموعہ ہے - میں نے ان تمام درختوں کے نام مسٹر کلفٹن سے پوچھ پوچھ کر یاد کیے ہیں لیکن یہ حالت ہے کہ بھول بھول جاتا ہوں - مسٹر کلفٹن پوچھتے ہیں اور میں غلط نام بتا دیتا ہوں تو سب ہنس پڑتے ہیں - یہ میرا قصور نہیں ہے - ہر تلفظ ایسا مشکل ہے کہ ادا ہونا مشکل ہے - ایک درخت کا نام ہے ''رہوڈوڈین ڈران[2]''- اس پر کئی مرتبہ مذاق اڑ چکا ہے - کبھی میں نے کہہ دیا 'پوئٹ ڈیفوڈل[3]'- یہ ایک اور پودے کا نام ہے کبھی کہہ دیا 'بٹر کپ[4]' یہ ایک اور پھول کا نام ہے -

---

۱- مس میننگ انڈین ایسوسی ایشن کی آنریری سیکرٹری تھیں - ہندوستان اور یہاں کے باشندوں سے بڑی محبت کرتی تھیں - دس اگست سنہ ۱۹۰۵ء کو ۷۷ برس کی عمر میں انتقال کیا - شیخ عبدالقادر نے اس موقع پر ایک مضمون لکھا تھا جو ''مخزن'' کے دسمبر ۱۹۰۵ء کے شمارے میں چھپا - مس میننگ سے شیرانی صاحب کے والد کی بھی خط و کتابت تھی - (مرتب)

۲- Rhododendron

۳- Poet daffodil

۴- Butter cup

میری صحت اچھی حالت میں ہے - پانچ ڈنر اب تک کھا چکا ہوں - چھٹا ڈنر باقی ہے - میں ابھی تک کبھی کا کھا چکا ہوتا لیکن ارادہ ہے کہ گرانڈ ڈنر کے روز کھاؤں - اس روز جو لوگ تمام امتحانات پاس کر چکے ہوتے ہیں انہیں بیرسٹر ایٹ لاء کا خطاب دیا جاتا ہے - آپس میں ملاقاتیں ہوتی ہیں - تصویریں دکھائی جاتی ہیں - پرانے ، کالج کے بڑے بڑے ، طالب علموں کے حالات سنائے جاتے ہیں -

میری تعلیم جاری ہے - لیکچروں میں جاتا ہوں - جہاں تک ممکن ہوتا ہے وقت بے کار نہیں جانے دیتا - لوگوں کے ہاں آنا جانا سب موقوف - نہ مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا اور نہ مس میننگ کے پاس گیا -

یہاں آج کل کرکٹ بڑے زوروں پر ہے - سردی گزرنے پر انگریزوں نے اپنی عام وردی یعنی سیاہ لباس پہننا چھوڑنا شروع کر دیا ہے - اب عموماً رنگ برنگ کے لباس نظر آتے ہیں -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار -
محمود

دو ٹکٹ جلسوں کے بھیجتا ہوں - ایک پین اسلامک سوسائٹی کا دوسرا نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کا -

(۱۳)

18 Sinclair Road,
N. Kensington W.
۹ جون سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین دام برکاتکم

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ گذشتہ سہ شنبہ کو مجھ کو مسعود کا خط ملا جو جناب کے حکم سے لکھا گیا تھا - چونکہ آنحضرت نے خود اپنے قلم سے نہیں لکھا تھا اس لیے تشویش ہوئی لیکن ساتھ ہی آخر میں یہ لکھا تھا کہ ہم اس سے ناراض ہیں اس لیے اس ہفتہ اس کو کچھ نہیں لکھیں گے -[۱]

۱- والد کی ناراضگی کا باعث یہ تھا کہ شیرانی صاحب لندن کے میلوں اور جلسوں وغیرہ میں زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے - اس کے بعد وہ محتاط ہوگئے - چنانچہ آئندہ خط میں جو ۳۰ جون کو لکھا گیا ہے فرماتے ہیں : ''پہلے خطوط میں میں اکثر فضولیات لکھ دیا کرتا تھا لیکن آئندہ کے لیے میں اس قسم کی تحریرات سے تکلیف نہ دوں گا اور میرے تمام خط میرے ہی حالات اور خصوصاً تعلیم کے ذکر سے مملو ہوں گے'' - (مرتب)

آنحضرت کی یہ ناراضگی امید ہے کہ میرے دوسرے خط کے پہنچنے کے بعد رفع ہو جاوے گی اور اس ناراضگی کے جواب میں مجھ کو صرف اس وقت ایک شعر حافظ کا یاد ہے - وہ عرض کرکے دوسرے امور عرض کرتا ہوں :

جرم و خطائے بندہ چو گیرند اعتبار
معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

میں اپنی تعلیم میں اصل یہ ہے کہ ہر وقت مصروف ہوں اور یہی وجوہ ہیں کہ میں نے ان دنوں لوگوں سے ملنا جلنا ، آنا جانا چھوڑ دیا ہے - میں واقف ہوں مجھ کو یہاں بہت کچھ کرنا ہے اور میرے گذشتہ دراز مرض نے میرا بہت وقت ضائع کیا ہے -اب مجھ کو اس سال تمام میں بہت کچھ کرنا ہے اور شروع کر دیا ہے - میرے تمام اوقات [میں] اپنی تعلیم میں صرف کرتا ہوں اور کتاب بینی تو میری عادت میں داخل ہوگئی ہے جیسا کہ آنحضرت کو بھی تجربہ ہوگا - میں بعض وقت اپنی تعلیم کی بابت لکھوں یا نہ لکھوں جناب اس سے مخدوش طبع نہ ہوں کیونکہ بار بار ہر خط میں ایک چیز کا ذکر کرنا دوبھر معلوم ہوتا ہے - آپ یہ باور رکھیں کہ میں یہاں جس مقصد کے لیے آیا ہوں اس کو ایک لحظہ کے لیے بھی نہیں بھول سکتا - آپ مجھ پر بھروسہ کریں - ڈنر میں نے تمام ختم کر لیے ہیں اور لیکچر ابھی تک ختم نہیں ہوئے - اس مہینہ کی آخری تاریخوں میں ختم ہو جاویں گے اور اس کے بعد دوسری ٹرم اور اس کے لیکچر شروع ہو جاویں گے - مجھ کو بلحاظ صحت کسی قسم کی شکایت نہیں - میں اچھی طرح تندرست ہوں - نیند اچھی طرح آتی ہے - اب روزمرہ کے حالات اور تمام حالات میں ہر ہفتہ نہیں لکھ سکتا - ہاں بعض وقت ایسا ہو جاوے گا کہ آپ میرے روزانہ حالات کا خاکہ میرے خطوط میں دیکھیں گے لیکن جب مجھ کو ذرا زیادہ فرصت ہوگی - شیخ صاحب عرصہ ہوا پیرس سے آ گئے اور میں ان سے نہیں مل سکا - وہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور میں اپنے کاموں میں - مسٹر جگناتھ ایڈنبرا میں ہیں - ان کے دو کارڈ میرے نام آئے ہیں - معمولی خیر و عافیت ہے -

میں نے گذشتہ سہ شنبہ کو مسٹر کلفٹن کا مکان چھوڑ دیا ہے - اب میں سنکلیر روڈ میں آ گیا ہوں - مسٹر سورج نرائن مسٹر کلفٹن کے ہاں ہی ہیں - میرا نیا مکان چند وجوہ سے مجھ کو پسند ہے - بیس قدم کے فاصلے پر اڈیسن روڈ بڑا اسٹیشن ہے جہاں سے لندن کے ہر سمت ریلیں جاتی ہیں - یہاں سے مجھ کو کالج پہنچنے میں آسانی رہے گی - دوسرے چونکہ یہ مکان فیملی نہیں ہے اس لیے تمام وقت میرا ہے - کھانے میں کوئی پابندی نہیں ، چاہے جب کھاؤں اور نہ میرا اتنا خرچ ہوگا - میں اپنے وقت کا مالک ہوں - وہاں یعنی مسٹر کلفٹن کے ہاں نو بجے

مجھ کو صبح کا کھانا ملتا تھا ۔ یہاں میں نے آٹھ بجے وقت مقرر کر لیا ہے ۔ ساڑھے نو بجے کی ٹرین سے کالج پونے گیارہ بجے پہنچ جاتا ہوں اور گیارہ بجے لیکچر شروع ہو جاتے ہیں ۔ کھانے کا یہ انتظام ہے کہ مراموگا (لینڈ لیڈی) پکا دیا کرے گی اور دام میرے ہوں گے ۔ پکائی کا کچھ نہیں لے گی ۔ مکان کا کرایہ دو پونڈ ہفتہ وار ہے جس میں گیس وغیرہ چیزیں شامل ہیں ۔ ہفتہ وار کھانے کا [خرچ] صرف ڈیڑھ اور دو پونڈ کے درمیان میں ہو [گا] ۔ خیال تو یہ ہے کہ ڈیڑھ پونڈ سے بھی کم ہو ۔ خرچ کے لحاظ سے مجھ کو مسٹر کلفٹن کے ہاں کفایت تھی لیکن وہاں یہ تھا کہ چاہے میں کھانا گھر میں کھاؤں یا نہیں وہ پوری قیمت لے لیا کرتے تھے اور یہاں یہ ہے کہ میں کہیں کھاؤں کوئی نقصان نہیں اور چاہے جب کھاؤں اس لیے میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ بریک فاسٹ کھا کر یہاں سے نکلا ۔ صبح کے وقت باہر چائے روٹی اور مکھن کھایا اور ہر شام کو سات بجے یہاں آ کر ڈنر (رات کا کھانا) کھا لیا ۔

آج دو لیکچر ہیں ۔ پہلا ایک سے شروع ہو کر دوپہر ختم ہوگا ۔ دوسرا تین سے شروع ہو کر پانچ بجے ختم ہوگا ۔ مکان میں پونے گیارہ بجے چھوڑ دوں گا ۔ اس اسٹیشن سے ہر دس منٹ پر ریل روانہ ہوتے ہیں ۔ ایک بجے کا لیکچر سنوں گا ۔ دو بجے چائے پی کر لائبریری میں چلا جاؤں گا ۔ تین بجے پھر لیکچر میں شامل ہو جاؤں گا ۔ پانچ بجے سوا پانچ بجے کی ٹرین لوں گا اور یہاں سات سے پہلے پہنچ جاؤں گا ۔ بعد میں کپڑے اتار کر اپنی پڑھائی میں مشغول ہو جاؤں گا ۔

آج کل ہمارے ہاں (میری مراد لندن سے ہے) شاہ اسپین (ہسپانیہ) مہمان ہیں ۔ پرسوں ان کا جلوس نکلا تھا ۔ تمام شہر دیکھنے کے لیے نکلا لیکن میں نہیں گیا ۔ پھر اسی رات کو وہ معہ شاہ ایڈورڈ تھیٹر دیکھنے گئے ۔ خلقت ان کے دیکھنے کی اس قدر مشتاق تھی کہ ساٹھ ساٹھ پونڈ کا ایک ٹکٹ خرید کر ان کے دیکھنے کو لوگ تماشہ میں گئے ۔ اس سے آپ انگریزوں کی آسودگی اور مال داری کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔ ساٹھ پونڈ ایک ناٹک کے ٹکٹ کی شرح جو ہمارے ہاں کے نو سو روپیے کے برابر ہیں ۔ باقی حالات بدستور ہیں ۔

میں ان دنوں ذرا افسردہ ہوں کیونکہ مسٹر کلفٹن کے ہاں میں اور سورج نرائن ساتھ تھے ۔ یہاں اکیلا ہوں اور اجنبی بھی ۔ گھر میں ایک اور انگریز مہمان ہے جس سے میں ابھی تک نہیں ملا ۔ آج کل یہاں ایک ہفتہ سے برابر رات دن بلاتوقف مینھہ برس رہا ہے جس سے سردی پھر چمک گئی ہے ۔ یہاں صبح ساڑھے تین بجے سے پیشتر ہو جاتی ہے اور نو بجے رات کے شام ہوتی ہے یعنی رات قریباً کچھ کم

سات گھنٹے کی اور دن قریباً سترہ گھنٹہ کا ۔ اور کوئی نئی بات قابل تحریر نہیں ۔ بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب ۔

عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔ کہو مشہود خاں اس وقت آپ کس پر ناراض ہیں جو تیوریوں پر بل ہیں ۔ کہیے بابو[1] دادا بھی کبھی یاد آتا ہے یا بھول گئے ۔ کہو اب بھی تمہیں کوئی بائیسکل پر سیر کرانے لے جاتا ہے یا نہیں ۔ فقط

محمود
از لندن

(۱۴)

لندن ۔ کینزنگٹن
۳۰ جون

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام ظلہ العالی

گذشتہ ہفتہ نوازش نامۂ عالی موصول ہوا ۔ گرم و سرد الفاظ و نصائح جو کچھ مرقوم ہیں وہ میری بہتری کے لیے ہیں ۔ میں اب سے اسی طرح چل رہا ہوں اور چلوں گا ۔ میرا ہر ایک وقت لندن کا قیمتی ہے اور اس کی قیمت میں جانتا ہوں ۔ پہلے خطوط میں میں اکثر فضولیات لکھ دیا کرتا تھا لیکن آئندہ کے لیے میں اس قسم کی تحریرات سے تکلیف نہ دوں گا اور میرے تمام خطوط میرے ہی حالات اور خصوصاً تعلیم کے ذکر سے مملو ہوں گے ۔ جناب کے خط میں چونکہ اس دفعہ کوئی جواب طلب امر نہیں ہے اس لیے میں گذشتہ دو شنبہ سے شروع کرتا ہوں ۔ اس روز میں سات بجے اٹھا ۔ بریک فاسٹ کیا ۔ اس روز لیکچر چونکہ بارہ بجے تھا اس لیے مجھ کو وقت تھا کہ دو ایک خطوط کا جواب دوں ۔ ایک خط مسز میننگ کا تھا جس میں مجھ کو انھوں نے اپنے جلسہ میں مدعو کیا تھا ۔ مختصر طور پر اس خط کا جواب (اور اپنی غیر حاضری کے وجوہ جلسہ سے) لکھ کر بھیج دیا ۔ دوسرا خط شیخ عبدالقادر کا تھا اس میں کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف ایک کتاب کے لیے لکھا تھا جس کا جواب نفی میں دے دیا ۔ تیسرا خط سید علی بلگرامی کا تھا ۔ جس میں انھوں نے علی گڑھ کالج کے سالانہ ڈنر میں مجھ کو مدعو کیا تھا ۔ اس کا جواب بھی نفی میں دے دیا کیونکہ ایک پونڈ یعنی پندرہ روپے چندہ تھا ۔ خیر خطوط سے فراغت ہوئی ۔ کتاب سے اور کچھ مجھ کو نقل کرنا تھا ۔ خلاصہ کے طور پر وہ نقل کیا ۔ کپڑے پہنے ، کالیاں لیں اور سیدھا ایڈیسن روڈ[2] اسٹیشن گیا ۔

۱۔ شیرانی صاحب کو ان کے سب چھوٹے بھائی 'بابو دادا' کہا کرتے تھے ۔ (مرتب)

۲۔ Eddison Road

مکان سے ایڈیسن روڈ اسٹیشن پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے ۔ اس وقت پونے گیارہ تھے۔ اس ریل میں سوار ہوا اور شیپرڈ[1] بش اسٹیشن جا اترا ۔ یہاں سے پانچ منٹ کے فاصلے پر ٹیوب اسٹیشن ہے یعنی برق زمین دوز ریلوے ۔ اس ریل میں پہنچا اور بارہ بجنے میں دس منٹ تھے جب چانسری لین[2] جا اترا ۔ چانسری لین سے پانچ منٹ کے فاصلے پر ہمارا کالج ہے ۔ الغرض میں تین چار منٹ پہلے بارہ سے وہاں پہنچا ۔ طالب علم ابھی تک باہر ٹہل رہے تھے ۔ میں بھی ان میں جا ملا ۔ اتنے میں بارہ بجے اور اوپر لیکچر روم کا دروازہ کھلا ۔ تمام لڑکے لیکچر روم میں داخل ہوئے اور ایک منٹ میں انھوں نے لیکچر شروع کیا ۔ آج لیکچر ''رومیوں کی قوم میں مالک خانہ کے حقوق اس کی اولاد پر'' اس مضمون پر تھا ۔ کیونکہ یہ باب میرا پڑھا ہوا تھا اس لیے لیکچر کے سمجھنے میں کچھ بھی مشکل نہیں ہوئی ۔ کیونکہ ہمارے پروفیسر صاحب کی نسبت اکثر طلبہ کو یہ شکایت ہے کہ وہ اپنے لیکچر میں لاطینی اصطلاحیں زیادہ استعمال کرتے ہیں ۔ اس مضمون کا خلاصہ اگر غیر ضروری نہ ہو تو میں کچھ اس کی نسبت بھی بیان کر دوں ۔

رومیوں کی شروع تہذیب میں مالک خانہ کے حقوق اس کے افراد ذکور و اناث پر شاہانہ تھے یعنی موت و زیست کے اختیار حاصل تھے ۔ وہ ان کو بیع کر سکتا تھا اور اس کی حین حیات اس کی اولاد کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں تھے یعنی اولاد خواہ اپنے زور بازو سے جائیداد حاصل کرے لیکن وہ تمام باپ کی ملک تھی ۔ عورت کے جہیز ، املاک و جائیداد کا وہ مالک تھا اور برضامندی اس کو اپنی عورت اور بچوں کو بیع کرنے کا حق حاصل تھا ۔ بیٹے کو باپ قتل کر دے کوئی گناہ نہیں لیکن باپ کے قاتل کی سزا نہایت سخت تھی ۔ اس کو ایک بوری میں ایک بندر ایک سانپ اور ایک مرغی کے ساتھ بند کرکے دریا میں ڈبو دیا جاتا تھا ۔ اولاد خواہ بالغ کیوں نہ ہو باپ کی مرضی بغیر شادی نہیں کر سکتی تھی اور اگر کی تو یہ شادی معیوب اور ناجائز تھی ۔ باپ کے خلاف جائز یا ناجائز فریاد عدالت نہیں سنتی تھی اور یہی حال شوہر کے مقابلے میں عورت کا تھا ۔ شہنشاہ جسٹینین نے ان قوانین میں نرمی کی اور اس اولاد کو جو چند سال شاہی فوج میں خدمت کر چکی ہو حقوق مالکانہ عطا کر دئیے ۔ بیٹے کے قاتل کے لیے وہی سزا تجویز ہوئی جو باپ کے قاتل کے لیے لیکن سزا کی سنگینی بحال رہی ۔ اب پروفیسر صاحب نے رومی قانون کا انگریزی پیٹریا پوٹیسٹا[3] یعنی انگریزی حقوق رشتہ داری سے مقابلہ کیا ۔ انگریزی قانون کی رو سے باپ کو اولاد پر یا عورت پر کوئی سخت

۱۔ Shepherd Bush ۲۔ Chancery Lane

۳۔ Patria Potestas (لاطینی) یعنی رومن باپ کے اپنی اولاد پر حقوق ۔ (مرتب)

حق حاصل نہیں ۔ اولاد کو حقوق مالکانہ حاصل ہیں ۔ خیالات میں آزادی اور ان کی ترویج کا حق ، مالک خانہ کے مقابلے میں شادی کا حق حاصل ہے ۔ بیٹے کے گناہ کا باپ جواب دہ نہیں ۔ رومیوں میں قاعدہ تھا کہ اولاد کے فعل کا جواب دہ عدالت میں مالک خانہ ہوتا تھا ۔ انگریز اولاد کے جرم میں باپ کو اور باپ کے جرم میں اولاد کو ماخوذ نہیں کرتے ۔ رومیوں میں سزائیں قسم قسم کے بے رحمانہ عذاب تھے لیکن انگریز ہر ایک قسم کے قتل میں پھانسی ہی دیتے ہیں ۔ الغرض لیکچر بہت لمبا تھا لیکن میں نے اس کا خلاصہ کر دیا ہے جس طرح کسی نے قصہ یوسف زلیخا کا خلاصہ کیا تھا کہ پیرے بود پورے داشت ، گم کرد بازیافت ۔ لیکچر دو بجے ختم ہوا ۔ میں نے قریب کے ریسٹوران میں جا کر کھانا کھایا ۔

یہ کالج کا کتب خانہ ہے اور یہاں قانون کے متعلق ہر قسم کی کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں ۔ خیر قریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں یہاں کتاب بینی میں مصروف رہا اور چار بجے اوپر ہم سب لوگ لیکچر روم میں داخل ہوئے ۔ اب کے لیکچرار صاحب نے قانون بیع و شرائ ، معاہدہ و ٹھیکہ پر لیکچر دیا ۔ پانچ بجے لیکچر ختم ہوا اور ہم نے اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا ۔ سوا چھ بجے کے بعد میں گھر پہنچا ۔ منہ ہاتھ دھویا اور سات بجے سے پیشتر کھانے کے کمرے میں داخل ہوا ۔ یہاں میرے سوائے چند آدمی اور تھے ۔ ہم سب نے مل کر کھانا کھایا ۔ یہ بھی عرض کرنا بھول گیا ہوں کہ میں نے گذشتہ اتوار کو مکان بدل لیا ہے ۔ اس مکان میں میں نیا ہوں اس لیے ان لوگوں کے حالات سے واقف نہیں ہوں ۔ لیکن یہ سب لوگ خانہ بدوش اور کرایہ دار ہیں ۔ سب کے قبضہ میں ایک ایک کمرہ ہے ۔ بریک فاسٹ اور ڈنر ہم گھر پر کھاتے ہیں ، لنچ شہر میں ۔ یہاں مجھ کو ہفتہ میں کرایہ مکان خوراک وغیرہ کے تین پونڈ دینا ہوتے ہیں باقی روشنی اور دھوبی کا خرچ ہے ۔ یہ میرے ذمہ ہے کیونکہ اس کمرہ میں گیس کی روشنی ہے ۔ یہ کمرہ پانچویں منزل پر ہے بلکہ باورچی خانے کے سمیت چھٹی منزل پر اور اسی لیے یہ کچھ ارزاں ہے کیونکہ دوسری اور تیسری منزل کے کمرے گراں ہوتے ہیں ۔

الغرض آٹھ بجے کھانا ختم ہوا ۔ کھانے پر جو باتیں ہوئیں وہ میرے مذاق کی نہیں تھیں ۔ یہ لوگ اپنے اپنے شغل کی گفتگو کر رہے تھے ۔ اس لیے میں نے گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔ مالک خانہ نے مجھ کو ان لوگوں سے پہلے دن ملا دیا تھا لیکن مجھ کو ان کے نام یاد نہیں رہے ۔ الغرض میں اپنے کمرہ میں کھانے کے بعد چلا گیا ۔ کپڑے بدلے ۔ پہلے آج کے لیکچروں کا خلاصہ لکھنا تھا جو آج دن کو ہمارے پروفیسر صاحب نے دئیے تھے ۔ وہ خلاصہ اس قدر لمبا تھا جس نے تین گھنٹہ لیے ۔ بعد میں کچھ کتاب پر نوٹ لکھے جن پر کل لیکچر ہوگا ۔ قریباً بارہ تھے کہ

سو گیا - اٹھا تو سات بج چکے تھے - دروازہ کے باہر سے گرم پانی لیا - منہ ہاتھ دھویا کپڑے پہنے ، آج یعنی منگل کو لیکچر گیارہ بجے شروع ہونے والا تھا - اس لیے میں نے اپنا کھانا کھایا اور ساڑھے نو بجے گھر سے چل دیا - پونے گیارہ بجے کالج پہنچا - لائبریری میں گیا - وہاں اپنی چیزیں کوٹ اور غیر ضروری کتابیں رکھیں - گیارہ بجے لیکچر روم میں گیا ، آج وہاں فوجداری کے متعلق لیکچر تھا - دوسرے گھنٹہ میں جرم اور اس کی تعزیرات جو کچھ رومیوں کے ہاں بیان ہیں اس پر لیکچر تھا - ایک سے لے کر تین تک چھٹی تھی - لائبریری میں گیا - لیکچرار صاحب کے لیکچر کی نقل کو بغور دیکھا - اس کا کتاب سے مقابلہ کیا - ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا کھایا - تین بجے پھر لیکچر شروع ہوا - اس میں شامل ہوا - وہاں یعنی لیکچر کے وقت زیادہ تر سننے اور قلم سے ہم لوگ کام لیتے ہیں یعنی جو کچھ لیکچرار کی زبان سے نکلا اس کو لکھ لیا - بعد میں گھر آ کر اس کی نقل کر لی کیونکہ لیکچروں میں ہم لوگ پنسل سے کام لیتے ہیں - محنت تو دو دفعہ ہوتی ہے لیکن مضمون خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے - خیر چار بجے لیکچر ختم ہوا[1] ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰

(۱۵)

بقیہ اسماء مہمانان[2]

تھیوڈور[3] موریسن ، سابق پرنسپل علی گڑھ کالج ، پروفیسر جی - ڈبلیو - نبل ، جی - ایچ - ڈول سکور ، ڈاکٹر ہالنز سی - آئی ای ، ایل ایل - ڈی ، کرنل ڈنلاپ سمتھ سی - آئی - ای ستانوے کی قحط سالی میں یہ صاحب راجپوتانہ میں کمشنر قحط تھے -

---

۱- یہ خط ناقص الآخر ہے (مرتب)

۲- اس ناقص الاول خط میں علی گڑھ کالج کے سالانہ ڈنر اور اس موقع پر لیے گئے فوٹو کا تذکرہ ہے - یہ غالباً ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء سے تعلق رکھتا ہے (مرتب) -

۳- تھیوڈور ماریسن دس سال تک علی گڑھ کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد ۲۹-۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو کالج کے پرنسپل ہو گئے تھے اور یکم مارچ ۱۹۰۵ء تک اس عہدے پر فائز رہے - ان کا زمانہ علی گڑھ کالج کا سنہرا دور کہلاتا ہے (مرتب)

ٹونک میں بھی اسی تعلق کی وجہ سے آئے تھے - سر عبیداللہ خاں[1] مرحوم سے اچھی طرح واقف ہیں ، فرانسس ایچ اسکوائر ، سی - ڈبلیو ، وہش[2] اسکوائر - اے - این وولسٹن اسکوائر سی - آئی - اے -

فوٹو گراف میں تمام مندرجہ بالا مہمان اور ممبر شامل ہیں - تصویر کے وسط میں جو صاحب کھڑے ہیں یہ لارڈ رے ہیں جو صدر نشین ہیں - ان کے بائیں ہاتھ کی طرف میجر سید حسن بلگرامی ہیں جو اس ایسوسی ایشن کے آنریری سیکرٹیری ہیں - لارڈ رے کے سیدھے ہاتھ کی طرف جو صاحب بیٹھے ہیں اور جن کی سفید مونچھیں اوروں کی مونچھوں سے امتیاز رکھتی ہیں یہ صاحب کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور مشہور سید امیر علی ہیں - سید امیر علی کے دست راست پر جو صاحب عینک میں نظر آتے ہیں سرکاؤس جی جہانگیر[3] بیرسٹرایٹ لا ہیں اور ان کے دست راست پر جو صاحب فربہ اندام ترکی ٹوپی میں نظر آتے ہیں شمس العلما سید علی بلگرامی صاحب تمدن عرب ہیں - ان کی ترکی ٹوپی تمام حاضرین میں ان کو ممیز کر رہی ہے اور ان کے لباس میں بھی فرق ہے - ان کا کوٹ انگریزی ڈریس سوٹ سے مختلف ہے - سید علی بلگرامی کے دست راست پر کوئی انگریز صاحب ہیں اور ان صاحب کے دست راست پر پنجاب کے مشہور مقرر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر ''مخزن'' و ''آبزرور''

۱- نواب عبیداللہ خان (خلف نواب وزیر الدولہ) نبیرہ نواب امیر خان بانی ریاست ٹونک کے سربر آوردہ افراد میں سے تھے- نواب ابراہیم علی خان جب سنہ ۱۸۶۷ء میں مسند نشین ہوے تو ریاست کا انتظام تین سال تک ایک ریجنسی کونسل کے سپرد رہا جس کے صدر نشین نواب عبیداللہ خاں موصوف تھے - بڑے روشن خیال تھے - اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا - (مرتب)

۲- (آئی - سی - ایس) صوبجات متحدہ کے بڑے نیک نام افسر تھے ریٹائر ہونے کے بعد انگلستان چلے گئے - اردو زبان کے مطالعے کے شائق تھے - ان کا ایک مضمون ''زبان اردو'' کے عنوان سے ''مخزن'' (فروری ۱۹۰۵ء) میں چھپا تھا (مرتب)

۳- بمبئی کی سربرآوردہ شخصیت تھے - ۸ جون ۱۸۵۳ء کو پیدا ہوئے - سنہ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۱ء تک بمبئی کارپوریشن کے رکن رہے - بمبئی امپروومنٹ ٹرسٹ اور کئی دوسری کمپنیوں اور کونسلوں کے ممبر تھے - سنہ ۱۹۳۰ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر ہو گئے - تینوں گول میزکانفرنسوں میں بطور نمائندہ شریک ہوئے - ۲۶ - جولائی ۱۹۳۴ء کو اکیاسی برس کی عمر میں فوت ہوئے (مرتب) -

ہیں ۔ آپ ان کو انگریزی ڈریس سوٹ میں دیکھ کر تعجب کریں گے لیکن ہر شہرے و ہر رسمے کو یاد کیجیے ۔ یہاں کے ڈنر کے لباس کی یہ قطع ہے جس میں تمام حاضرین جلسہ نظر آ رہے ہیں ۔ میری تلاش میں تو آں حضرت کو کوئی مشکل نہیں ہوگی کیونکہ اتنے بڑے جلسے میں بھی میں نے اپنی ہندوستانیت کو جانے نہیں دیا ۔ جس کے سر پر پگڑی دیکھیں سمجھ لیں کہ میں ہوں ۔ دوسرے میں نے انگریزی تقلید کو بھی ضروری نہیں سمجھا جس طرح اور ہندوستانی صاحبان نے کیا ہے ۔ مجھ کو انگریزی فراک کوٹ پسند ہے ۔ وہی فراک کوٹ یہاں پہنے ہوئے ہوں اور سر پر پگڑی باندھ لی ہے اتنے بڑے جلسہ میں ایک میں اور ایک سید علی بلگرامی ہیں جو لباس میں اوروں سے مختلف ہیں ۔ وہ اپنے حیدر آبادی اچکن کی وضع کے کوٹ میں ہیں جو انھی کی ایجاد ہے اور ہمیشہ اسی کوٹ میں نظر آتے ہیں ۔ میرے سر پر جو ایک چھوٹا سا چہرہ نظر آتا ہے یہ صاحب علی گڑھ کے آئندہ پرنسپل ڈبلیو ۔ اے جی ۔ آرچ[1] بولڈ ہیں ۔ یہ عین میرے پس پشت بیٹھے ہوئے ہیں ۔ میرے برابر دست راست پر مسڑ ڈنلاپ سمتھ کمشنر پٹیالہ ہیں جو رخصت پر ولایت آئے ہوئے ہیں اور پھر ہندوستان جانے والے ہیں ۔ ڈنر میں ہماری نشست اس طرح ہے کہ ایک ہندوستانی ، اس کے برابر انگریز ، پھر ہندوستانی پھر انگریز ۔ میرے برابر مسڑ ڈنلاپ سمتھ تھے اور میرے مقابل میز پر ڈاکٹر پالنر سی ۔ آئی ۔ ای ، ایل ۔ ایل ۔ ڈی ہیں ۔ ڈاکٹر پالنر سے میری خوب خوب باتیں ہوئیں ۔ یہ فارسی بھی جانتے ہیں ۔ مجھ سے پوچھا کہاں سے آئے ہو ۔ میں نے کہا راجپوتانہ سے ۔ بولے فارسی جانتے ہو ۔ میں نے کہا ، ہاں ۔ خیر ہم فارسی میں بولنے لگے ۔ بعد میں بولے گجراتی جانتے ہو ۔ میں نے کہا ، سمجھ سکتا ہوں ۔ گجراتی میں بولنے لگے اور میں انگریزی میں جواب دیتا رہا ۔ پھر بولے پنجابی جانتے ہو ۔ میں نے کہا ، ہاں ۔ ہم پنجابی میں بولنے لگے ۔ پھر اردو کی نوبت آئی اور پھر پشتو کی ، پھر بنگالی کی ، پھر مرہٹی کی اور میں نفی میں جواب دیتا رہا ۔ مسڑ ڈنلاپ بولے کہ میں اٹھائیس سال ہندوستان میں رہا ہوں اور افسوس ہے کہ مجھے ہندوستانی بولنا نہیں آتی ۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں حیرت کرتا ہوں کہ اٹھائیس سال تم جس ملک میں رہے اس ملک کی زبان بھی تم کو نہیں آئی ۔ بولے صرف دو جملے مجھ کو آتے ہیں ۔ میں نے کہا ، وہ کیا ۔ بولے ، چھ مہینا کا کیڈ (چھ مہینہ کا قید) یعنی چھ ماہ قید (سزا کا آخری حکم) اور ہم افسوس کرٹا ہے (ہم افسوس کرتا ہے) بجائے میں افسوس کرتا ہوں ۔ انگریزی میں کسی فعل کے نفی میں جواب دینے کے وقت متکلم اخلاقاً تمہیداً یہ جملہ کہتا ہے کہ میں افسوس کرتا ہوں کہ

---

۱ - یہ صاحب ۱۶ - اکتوبر ۱۹۰۵ء سے ۳۱ - اکتوبر ۱۹۰۹ء تک علی گڑھ کالج کے پرنسپل رہے (مرتب)

یہ کام میں نہیں کر سکتا ۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ اگر آپ کی اس اردو زبان دانی سے کوئی شخص آپ کی اخلاقی حالت کا موازنہ کرنا چاہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ خدا جانے کس قدر مذموم نتیجہ نکلے ۔ آپ کا پہلا کلمہ ہے کہ میں افسوس کرتا ہوں ، اس کے بعد ضرور ہے کہ آپ نے نفی میں جواب دیا ہو اور دوسرا جملہ ہے چھ مہینے کا قید یعنی اس پر بھی باز نہیں آئے تو آپ نے چھ مہینے کا حکم دیا ۔ مسٹر ڈنلاپ سمٹھ ہنس پڑے اور بولے ''یو وکڈ ہوائے'' تم شریر النفس لڑکے یعنی نالائق آدمی ۔ یہ ایک مذاق کا کلمہ ہے جو مخاطب اپنی خوشی کے اظہار پر متکلم کو کہتا ہے ۔ ڈاکٹر پالنر نے مسٹر ڈنلاپ سے کہا ، میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے اپنے اٹھائیس سال صرف لوگوں کو چھ مہینہ قید بھیجنے میں صرف کیے ۔ میں نے کہا ، میں امید کرتا ہوں کہ اپنے باقی ایام ہندوستان میں یہ اپنے کو کارآمد ثابت کریں گے ۔ تب مسٹر ڈنلاپ بولے ، نہیں مجھے اور بھی کئی جملے آتے ہیں مثلاً 'سلام صاحب' ''ہم صاحب ہوا خوری کو جاوے گا'' ۔

میں خیال کرتا ہوں کہ میں اس جلسہ کے متعلق کافی لکھ چکا ہوں اس لیے عریضہ کو ختم کرتا ہوں ۔

راقم

اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی　　خدمت ما برسان سرو و گل و ریحاں را

محمود شیرانی منشی فاضل

(۱۶)

Suffolk House
Brunswick Sq.
Herne Bay

ہرن بے ۔ اگست ۳ سنہ ۱۹۰۵ ۔ یوم پنج شنبہ

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ فی الجملہ خیریت سے ہوں ۔ نوازش نامۂ عالی مورخہ ۱۱ ۔ جولائی مجھ کو کل دو اگست یوم چہار شنبہ کو موصول ہوا جس کے پڑھنے سے مجھ کو بے انتہا خوشی ہوئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو میری تحریر پر یقین آنے لگا ۔ یہ ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ میں نے جو آپ کو اتنے صرف زر کثیر کے نیچے ڈالا ہے صرف تعلیم اور اپنے اور اپنے خاندان کی بہبودی کی خاطر ۔ اس امر سے میں کسی وقت بے خبر نہیں ہوں ۔ خدا وہ دن

جلد دکھائے کہ میں آپ کے سامنے سرخ رو ہوں اور جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر دکھاؤں ۔ لالہ سورج نرائن صاحب اور میں ایک ہی کالج میں ہیں لیکن جداگانہ کلاسوں میں ۔ میں اور وہ پہلے ایک ہی درجہ میں تھے یعنی وہ بھی رومن لاء کلاس میں تھے اور میں بھی ۔ لیکن جون میں وہ رومن لاء امتحان میں شریک ہو کر فیل ہو گئے اس لیے اب وہ کریمنل لاء یعنی قانون فوج داری کی جماعت میں لیکچر سنتے ہیں اور میں رومن لاء میں ۔ سورج صاحب کا رومن لاء طیار ہے ۔ فیل ہو گئے تو کچھ مضائقہ نہیں ۔ آئندہ وہ رومن لاء اور فوج داری کے امتحان میں ایک ساتھ شریک ہو جائیں گے ۔ سورج صاحب رومن لاء میں کیوں فیل ہو گئے ۔ نہ اس لیے کہ ان کی لیاقت میں کمی تھی ۔ نہیں ان کی انگریزی لیاقت بہت اچھی ہے مگر ان کے فیل ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انھوں نے لاطینی اصطلاحوں کو یاد نہیں کیا اور یہی وجہ شیخ عبدالقادر صاحب کے فیل ہونے کی ہے ۔ انھوں نے بھی لاطینی اصطلاحوں کو سرسری خیال کیا اور پرچہ امتحان کا تمام لاطینی اصطلاحوں سے پر تھا ۔ نتیجہ یہ کہ دونوں صاحب فیل ہو گئے ۔ شیخ صاحب کو لندن آئے ہوئے اب تیسرا سال شروع ہونے والا ہے ۔ انگریزی دانی کے لیے عام معلومات کا ہونا ضروری ہے جو وقت پر منحصر ہے ۔ لیکن قانون کے لیے قانونی اصطلاحات ، تعریفات اور تشریحات کا جاننا ضروری ہے ۔ سو انگریزی دانی میں یہ دونوں صاحب مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن قانون میں شاید ہم سب برابر ہوں ۔ بیماری نے میرا یہ حرج کیا کہ میں اگر بیمار نہ ہوتا تو شاید شیخ صاحب اور سورج صاحب کے ہمراہ ہی شریک ہو جاتا لیکن بیماری کی وجہ سے میں شریک نہ ہو سکا اور جو کچھ تیاری بیماری سے پیشتر میں نے کی تھی، سب رائیگاں گئی ۔ اب تمام از سر نو شروع کرنا پڑا ۔ لیکن آپ کو میری طرف سے کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے ۔ میں انٹرنس پاس ہوں تو کیا ہوا ، نتیجہ انہی تین سالوں میں انہی لوگوں کے برابر کر دکھاؤں گا اور اپنی انگریزی میں خامی کو بھی پورا کر لوں گا ۔ والنٹیری کا خیال میں نے چھوڑ دیا ہے ۔ رہا فری میسن کا معاملہ جس کو میں ضروری خیال کرتا ہوں لیکن آپ کی شرط عجیب سخت ہے ۔ اس صورت میں شاید میں اس میں داخل نہ ہو سکوں ۔ میرے کانوں کے متعلق میں نہیں سمجھتا کیا لکھوں ۔ زخم کے مقام پر کبھی خارش رہتی ہے کبھی کانوں کے اندر درد رہتا ہے ۔ شاید یہ مرض ہمیشہ کے لیے رہے ۔ لیکن میری یہ خواہش ہے کہ میں ولایت میں آئندہ بیمار نہ ہوؤں ۔ بلا سے جو کچھ ہو ہندوستان میں ہو ۔ نہ میں خارش کی پروا کرتا ہوں اور نہ درد کی ۔ جہاں ذرا سا پانی کانوں میں گیا ، درد شروع ہو گیا ۔ خدا جانے کانوں کے پردے ضعیف ہو گئے یا کیا ۔ لیکن ان خفیف امور کی میں پرواہ نہیں کرتا ۔ زخموں کے مقام پر قوت

محسوسہ نے ابھی تک عود نہیں کیا ہے - ہمارے کالج کے قریباً آٹھ لیکچرار ہیں اور یہ لیکچرار میعادی ہیں - بعض تین سال کے لیے ، بعض پانچ سال کے لیے اور بعض صرف ایک سال کے لیے - وہ لوگ لیکچرار مقرر ہوتے ہیں جن کو قانونی انجمن مقرر کرتی ہے - ان کی تقرری کی شرائط سے میں لاعلم ہوں لیکن یہ ان کی قانونی خدمات پر منحصر ہے اور قانونی قابلیت پر - ان کی تنخواہیں بلکہ وظیفہ بھی مختلف ہے - بعض کے سالانہ پانسو پونڈ ، سات سو پونڈ ، آٹھ سو پونڈ ہیں - میعاد کے ختم ہونے پر ان کی بجائے نئے لیکچرار آ جاتے ہیں - ہمارے تمام لیکچرار بیرسٹرایٹ‌لاء ہیں - بعض ان میں سے جج ہیں ، چیف جسٹس ہیں اور بعض ممبر آف پاؤس آف کامنز اور بعض ممبر ہاؤس آف لارڈز -

میں نے گذشتہ جمعہ کو فاکسٹن کو الواع کہا - اب میں یہاں ہرن ے میں ہوں - سینچر کی شب کو میں یہاں پہنچا - سنیچر کے دن مسٹر گاتھرے آ گئے - ہم دونوں نے شرکت میں ایک کمرہ لے لیا ہے جس میں کفایت ہے - پانچ پونڈ ہفتہ وار میں کھانا ، کمرہ ، روشنی ، غسل خانہ وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں ، جس میں ڈھائی پونڈ مجھ کو دینا ہوتے ہیں اور ڈھائی پونڈ مسٹر گاتھرے کو - سنیچر کو مہینہ برس رہا تھا اس لیے ہم لوگ باہر نہیں گئے - اتوار کو انگریزوں کا گرجا کا دن تھا - میں بھی مسٹر گاتھرے کے ہمراہ گرجا گیا - پیر کو ہم لوگ باہر کنٹری میں پھرنے گئے - تمام ولایت سرسبز اور شاداب ہے - سبزہ جو ہم ہندوستان میں صرف برسات میں دیکھتے ہیں یہاں بارہ مہینہ ہے لیکن لندن میں یہ لطف نہیں ہے جو اس کنٹری کی سیر میں آتا ہے - تمام صحرا ایک باغ معلوم ہوتا ہے - خود رو جنگل افراط سے ہیں اور ہمارے جنگلوں کی طرح یہاں کوئی جنگل نہیں بلکہ یہاں کا جنگل ہمارے باغات کے مطابق ہے - منگل کو ہم کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں گئے - مسٹر گاتھرے اچھے خاصے ملاح ہیں - دو شلنگ میں ہم نے کشتی لی - مسٹر گاتھرے کھیتے رہے - پھر میں نے بھی ڈانڈ مارنا سیکھا - کل ہم پھر سمندر کی سیر کو گئے - کل میں برابر دو گھنٹے تک دونوں چپوؤں سے کشتی کھیتا رہا - ایک سبق میں میں بالکل کشتی کھینا سیکھ جاؤں گا - آج پھر دریا پر جانے کا ارادہ تھا لیکن صبح سے مہینہ برس رہا ہے - سو آج ہم لوگ دن بھر گھر ہی میں رہیں گے - میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور میرے سامنے مسٹر گاتھرے بیٹھے ہوئے اپنی ڈاک لکھ رہے ہیں اور بار بار مجھے کہتے ہیں واٹ اے ٹربلسم لانگ لیٹر یو آر رائٹنگ» غضب کا لمبا خط لکھ رہے ہو - میں جواب دیتا ہوں ، یہ میں اپنے وطن اپنے والد کو لکھ رہا ہوں - مسٹر گاتھرے اپنے دوستوں کو اس قصبہ کی عمارات اور منظر کے چھپے ہوئے پوسٹ کارڈ بھیج رہے

ہیں ۔ میں بھی آپ کو بھیجوں گا ۔ چار سے آٹھ بجے تک ہم لوگ باہر سیر کے لیے جاتے ہیں اور دس سے چار تک ہم لوگ گھر میں رہتے ہیں ۔ جب تک مسٹر گاتھرے میرے ہمراہ ہیں ، میں نے اپنی قانونی کاپی کی لکھائی موقوف کر دی ہے ۔ اس کی بجائے ایک انگریزی علم انشا کی کتاب دیکھ رہا ہوں جو مسٹر گاتھرے نے نہایت مہربانی سے مجھ کو دی ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ میں میں مسٹر گاتھرے سے مدد لیتا ہوں ۔ اس کتاب میں زیادہ تر انگریزی علم کلام و معانی سے بحث کی گئی ہے ۔ میں قریباً ایک دو ہفتہ تک یہاں ہوں ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو دعا ۔

فقط

محمود

(۱۷)

Kensington

London

لندن ۱۱ ۔ اگست سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

قبل ازیں ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں جس میں علی گڑھ کالج ایسوسی ایشن ڈنر کی بابت کچھ عرض کیا ہے ۔ آپ جن جن اصحاب کو مناسب سمجھیں وہ مضمون دکھاویں ۔ میرا ارادہ برن بے میں زیادہ دنوں ٹھہرنے کا تھا لیکن وہاں اس قدر موسم خراب رہا کہ ٹھہرنا فضول تھا ۔ اگست طوفان کا مہینہ ہے اس لیے میں اور مسٹر گاتھرے گذشتہ اتوار کو یہاں آ گئے ہیں ۔ اب میں لندن میں ہوں اور شاید کہیں نہ جاؤں ۔

نوازش نامہ جو گذشتہ ہفتہ کو موصول ہوا اس میں کوئی نئی بات تحریر نہیں ہے ۔ والنٹیری کی بابت آپ اجازت دیتے ہیں لیکن میں گذارش کر چکا ہوں کہ میں نے اس کا خیال چھوڑ دیا ہے ۔ اس میں ہفتہ کی تین بار کی حاضری کی پابندی بری ہے ۔ اور میں جب کہ قانون میں داخل ہوں ، ممکن ہے کہ بعض وقت ایسا آوے کہ ایک ہی وقت میں دونوں مقام پر میری حاضری ضروری ہو ۔ دوسرے یہاں یعنی والنٹیری میں محنت اور جفا کشی پوری پوری ہے ۔ وردی پہننا ، پورا سپاہی بننا ، بندوق اٹھانا اور صبح ہی صبح قواعد کے لیے جانا ، نشانہ بازی ، دوڑ دھوپ ۔ مطلب یہ کہ ہے مشکل ۔ اگر تمام باتیں کر سکوں تو کیا کہنا لیکن مشکل ہے ۔

اس لیے میں والنیٹری کو تو خیر باد کہتا ہوں ۔ رہا فری میسن کا معاملہ ، یہ صحیح ہے آسان ہے ۔ اس کا اثر بہت معنی خیز اور پائیدار ہے ۔ اس کی ہمدردی ہندوستان اور انگلستان ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام حصہ پر اس کا اثر ہے ۔ اس کا ممبر کبھی بھوکا نہیں رہے گا اور اس لیے غریب اس میں شامل نہیں ہو سکتا ۔ اس کا اثر ہندوستان میں بھی اس قدر مضبوط ہے کہ کالے اور گورے کے حقوق کو اس میں ایک نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ ہندوستانی اور انگریز برابر ہیں ۔ سب میں بڑی وجہ اس کے مفید ہونے کی یہ ہے کہ انگریز ہندوستانی سے وہی سلوک کرے گا جو انگریز سے کرے گا ۔ انہی حقوق کو تمام ہندوستانی رونے ہیں ۔ ہندوستانی بے وقوف ہیں جو اس میں شامل ہونے سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب جاتا رہے گا ۔ ہندوستان میں انگریزوں کے فری میسن کے اشاعت پانے سے یہ ایک راز ہے جو ہندوستان میں انگریزی حکومت کو اندرونی طور پر مضبوط کر رہا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک خفیہ جماعت ہے اور اس کے مقاصد دنیا میں ہم خیالی اور ہمدردی پھیلانا ہیں ۔ قدیم تاریخ میں اس قسم کی بہت مثالیں ملیں گی جس میں قوموں نے اپنی خفیہ جماعتیں قائم کر کے زبردست سلطنتوں کو برباد کر دیا ہے ۔ عرب میں اسی قسم کی جماعت نے دولت بنو امیہ کا خاتمہ کیا ۔ مصر میں خلفائے عباسی نے اسی قسم کا پہلو اختیار کیا ۔ اس وقت دنیا اخلاق اصولوں میں خام تھی ۔ سو اس قسم کی جماعتوں اور خفیہ کوششوں کے اثر کا استعمال صرف سلطنتوں کی بربادی میں کیا جاتا تھا ۔ لیکن اب دنیا شائستہ ہے اور اس خفیہ اثر سے مفید نتائج حاصل کیے جاتے ہیں خواہ وہ ملکی ہوں یا قومی ۔ اس زمانے میں روس میں اسی قسم کی ایک جماعت جو حکمران حال خاندان کے خلاف ہے ۔ یہ جماعت نہلسٹ کہلاتی ہے لیکن اس کی طاقت کا اور اثر کا آپ اس سے اندازہ کر لیں کہ روس جیسی طاقت ور سلطنت اس جماعت کا کچھ نہیں کرتی اور روس میں جس قدر فساد اور سرکشیاں آپ سنتے ہیں اس کے موجد نہلسٹ ہیں اور ایک زمانہ آوے گا (جو شاید نہایت ہی قریب ہے) جب کہ روس جیسی قومی سلطنت کو ۔ یہی نہلسٹ برباد کر دیں گے ۔ خیر یہ تو اس خفیہ اثر کی بری مثال ہے ۔ فری میسن کو نہلزم یعنی نہلسٹ فرقہ سے کو تعلق نہیں اور نہ کوئی مشابہت ۔ لیکن ان کے اصول ایک ہی بنیاد پر ہیں اس لیے کچھ مشابہت دے سکتے ہیں ۔ جماعت فری میسن ایک روشن جماعت اور نہایت ہی شائستہ فرقہ ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ تمام اغراض ہمدردی اور بہتری پر مبنی ہیں ۔ اس کے خواہ کچھ ہی قانون ہوں لیکن وہ خفیہ ہیں ۔ ان میں کچھ علامتیں ہیں جن سے ایک ممبر دوسرے ممبر کو پہچان سکتا ہے ۔ میں اس میں داخلہ کو ضروری سمجھتا ہوں ۔ لیکن نہ اس شرط پر جو

آپ نے پیش کی ۔

میں ان دنوں قانون ، علم انشا دونوں کا مطالعہ کر رہا ہوں ۔ قانون تو ہے ہی ۔ رہا علم انشا ، سو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے ۔ میرا کوئی وقت بے کار نہیں ہے اور میں جانتا ہوں جس قدر مجھ کو کرنا ہے ۔ اگر مشہود کو آپ یہاں بھیج دیں تو کیا اچھا ہو ۔ ہوا کہتی ہیں کہ میں موٹا ہوں یا دبلا ۔ میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ نہ دبلا ہوں اور نہ موٹا ۔ جس طرح تھا اسی طرح ہوں ۔ باقی سب طرح خیریت ہے ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم مقصود خان مشہود خان کو پیار ۔ خط آپ مودود خان سے لکھوادیں تو بہتر ہے ۔ ان کی مشق ہوتی رہے گی ۔ اس لفافے کے ساتھ ہی ایک لفافہ اور ایک پارسل فوٹو کا بھیجتا ہوں ۔ فقط

محمود شیرانی

(۱۸)

۲۹ ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء

لندن

قبلہ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

میرے اوقات اشغال تعلیم میں بسر ہو رہے ہیں ، قانون حسب معمول میں ۴ ۔ اکتوبر آئندہ کو جس کو صرف پانچ چھ روز باقی ہیں ، مجھ کو لندن میں آئے پورا ایک سال ہو جائے گا ۔ کیونکہ میں ۴ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں لندن پہنچا تھا ۔ اس عرصہ میں میں نے کیا کیا ۔ بظاہر کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کو میں مثال میں یہاں پیش کروں ۔ چار ماہ بیماری میں گزرے ۔ باقی رہے آٹھ مہینے ، ان مہینوں میں میں نے کیا کیا ۔ گو میں موجودہ صورت میں سوائے الفاظ کے اور کسی ذریعہ سے آپ کو یقین نہیں دلا سکتا لیکن مطمئن ہوں کہ میں نے بہت کچھ کر لیا ہے ۔ میں نے اس قدر کیا ہے جس کی میں خود امید نہیں کر سکتا تھا ۔ سب سے بڑا کام جو میں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ انگریزی میں میں اچھا ہو گیا ہوں ، ایک عرصہ سے جس کا مجھ کو اشتیاق تھا ۔ میرے لندن کی زندگی کے دو سال اور باقی ہیں ۔ اس عرصہ میں اسی طرح اگر چلتا رہا تو بہت اچھا ہو جاؤں گا ۔ میرا رومن لاء اچھا تیار ہے ۔ اکتوبر شروع ہونے پر جب کالج کھلے گا ، کریمنل لاء (قانون فوجداری) کے لیکچر سنوں گا ۔ میں امتحان میں اس سال شریک نہیں ہوں گا ۔ اول تو امتحانات مشکل ہیں لیکن اگر مضمون تیار ہیں تو بھی مجھ کو ابھی انگریزی طرز تحریر کی مشق باقی ہے اور اس مضمون میں خام ہوں ۔ کتاب اور کتاب کا مضمون تیار ہے لیکن امتحان کے وقت مضمون کو لکھنا ، ممتحن اس کا بھی بہت خیال کرتے ہیں ۔ انگریز تو خیر انگریز ہیں لیکن دوسرے ممالک کے طلبا طرز تحریر نہ

جاننے کی وجہ سے اکثر فیل ہوتے ہیں ۔ اس لیے تاوقتیکہ میں تحریر پر پورا ملکہ پورا نہ کروں گا ، امتحانات میں شریک نہیں ہوں گا ۔ اس کے لیے مشق اور وقت درکار ہے ۔ میں اپنے قانون کے مضامین تیار کرتا جا رہا ہوں اور ساتھ ہی تحریر کا ملکہ سیکھ رہا ہوں ۔ بہر حال انھی باقی دونوں سالوں میں میں انشاءاللہ چاروں امتحان پاس کر لوں گا ۔ مجھ کو قطعی امید ہے ۔ تحریر کے لیے میں نے علم انشا شروع کیا ہے اور نظم بھی دیکھ رہا ہوں ۔ مطلب یہ ہے کہ انشا پردازی او تمام زبان دانی حاصل ہو ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انھی دو سال میں میں اپنے تمام امتحانات پاس کر لوں گا ۔ اس وقت میں قانون کے علاوہ لارڈ ٹینی سن اور لانگ فیلو دیکھ رہا ہوں ۔ میرا مضمون ''وکٹوریہ البرٹ میوزیم'' پورا ہو چکا ہے لیکن اس کا صاف کرنا باقی ہے ۔ جلسہ کی تصویر امید ہے کہ اس وقت تک آپ کی خدمت میں پہنچ گئی ہوگی ۔ پارسل خطوط کی بہ نسبت دیر میں پہنچتے ہیں ۔ پنڈت سکھ دیو پرشاد کا لڑکا اور ان کا سالا یہاں بغرض تعلیم آئے ہوئے ہیں ۔ مجھ کو ایک خط جودھ پور سے معلوم ہوا ۔ میرا پتہ ان کے پاس ہے جو جودھ پور سے حسنات احمد نے ان کو دیا تھا ۔ وہ اگر مجھ کو ملیں گے تو ملوں گا ورنہ میں اتنا وقت نہیں رکھتا کہ خود جا سکوں ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خان کو پیار ۔

فقط

محمود

(۱۹)

۲۹ ۔ ستمبر[1] سنہ ۱۹۰۵ء

لندن

قبلہ گاہی مدظلہ العالی[2]

تسلیمات فدویانہ کے بعد گزارش پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت ہوں

۱- ۲۹ ۔ ستمبر ۱۹۰۵ء کا تحریر کردہ یہ دوسرا خط ہے ۔ پہلا خط وہ روانہ کر چکے ہوں گے کہ والد کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں علالت اور پریشانیوں کا تذکرہ تھا اس کے جواب میں یہ خط قلمی ہوا ۔ (مرتب)

۲- اس خط کے ایک کونے پر یہ سطور اضافہ کی گئی ہیں :

''مشہود کے بارے میں جو میں یہاں آنے کے لیے لکھتا ہوں اس میں کسی قدر میں بھی خود غرض ہوں کہ مشہود میرے پاس رہے کیونکہ سب سے زیادہ میں اس کو چاہتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کو اور ہوا کو کس قدر پیارا ہے ۔ آپ کیسے اس کی جدائی منظور کرنے لگے ۔ مجھے سب بھائیوں میں مشہود عزیز ہے ۔ کہو مشہود کبھی بابو دادا بھی یاد آتا ہے یا بھول گئے ہو'' ۔

اور آن حضرت کی صحت و تندرستی کا دعا گو ۔ نوازش نامہ عالی شرف صدور لایا ۔ جناب کی علالت کے سبب سے سخت تشویش ہوئی ۔ آپ کے ضعف کا زمانہ ہے ۔ مرض ضعیفی ہر وقت دامن گیر ہے ۔ خدا ہم سب کی شرم رکھے اور آپ کو جملہ امراض سے شفا بخشے ۔ میں آپ کے مزاج سے واقف ہوں ۔ آپ بیماری کی ابتدا میں ذرا بھی پروا نہیں کرتے اور مرض کو بڑھنے دیتے ہیں ۔ خدا کے فضل سے آپ کے قویٰ مضبوط ہیں اگر آپ اپنے امراض کی وقت سے پہلے خبر لیں اور علاج واقعہ قبل از وقوع پر عمل کریں تو میں یقین کرتا ہوں کہ آپ بہت سے امراض سے نجات پا سکتے ہیں ۔ لیکن آپ کا اصول ، آخر وقت میں معالجہ ضعف کو غلبہ کا موقعہ دیتا ہے اور یہ ضعف ہزار بیماریوں کا گھر ہے ۔

میں آپ کی مشکلات پر جب نظر کرتا ہوں تو مجھ کو پتہ لگتا ہے کہ آپ کی زندگی کیسی کٹھن زندگی ہے ۔ اولاد نالائق ۔ سات میں سے ایک بھی لائق نہیں ۔ مودود اور مقصود فرار ہیں اور ہوا نصف بیمار ہیں ، ادھر خود آپ مرض کا شکار ہیں ۔ اپنا غم ، گھر کا غم ، اولاد کا غم ، کوئی امر موجب تسلی نہیں ۔ ادھر ضعف اور انحطاط کا زمانہ ہے ۔ خدا جانے کس قدر تلخیوں سے آپ کو مقابلہ کرنا ہرتا ہے ۔ ہم لوگ ناآزمودہ کار ہیں ، آپ کے جذبات کو محسوس نہیں کرتے لیکن جب ہم اس تلخی کے احساس کو سمجھنے لگیں گے وہ زمانہ بعد از وقت ہوگا ۔ لیکن آپ حکیم دانا ہیں مصائب اور تکالیف ہر شخص پر آتی ہیں ۔ آپ پر بھی آئیں اور آپ نے ان کا مقابلہ جواں مردی اور استقلال سے کیا ۔ لیکن یہ زمانہ وہ زمانہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ استقلال ۔ آپ پر ضعف روز افزوں غالب ہوتا جاتا ہے ۔ اس لیے آپ کا وہی اصول جو راہ زندگی میں دس برس پیشتر کارآمد ثابت ہوا تھا ، اس وقت وہ چنداں مفید نہیں ہے ۔ زمانہ بدل گیا ہے اور زمانے کے ساتھ ہی آپ بھی بدل رہے ہیں ۔ پھر اپنے اصول کو کیوں نہ بدلیں ۔ اس لیے میں آپ سے با ادب ملتمس ہوں کہ آپ ان بہت سے خارجی امور کو ، جو آپ کی ذات پر غم فراواں مستولی کر رہے ہیں ، ناآشنائی اور بے پروائی کی نگاہ سے دیکھیں ۔ بہت سے غم ہیں جو غیر ضروری ہیں لیکن وہ آپ کی خوشیوں کے سد راہ بھی ہیں اور آپ ان کے دفع کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں ۔ دنیا میں آپ کا بہت زمانہ گذر چکا ہے تھوڑا باقی ہے ۔ اس لیے آپ اس تھوڑے وقت کی قدر کیجیے اور اس کو اس طور سے گذاریے کہ وہ زمانہ خوشی میں کٹ جاوے :

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

یہ اگرچہ شاعرانہ قول ہے لیکن انسانی زندگی بسر کرنے کا ایک فلسفیانہ طریقہ

سکھا رہا ہے ۔ آپ اس پر کاربند ہوجئے ، اور اپنے رنج کے گھنٹوں کو خوشی میں بسر کیجیے ۔ رنج کو رنج اور خوشی کو خوشی تصور کرنا ، یہ انسانی زندگی کا اول درجہ ہے ۔ لیکن آپ اس درجہ کو چھوڑ دیجیے ۔ اس سے بہتر طریق زندگی کو لیجیے جس میں رنج اور خوشی یکساں ہیں ۔ آپ بھی ان عالی ہمم اشخاص میں شامل ہو جائیں جن کے نزدیک نہ رنج رنج ہے اور نہ خوشی خوشی ہے ۔ یہ عالی ظرف دونوں کو یکساں نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ وہ انسان اور ان کے جذبات کے راز سے واقف ہیں اور ان کی بلند نگاہوں میں جذبات موافق اور ناموافق ایک درجہ رکھتے ہیں ۔ غموں کی تلخیاں بھی ان کو وہی لذت دیتی ہیں جو خوشی سے توقع کی جا سکتی ہے ۔ آپ دانشمند ہیں ۔ اپنے غموں کو ، جن کو آپ غم کہتے ہیں ، خوشی کیوں نہیں تصور کرتے ۔ خوشی میں اگر ذائقہ ہے تو رنج بھی اپنی لذت سے خالی نہیں :

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی ، نغمۂ شادی نہ سہی

حقیقت میں رنج اور خوشی کیا ہیں ۔ یہ دو متضاد کیفیات ہیں جو امور متوقعہ کا نتیجہ ہیں ۔ امور متوقعہ میں کامیابی کو ہم خوشی کہتے ہیں اور ناکامی کو رنج ۔ توقع اور امید حقیقت میں کیفیت نامعلوم کا عکس [ہے] جس کو تخیل میں ہم فرض کرتے ہیں ۔ کیفیت نامعلوم کے عکس اتارنے میں ہم اکثر غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی ہم صرف اس پہلو کو اختیار کرتے ہیں جس میں ہماری دلچسپی ہے ۔ دوسرے پہلو کو جو خلاف طبع ہے فراموش کر دیا جاتا ہے ۔ لیکن جب کیفیات نامعلوم کا ظہور واقعات کی صورت اختیار کرتا ہے اور اس کی صورت اگر ہماری دلچسپی کے مطابق ہے تو ہم کامیاب ہیں اور خوش ۔ لیکن جب وہ خلاف طبع ہوتا ہے تو ہم ناخوش ہوتے ہیں اور یہ ہماری غلطی ہے ۔ واقعات نامعلوم کے انتظار کی صورت میں ہمیں دونوں پہلوؤں نفی اور اثبات کا خیال رکھنا چاہیے ۔ پھر واقعات خواہ کوئی سا پہلو اختیار کریں ہمیں اس سے دل شکستہ نہیں ہونا ہے اور نہ خوش ۔ شاعر اسی قول کی تائید کر رہا ہے :

ز رنج و راحت گیتی مرنجان دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چنین گاہے چناں باشد

آپ ان مسافروں میں سے ہیں جو دنیا سے جلد بچھڑنے والے ہیں ۔ یہ دور دور آخر ہے اور یہ بہار آخری بہار ہے ۔ ایسے وقت میں فضول امور میں دلچسپی لینا خلاف حقیقت ہے ۔ اولاد اور ان کے مآل کے غم کو بھول جائیے ۔ یہ طول امل ہے ۔ یہ ان کا کام

ہے - چاہے سنواریں اور چاہے بگاڑیں - آپ کا ان کا تعلق مجاز ہے ، نہ حقیقت - مجاز کو چھوڑئیے حقیقت لیجیے - بہت سے غیر ضروری اسباب ہیں جو حقیقت سے زیادہ آپ کو رنج پہنچا رہے ہیں اور فی الحقیقت وہ غیر ضروری ہیں :

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب معاش
آنچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

میں اسباب معاش میں انسانی اندورنی جذبات کو بھی شامل کرتا ہوں - یہ کتاب زندگی ، جو آپ کے سامنے ہے ، بہت جلد ختم ہونے والی ہے - برائے خدا جو کچھ باقی ہے اس کے مطالعہ کی داد دیجیے - اس کو اس طرح پڑھیے جس سے آپ کے مزاج کو آزردگی حاصل نہ ہو بلکہ خوشی - یہ آخری بہار ہے - اسی بہار میں آپ سے جو پھول چنے جاویں چن لیجیے - اگلی بہار میں خدا جانے آپ کہاں ہوں - میری یہ امید کہ اولاد اس قابل ہو کہ آپ کو عیش دکھاوے ، گو میری دعا ہے کہ خدا اس کو پورا کرے ، لیکن امر موہوم ہے - بظاہر یہ خوش نصیب زمانہ ہماری قسمتوں میں نہیں کہ ہم آپ کو عیش دکھاویں - لیکن میں ناامید نہیں ہوں - خدا آپ کو صد و سی سال کی عمر عطا کرے - وہ دن آوے گا - ہم پھولیں گے پھلیں گے اور ہمارے لیے آپ نے جو جو خوشیاں قربان کی ہیں ان کا شکر کریں گے - ہم ہمیشہ اسی طرح ناسمجھ اور طفلانہ مزاج نہیں ہوں گے - ایک دن آوے گا کہ ہم آپ کی قدر کریں گے خدا وہ دن کرے کہ آپ اس وقت ہمارے سروں پر قائم ہوں - ہم اس وقت اگرچہ کہنے کو جوان ہیں لیکن فی الحقیقت نادان ہیں - خدا آپ کو جملہ آفات سے محفوظ رکھے اور جملہ امراض سے تندرستی بخشے -

فقط

محمود

(۲۰)

لندن

۶ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ دینی و کعبۂ دنیوی دام مجدکم

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گزارش پرداز ہوں کہ میں ہر نوع قرین خیریت ہوں اور آں حضرت کی خیریت اور صحت کا دعا گو - خداوند کریم اپنے حبیب کے طفیل سے آپ کو صحت کامل عطا فرماوے -

آں حضرت کی موجودہ بیماری سے میں سخت متوحش ہوں - میرا حوصلہ پریشان

اور خیالات پست ہوتے ہیں ۔ خدا جانے تقدیر میں کیا ہے ۔ خدا جانے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوؤں یا نہیں ۔ آپ کے ضعف کا زمانہ ۔ ایک چھوڑ دو دو تین تین بیماریاں موجود ۔ گھر کی طرف سے علیحدہ پریشانی ۔ یہ چیزیں مجھ کو مایوس کر رہی ہیں ۔ غیب کا علم عالم الغیب جانتا ہے ۔ تقدیر کے اکھے سے کون واقف ہے ۔ اللہ پاک آپ کو صحت کامل و شفائے عاجل عطا فرماوے اور تمام آفات سے امن میں رکھے ۔

آج ٦ ۔ اکتوبر ہے ۔ ١٢ ماہ حال کو کالج کھلے گا اور ایکچر شروع ہوں گے ۔ تب میں سارا دن کالج میں حسب معمول گزارا کروں گا ۔ بھائیوں کی فرمائش کے متعلق جب کبھی میں ان کی تعمیل کرنا چاہوں گا آپ سے اجازت لے لیا کروں گا ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی فرمائش پوری کرنے کے اب تک قابل نہیں ہوں ۔

آپ خدا کے واسطے علاج معالجہ سے غفلت نہ کریں اور سب سے زیادہ اپنے رنجوں اور فکروں کے دور کرنے کی کوشش کریں اور تمام امور کو خدا اور اس کی مشیت پر چھوڑ دیں ۔ خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے ۔ وہی ہمیں برکت اور عزت دے گا آپ خدا کا شکر کریں ۔ اس نے آپ کو اس قدر توفیق دی کہ اپ نے اپنے فرض سے زیادہ خبر گیری کی اور کر رہے ہیں ۔ ہم اگر ناشکر گزار اور نالائق ہیں تو کیا ہوا ۔ آپ کی نیک نیتی میں تو کچھ شک نہیں ۔ ہم اگر نالائق ہیں تو اس لیے کہ ہم دور اندیش نہیں ۔ لیکن ہم ہمیشہ یوں ہی نہیں رہیں گے ۔ یہ تمیز ہم میں آوے گی اور جلد آوے گی اور ہم آپ کے احسان پہچانیں گے اور آپ کا شکریہ ادا کریں گے :

عمرت دراز باد کہ تا دور مشتری
ما از تو بر خوریم و تو از عمر برخوری

میں اگر چند سطور اپنے خط میں لکھ دیتا ہوں جو ایک طرح سے سؤ ادبی کا پہلو لیے ہوئے ہوتی ہیں ، میں امید کرتا ہوں کہ آں حضرت ان کو میری بے ادبی پر محمول نہیں فرمائیں گے ۔ میں اگر عملاً آپ کی دل جوئی کرنے کے ناقابل ہوں تو قولاً مجھ کو خاموش نہیں رہنا چاہیے ۔ اگر سپاس گزاری کے ناقابل ہوں تو اس کے جذبات تو ضرور مجھ کو ظاہر کرنے چاہیں ۔ جن کو میں بعض اوقات خیالات کی صورت میں قلم بند کرتا ہوں اور اگر ان کے اظہار میں جسارت کا مرتکب ہوں تو بزرگانہ معافی کا امید وار ہوں ۔

میرے حالات بدستور ہیں ۔ اپنی تعلیم میں شبانہ روز مصروف ہوں ۔ انشا ، قانون اور نظم برابر چل رہے ہیں ۔ وکٹوریہ البرٹ میوزیم اس ہفتہ ہی مخزن میں بھیج دوں گا اور امید ہے کہ جلد آپ کی نظر سے گزرے گا یہاں تمام حالات

بدستور ہیں ۔

اب میں ایک اور امر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس کو اپنے ہی تک رکھیں ۔ بادشاہ کی مدح میں میرا ارادہ قصیدہ لکھنے کا مدت سے تھا لیکن اب میں آمادہ ہو گیا ہوں کہ آئیندہ سال وہ قصیدہ تحریر کرکے بادشاہ کے پیش کروں ۔ چنانچہ اس خیال کو عملی صورت میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں ۔ اس تکلیف بے جا سے مجھ کو کوئی معتدبہ امید نہیں ۔ بجز اس کے کہ یہاں کے چند اخبارات اس کے متعلق رائے زنی کریں اور ایک خط بادشاہ سلامت کا میرے نام پہنچے ۔ بہر حال یہاں یہ کوئی بڑی بات نہیں لیکن ہندوستان کی نگاہ میں یہ بہت بڑی چیز ہوگی ۔ کچھ نہیں تو ہندوستان میں چرچا ضرور ہو جاوے گا ۔ ہندوستان میں بہترے شاعر قصیدہ گو ہیں ۔ لیکن دو وجوہ سے میں اس قصیدہ کو نئی چیز کر دکھاؤں گا اول تو یہ کہ اس کا ترجمہ انگریزی کراؤں گا تاکہ یہاں کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کے شعراء اگر قصیدہ لکھتے بھی ہیں تو کسی کو اس قدر حوصلہ نہیں ہوتا کہ بادشاہ سلامت کو بھیجے ۔ ان کی انتہائی دوڑ وائسرائے ہند ہوتے ہیں ۔ لیکن مجھ کو یہاں یہ موقعہ ہے کہ بادشاہ سلامت کو بھی بھیجوں ۔ خود دربار میں جانا اور قصیدہ پیش کرنا ، ممکن اگرچہ یہ بھی ہے اور اس کے ذرائع بھی میرے ہاتھ میں ہیں ، لیکن اس میں کم از کم دو ڈھائی سو پونڈ کا خرچ ہے ۔ اس لیے اس خیال سے تو میں در گزر کرتا ہوں اور صرف بھیجنے کی تدبیر کو کام میں لاتا ہوں ۔ قصیدہ کی چھپوائی وغیرہ میں پانچ اور دس پونڈ کے درمیان خرچ ہوگا لیکن اس سے کچھ زیادہ ہی فائیدہ ہو رہے گا ، اور یہ قصیدہ میرا پہلا عریضہ مہاراجہ جودھ پور کے پاس بھی جاوے گا ۔ یعنی پہلے دربار[1] کو قصیدہ بھیجوں گا اور اس کے ساتھ ہی عرضی ، اور دربار اس کا جواب قطعی دیں گے ۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ بہت مؤثر ہوگا ۔ اس کے علاوہ یہ قصیدہ میں دیگر ان افسران ہندوستان و رؤوسا وغیرہ کو بھیجوں گا جس کے جواب میں وہ شکریہ کی چھٹی تو کم از کم ضرور لکھیں گے ۔ غرض یہ ہے کہ شہرت اس سے اچھی خاصی ہو جاوے گی ۔ ادھر ہندوستان والوں کی نگاہ میں نئی بات ہوگی ۔ اسی طرح انگلستان والوں کے لیے یہ امر نوادرات سے ہوگا ۔ الغرض میری نگاہ میں یہ چھوٹا سا معاملہ بہت اچھا ہے ۔ امید ہے کہ آپ بھی اس میں میرے ہم خیال ہوں گے ۔ قصیدہ ہونے کے لحاظ سے بھی اس قصیدہ میں کئی باتیں نئی ہوں گی ۔ اول تو یہ کہ تمہید تمام قصیدہ گویوں سے جدا ہوگی اور علیٰ ہذا خیالات جدا ۔ قصیدے کے لیے میں تمہید یا تشبیب مدت

۱- دربار سے مراد مہاراجہ جودھ پور ہیں ۔ اپنی رعایا میں راجگان راجپوتانہ اسی لقب سے یاد کیے جاتے تھے (مرتب)

سے تلاش کر رہا تھا ۔ ہمارے فارسی شاعروں کی جس قدر تمہیدیں ہیں وہ مشرقی مذاق کی ہیں ۔ مغربی لوگ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لے سکتے ۔ عشقیہ تمہیدیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ یورپ اور ایشیا دونوں اس کو پسند کریں لیکن اس میدان میں میری رسائی نہیں اور نہ ہی زور طبیعت دکھا سکتا ہوں ۔ اس لیے کسی اور زمین کی تلاش ہوئی اور آخر بدقت تمام مل گئی ۔ اب زمین مل گئی ہے خیال آفرینی ہو جاوے گی ۔ یہ تشبیب زیادہ تر انگریزی مذاق سے ملتی جلتی ہوگی لیکن خیالات مشرقی ہوں گے ۔ یونان کے دیوتاؤں کی پرستش یونان میں بھی نہیں ہوتی ہو گی جس قدر انگریزی ادب میں ہم ان کا ذکر پاتے ہیں ۔ اس لیے میں نے اس خیال کو اپنے ذہن نشین کیا ہے ۔ تمہید میں انھی دیوتاؤں کا ذکر ہوگا اور کہیں مصری بتوں کا ، کبھی عربی بتوں کا ۔ ہندوستان کے دیوی دیوتا بھی فوامرش نہیں ہوں گے اور اس طرح سے تمہید ختم ہوگی ۔ میرے خیال میں یہ تمہید نہایت اعلیٰ ہوگی ۔ شاعر شعر کہتے وقت مذہب بھول جاتا ہے ، بھولتا نہیں بلکہ مذہب کا دشمن ہوتا ہے ۔ جس مذہب کا وہ ہے ، سب سے پہلے اسی مذہب پر حملہ کرتا ہے ۔ غالب امام حسین کے مرثیہ میں لکھ رہے ہیں ۔ تمہید کا شعر :

آوارہ غربت نتواں دید صنم را
خواہم کہ دگر بت کدہ سازند حرم را

نعتیہ قصیدہ کی تمہید میں محسن کاکوروی تحریر کرتے ہیں :

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

مطلب یہ ہے کہ شاعر کا مذہب شعر کہتے وقت شعر ہے ۔ وہ جو چاہتا ہے کہہ سکتا ہے اور کوئی اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ علمائے اسلام نے بوعلی سینا اور امام غزالی جیسے علماء کو کافر اور مرتد کہا لیکن عرفی اور فیضی کو کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ وہ مولویوں میں بھی یوں ہی عزیز تھے جس طرح دہریوں میں ، الغرض یہ تمہید عذر تمہید میں تھی کیونکہ میری تمہید نئی ہوگی اور نئے خیالات ۔ زمین اور بحر مجھ کو اس وقت تک دلچسپ نہیں ملے ۔ قافیہ کی پابندی بہت مشکل ہے ۔ علاوہ ازیں بہت سے انگریزی نام مجھ کو تحریر کرنا ہوں گے مثلاً ایڈورڈ ہفتم ، کوئین الیگزینڈرا ، آسٹریلیا ، پارلیمنٹ پرنس آف ویلز وغیرہ وغیرہ ۔ ہماری بہت سی شگفتہ بحروں میں یہ نام نہیں آ سکتے مگر جو بحر اس وقت ملحوظ خاطر ہے ، ممکن ہے کہ اس میں آ جاویں ۔ یہ بحر تو بہت اچھی ہے لیکن اس کا قافیہ مشکل ہے عرفی کا قافیہ آپ کو یاد ہوگا :

صباح عید چو در تکیہ گاہ ناز و نعیم
گدا کلاہ تمد کج نہاد و شاہ دہیم

اس وقت یہ زمین مناسب معلوم دیکھتا ہوں ۔ لیکن اس کے قافیہ اکثر غیر مانوس ہیں ۔ قافیہ بدلنے میں زمین شان سے گرتی ہے ۔ الغرض جیسا مناسب معلوم ہوگا کروں گا ۔ اس وقت دو چار شعر مشتے نمونہ از خروارے لکھ دیتا ہوں ۔ آپ اس سے بھی واقف ہیں کہ مجھ کو فرصت بالکل نہیں ہے ۔ اس لیے اس قصیدہ کی جلد تیاری کی امید نہ رکھیں ۔ دیر آید درست آید ۔ اور جلدی بھی کیا ہے آیندہ ماہ جون تک ہر حالت میں یہ قصیدہ طیار ہو جاوے گا ، جون میں بادشاہ کی سالگرہ پر ، تمہید کا شعر حسب منشا اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن جو ملا ہے وہ لکھتا ہوں :

بشر ہے نوع مری میرا شیوہ ہے تسلیم
ازل نے کی ہے مجھے رسم بندگی تعلیم

بتوں کے آگے مرا سر جھکا ہے صدیوں تک
گواہ جس کی ہے تاریخ سالہائے قدیم

تمیز صانع و مصنوع سے نہ تھا واقف
میں فلسفی نہ تھا مشکل تھی اس قدر تفہیم

ابھی ہوئے نہ تھے یزدان و اہرمن پیدا
عدم میں محو تھا افسانۂ بہشت و حجیم

جہاں میں چار سو سکہ تھا دین آذر کا
خلیل بن کے نہ آیا تھا اب تک ابراہیم

بہت زمانہ تھا درکار اس کو جب ہوتا
ظہور واقعہ طور و داستان کلیم

یہ کل کی بات ہے تثلیث کہیے یا توحید
میرے زمانہ میں ان کی ہوئی نہ تھی تقسیم

عجیب زمانہ تھا یادش بخیر عہد قدیم
بتوں پہ ختم تھی ساری خدائی کی تقسیم

الغرض آگے بتوں کی تمہید ہوگی ۔ کیوپڈ ، ڈائنا ، جوپیٹر ، اپالو (یہ یونانی اور رومی دیوتا ہیں) لات ، منات ، عزیٰ ، ہبل ، بعل (عربی دیوتا) وغیرہ کا ذکر ہوگا ۔ فقط

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

(۲۱)

Sinclair Road,
Kensington,
London

لندن - ۱۳ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ نوازش نامۂ عالی شرف صدور لایا - جناب کے مرض اور اس کی طوالت سے مجھ کو سخت تشویش ہے - اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ امراض سے صحت بخشے -

کل ۱۲ - اکتوبر سے لیکچر شروع ہو گئے ہیں - ڈنر ۲۵ - ماہ حال سے شروع ہوں گے - میں کل دس بجے لنکن ان گیا - گیارہ سے ایک تک پہلا لیکچر رہا - ایک اور دو بجے کے درمیان لنچ کھایا - دو سے تین تک دوسرا لیکچر سنا اور چائے کے وقت مکان پر آ پہنچا - گھر کے قریب اسٹیشن سے باہر شیخ عبدالقادر مل گئے - انھیں بھی میں مکان پر لے آیا - ہم دونوں نے چاء میرے ہی مکان پر پی - چھ بجے کے قریب شیخ صاحب گئے - سات بجے رات کا کھانا کھا کر میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا - کل جو لیکچر ہوئے تھے ان سب کی نقل سیاہی سے کاپی پر اتاری - اس میں دو گھنٹے صرف ہوئے - بعد میں ایک گھنٹہ تک آئندہ مضامین پر مطالعہ دیکھا ، جن پر آج لیکچر ہوں گے - یہ واضح خاطر عالی رہے کہ اب میں کریمنل لاء قانون فوج داری یا جرائم پیشہ دیکھ رہا ہوں - اگر ناگوار خاطر اقدس نہ ہو تو کل کے لکچروں کا خلاصہ اختصار کے ساتھ عرض کروں - یہ امر مفہوم خاطر رہے کہ کریمنل لاء کے یہ پہلے لیکچر ہیں جن کو جرائم پیشہ کی تمہید کہا جا سکتا ہے ، جن سے آپ قانون فوج داری کے اصول موضوعہ و متعارفہ ، خصوصیات و مستثنیات معلوم کر سکتے ہیں - لیکچر یوں شروع ہوتا ہے -

افعال جن کو قانون نے عام غلطیاں فرض کیا ہے اور اس لیے ان کا انسداد سزا کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے ، جرائم کہلاتے ہیں - جرائم کی دو قسمیں ہیں (۱) سنگین (۲) خفیف - جرائم جو قانون کی نگاہ میں شدید ہیں سنگین کہلاتے ہیں اور جو کہ سنگین نہیں خفیف کہلاتے ہیں - فی زمانہ سنگین اور خفیف جرائم میں ما بہ الامتیاز فرق نہیں - لفظ جرم میں دونوں قسموں کا مفہوم موجود ہے لیکن گذشتہ زمانہ میں جرائم شدیدہ و خفیفہ میں ایک بہت بڑا فرق تھا یعنی شدت جرم کی صورت میں مجرم سے شخصی حقوق سلب کر لیے جاتے تھے لیکن سنہ ۱۸۷۰ء

سے یہ قانون منسوخ ہو گیا ہے اور سنگین اور خفیف دونوں جرم سمجھے جاتے ہیں اور شخصی آزادی یا حقوق یا املاک کے سلب کرنے کا رواج نہ پہلے جرم کی صورت میں ہے اور نہ دوسرے کی ۔

سنگین جرم کی سزائیں (یعنی سزائے موت ، اخراج البلد یا قید زیادہ از میعاد یک سال) مجرم کو تاج برطانیہ کی جنگی ، بحری اور ملکی خدمات (جس میں ہر آزاد متوطن برطانیہ داخل ہو سکتا ہے) کے حق سے ہمیشہ کے لیے محروم کرتی ہیں ۔

ہر فرد (سوائے پادشاہ کے) جو کہ جرم کرنے کی طاقت رکھتا ہے ، قانون کی نگاہ میں سزا کا مستجب ہے ۔

سزا سے مستثنیات : (۱) بچے جو کہ خورد سال ہیں جب تک جرم کرنے کے قابل نہیں ، سزا سے بری ہیں ۔ بعض صورتوں میں شادی شدہ عورتیں سزا سے بچ سکتی ہیں ۔ جب کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ وہ شوہر کے حکم یا خوف سے مرتکب جرم ہوئیں ۔ بچے سات برس سے نیچے قانوناً سزا سے بری ہیں ۔ اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ اس عمر میں صاحب تمیز نہیں ہوتے ۔ بچے چودہ برس کی عمر کے اندر صاحب تمیز مان لیے گئے ہیں ۔ ان کی شہادت مانی جاتی ہے لیکن سزا کی صورت میں منصف کا فرض ہے کہ حتی الامکان نرمی کا سلوک کرے ۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ لڑکے کو اس عمر میں تمیز نیک و بد حاصل تھی اور جرم کو جرم سمجھ کر وہ مرتکب ہوا اس صورت میں وہ اس سزا کا مستوجب ہے جو قانون اپنے اختیار سے دے سکتا ہے ۔ قانونی تاریخ میں ایک مثال موجود ہے جس میں ایک لڑکے نے صرف آٹھ سال کی عمر میں ارتکاب قتل عمد کیا ۔ ارتکاب جرم میں اس کا منشا انتقام تھا ۔ اس امر کے ثابت ہونے پر اس کو سزائے موت کا حکم دیا گیا جس کی باقاعدہ تعمیل ہوئی ۔ یہ واقعہ سترھویں صدی میں پیش آیا ۔

(۲) جنونی پاگل اور دیوانے سزا سے بری ہیں کیونکہ ان کے افعال وجہ اور سبب پر منحصر نہیں اور ان کے افعال میں ان کا منشا نہیں ہوتا اس لیے وہ مرفوع العلم ہیں ۔

(۳) منکوحہ عورت اگر خاوند کی موجودگی میں جرم کی مرتکب ہو ، قانون اس کی سزا خاوند کو دے گا نہ عورت کو ۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ وہ خاوند کے کہنے سے مجبور تھی ۔ لیکن قتل ، زہر خورانی اور جان ستانی کی صورتوں میں وہ سزا سے بری نہیں ہو سکتی ۔

(۴) سفرائے دول خارجہ ۔ یہ امر غیر یقینی ہے کہ وہ بھی اس ملک کے قانون کی پابندی پر اسی طرح مجبور ہیں ، جس طرح اور باشندگان برطانیہ ۔ کیونکہ ان کا

تعلق دول خارجہ سے ہے ۔ لیکن وہ جرائم جن کو تمام دنیا جرائم کہتی ہے یعنی مثلاً قتل ۔ اس قسم کے جرائم کی سزا اس ملک کا قانون ان کو دے سکتا ہے ۔ باقی جرائم کی صورت میں اختلاف ہے ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ منصب سفارت جرم کی سزا سے بہت جلیل ہے ۔ اس لیے یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ ایسی صورتوں میں سفیر کو اس ملک سے نالائق ثابت کر کے واپس اس کے ملک میں بھیج دیا جاوے گا تاکہ وہ اپنے مالک کے ہاتھوں سے سزا پاوے ۔ یہاں یہ بھی ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ کسی سفیر کی شخصی آزادی یا اس کی حفاظت میں مخل ہونا اول درجہ کا خوف ناک جرم ہے ۔ سفیر کی گرفتاری یا نظر بندی ، خواہ کیسا ہی شدید جرم کیوں نہ ہو ، ہر حالت میں ایک سلطنت کی ہتک کے برابر ہے ۔

الغرض اسی طرح سے یہ تمہید چلی جا رہی ہے ۔ گذشتہ اتوار کو میں نے دوپہر کا کھانا شیخ عبدالقادر صاحب کے ہاں کھایا تھا ۔ آج جمعہ ہے ۔ بریک فاسٹ سے پیشتر یہ خط شروع کیا تھا ۔ باقی بریک فاسٹ کے بعد ختم کر رہا ہوں ۔ میں ہر طرح سے خیریت سے ہوں میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ سردی شروع ہو گئی ۔ کہر کا روز بروز زور ہوتا جاتا ہے ۔ میں یہ خط ختم کر کے کالج سیدھا جاؤں گا ۔ وہاں سے آج چار بجے لوٹوں گا ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

(۲۲)

Sinclair Road,
Kensington,
London
Oct. 27th

لندن ۔ ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خریت و بہبودی ہوں [اور] آں حضرت کی خریت اور صحت مزاج کا ہر دم دعا گو ۔ نوازش نامۂ عالی شرف صدور لایا ۔ چک (ہنڈوی) مبلغ سرسٹھ پونڈ ہر مکھ رائے امولک چند نے اس ہفتہ رجسٹری کر کے بھیجا جو بخیریت موصول ہو گیا ۔ اس کی

رسید معلوم کیجیے ۔ فری میسن میں جس طرح جناب کی منشا ہے ٹھہر کر داخل ہوؤں گا ۔ جنوری میں ان کا سہ ماہی جلسہ ہوگا جس میں نئے لوگ شامل کیے جاتے ہیں ۔ اس وقت میں بھی داخل ہو جاؤں گا ۔ اکتوبر کا سہ ماہی جلسہ ختم ہو چکا ہے ۔ اس لیے مجھ کو آیندہ جلسہ تک انتظار کرنا ہوگا ۔ میں جناب کو جو خطوط لکھتا ہوں وہ انگریزی قلم سے لکھتا ہوں ۔ فارسی لکھنے کے قلم یہاں عنقا ہیں ۔ میں نے موٹے پین سب جگہ تلاش کیے لیکن اس سے موٹے نہیں ملتے ۔ اس لیے باوجود تاکید آں حضرت بدرجۂ مجبوری اسی قلم سے لکھنا پڑتا ہے ۔

بڑی والدہ کے باب میں جناب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے سب بجا اور درست ہے لیکن والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس کے جو لوگ مصداق ہیں ، ان کے بڑے درجے ہیں اور یہی چشم داشت مجھ کو آں حضرت سے ہے ۔

کل شیخ عبدالقادر صاحب کا ایک خط میرے نام آیا ۔ ان کو کوئی ہندوستانی صاحب عبداللہ یوسف علی[1] آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ سابق ڈپٹی کلکٹر گورکھ پور حال مقیم لندن نے آج جمعہ کو بہ تقریب چاء نوشی بلایا ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ اگر شیخ صاحب اپنے دو ایک دوست اپنے ہمراہ لاویں تو اور بھی اچھا ہوگا ۔ اس پر شیخ صاحب نے مجھے بھی بلایا ہے ۔

گیارہ سے ایک تک میرا لیکچر ہے ۔ اس کے بعد چھٹی ہے ۔ لنچ شہر میں کھاؤں گا اور تین بجے شیخ صاحب کے مکان پر پہنچ جاؤں گا ۔ ساڑھے چار بجے چاء کا وقت ہے ۔ ہمارے ڈنر دوسری نومبر سے شروع ہوں گے اور پچیس نومبر کو ختم ہوں گے ۔ ہمارے لیکچرار مسٹر بلیک اوجر ، کے ۔ سی ۔ ہیں جو کریمنل لاء پر لیکچر دیتے ہیں ۔ ان کی عمر چالیس سے اوپر ہے اور آواز ذرا دھیمی ہے ۔ کل کے لیکچر کا خلاصہ یہاں چند سطروں میں بیان کرتا ہوں ۔ یہ لیکچر سزا کے متعلق تھا ۔ صاحب لیکچر نے اول تو سزا کی تاریخ بیان کی اور پھر سزا دہی کے طریقے بیان کیے ۔ بعد میں بیان کیا کہ سزا دہی کے طریقہ کی ایجاد سے دو فائدے مقصود ہیں ۔ پہلا مقصد یہ کہ مجرم کے جرم کی تلافی کی جاوے ، اگر ممکن ہے ۔ لیکن اگر تلافی

---

۱ ۔ علامہ عبداللہ یوسف علی سے شیرانی صاحب کی یہ پہلی ملاقات تھی ۔ آگے چل کر یہ تعارف دوستی میں بدل گیا ۔ شیرانی صاحب کی اسلامیہ کالج کی ملازمت کے دوران عبداللہ یوسف علی کالج کے پرنسپل بھی رہے ۔ «پنجاب میں اردو» شیرانی صاحب نے انہی کی فرمائش پر لکھی تھی ۔ آخر عمر میں انگلستان چلے گئے تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے ۔ دس دسمبر ۱۹۵۲ء کو وفات پائی ۔ (مرتب)

ممکن نہیں مثلاً قتل کی حالت میں تو اس صورت میں سزا دہی سے ہمارا دوسرا مقصد حاصل ہوگا یعنی دوسروں کو عبرت ہوگی اور وہ اسی جرم کے اقدام کی جرأت نہیں کریں گے ۔ الغرض جرم کی سزا دہی میں ہر جج کو یہ دو صورتیں مد نظر رکھنی چاہییں ۔ ایک تلافی دوسرے عبرت ۔ ہر سزا سے اگر تلافی ممکن نہیں ، عبرت ممکن ہے اور ہر منصف کو انصاف کرتے وقت ان دونوں لحاظوں کو یاد رکھنا چاہیے ۔ بعض منصف صرف ایک لحاظ کو یاد رکھتے ہیں اور دوسرے کو بھول کر مجرم کو جرم کی سزا میں سخت پاداش دیتے ہیں ۔ لیکن جب کہ قانون ظالمانہ ہوتا ہے ، وہ اپنی ہر دلعزیزی رعایا اور عوام کے دل سے اٹھا دیتا ہے ، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مدعی اپنی فریاد سے در گذرے گا ، گواہ اپنے چشم دید واقعات ظاہر نہیں کریں گے ، جیوری مجرم کے ساتھ رعایت کرے گی اور علاوہ ازیں عوام مجرم کے ساتھ ہمدردی کریں گے ۔ گذشتہ زمانہ میں انگلستان میں بیسیوں جرموں کی سزا میں مجرم کو پھانسی دی جاتی تھی ۔ ایک بھیڑ کا چور بھی سولی پاتا تھا جس طرح ایک خونی ۔ روپیہ کے چور کی سزا پھانسی ، منتر جنتر کرنے والے کی سزا پھانسی ۔ الغرض بیسیوں خفیف جرموں کی سزا میں مجرم بےگناہ پھانسی دیے جاتے تھے ۔ لیکن اب صرف چار جرم ہیں جن کے ارتکاب کی صورت میں قانون مجرم کی جاں ستانی کا حق رکھتا ہے اور وہ چار جرم یہ ہیں :

(۱) بغاوت (۲) قتل (۳) سمندر میں جہازوں کی گرفتاری (۴) شاہی جنگی جہازوں میں آتش زنی ۔

تمام دوسرے جرائم میں سزا کی یہ صورتیں ہوں گی :

(۱) جلا وطن و اخراج البلد ۔ میعادی یا بے معیاد ۔ (۲) دوسرے قید سخت یا صرف قید ۔ (۳) بید لگانا ۔ (۴) جرمانہ ۔

الغرض سزا کے متعلق یہ کچھ ہے جو مختصراً بیان کیا گیا ۔

میں شب و روز اپنی تعلیم میں مصروف ہوں ۔ کوئی وقت بے کار نہیں ۔ روز بروز اپنی تعلیم کی طرف سے تسلی اور اطمینان ہوتا جاتا ہے ۔ امید بڑھتی جا رہی ہے اگر اسی طرح محنت جاری رہی اور حرج نہیں ہوا تو میں اپنے تمام امتحان پاس کر لوں گا ۔ خدا آپ کو سلامت باکرامت رکھے ۔ گذشتہ ہفتہ میں قطعہ کے جس قدر شعر لکھے گئے لکھے گئے ۔ جب سے اب تک اس کی نوبت نہیں آئی ۔ علیٰ ہذا قصیدہ کے اشعار میں تازہ اضافہ نہیں ہوا ۔ میری تقسیم اوقات بدستور ہے ۔ صبح سات بجے اٹھتا ہوں ، نہانے سے فراغت پا کر کپڑے پہنے ۔ نو بجے بریک فاسٹ کھایا ۔ پونے دس بجے کی ٹرین سے کالج روانہ ہوا ۔ گیارہ بجے کالج پہنچا اور لیکچروں میں حاضر

ہوا ۔ روزانہ دو لیکچر ہوتے ہیں ، جن کے وقت مقرر نہیں ۔ الغرض سات بجے تک گھر واپس آتا ہوں ۔ آ کر ڈنر کھایا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا ۔ آج صرف ایک لیکچر ہے جو گیارہ بجے سے ایک تک ہے ۔ باقی سب طرح خیریت ہے ۔ میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ دسمبر کی ٹرم میں مجھ کو اپنا فوٹو کالج بھیجنا ہوگا تب آپ کو بھی ایک فوٹو بھیجوں گا ۔ ابھی فوٹو اتروانے کی نوبت نہیں آئی ہے ۔ بخدمت پردو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

مودود مقصود کو تاکید نوشت و خواند معلوم ہو ۔

محمود
از لندن

(۲۳)

18 Sinclair Road,
Kensington
November 10th 05

لندن ، ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

بعد تسلیمات فدویانہ گذارش پرداز ہوں کہ فی الجملہ قرین خیریت ہوں اور آنحضرت کی خیریت کا معہ خیریت جملہ اہل خانہ دعا گو ۔ نوازش نامۂ عالی شرف صدور لایا ۔ میرے خط کے نہ پہنچنے کی شکایت درج تھی ۔ میں نہیں سمجھ سکتا اس کی کیا وجہ ہے ۔ میں حسب معمول خطوط یہاں سے ہر ہفتہ بلا ناغہ ارسال کرتا رہا ہوں ۔ کوئی ہفتہ سوائے فروری کے دو ہفتوں کے ناغہ نہیں گیا ۔

میں اپنی تعلیم میں ہر وقت بہ سرگرمی تمام مصروف ہوں ۔ انشاء اللہ تمام کام حسب دل خواہ انجام پاوے گا ۔ اگرچہ میں اب تک کسی امتحان میں شریک نہیں ہوا ہوں لیکن دیر آید درست آید ۔ ارادہ تھا کہ دسمبر میں شریک امتحان ہوؤں لیکن کامل بھروسہ نہیں تھا ۔ اس لیے اس میں نام نہیں بھیجا ۔ اگلی سہ ماہی میں یعنی مارچ سنہ ۱۹۰۶ء میں شریک ہوؤں گا ، اگر خدا نے بھی چاہا ۔ میرا سچا ارادہ ہے اور پڑھائی بھی اس وقت تک قابل اطمینان ہو جاوے گی ۔ میں اس وقت دونوں قانون رومن لاء اور کریمنل لاء دیکھ رہا ہوں ۔ رومن لاء اچھا تیار ہے اور کریمنل لاء کی ابھی ابتدا ہے ۔

میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ بخدمت پردو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔

کل ہمارے لیکچرار نے ایک لیکچر رومی قانون کی تاریخ پر دیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہ مضمون آپ کو بھی دلچسپی دے گا۔ اس لیے آئندہ صفحات میں اس کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔

فقط

محمود

تاریخ روم

رومی قانون پر مورخانہ پہلو سے نظر ڈالتے وقت ہمیں قانون روم کی تاریخ میں بڑے انقلاب نظر آویں گے۔ یہ انقلابات اگرچہ حقیقت میں دولتی انتظام اور سیاسی تبدیلیوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کا بڑا اثر ملک کے ہر آئینی فروع پر ہوا انہی انقلابات نے روم کو چند چھوٹی چھوٹی بستیوں کے درجہ سے ابھار کر ترقی کے اس زینے پر چڑھا دیا کہ وہی چند متحدہ ریاستیں ایک عظیم الشان سلطنت کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں۔ سیاسی امور اور معاشرتی قوانین میں اس ملک نے اس تاریک زمانے میں جو ترقی کی وہ ہمیشہ کے لیے یورپ کے واسطے ایک مثال اور چراغ راہ ثابت ہوئی۔ آنے والی شائستہ قوموں نے اس کی تقلید کی اور ترقی کی اس معراج پر پہنچ گئیں جو قوموں کی ناپائیدار عمر اور قبیلوں کی متحدہ کوششوں سے ممکن تھا۔

قریباً تیرہ صدیوں کے زمانے میں جو کہ روم کی زندگی کا زمانہ ہے، جس کی ابتدا حضرت مسیح سے ۷۵۳ برس پیشتر سے لے کر ۵۲۷ سنہ مسیح تک پہنچتی ہے۔ اس زمانے کی تقسیم تین انقلاب میں یوں ہے۔ سنہ ۷۵۳ق م سے ۵۰۴ ق م تک اس ملک میں شخصی سلطنت یا بادشاہی رہی۔ سنہ ۵۰۴ ق م سے ۳۱ ق م تک اس میں جمہوری سلطنت کا دور دورہ رہا۔ سنہ ۳۱ ق م سے ۵۲۷ء تک اس ملک میں شہنشاہی رہی۔ قانونی تاریخ پر یہ تین زمانے بہت بڑا اثر رکھتے ہیں۔

شاہی زمانہ

یہ زمانہ قدیم اور شخصی سلطنت کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کی مکمل تاریخ معدوم ہے۔ متفرقات سے جو امور قانونی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں، ان سے ہم کو ایک دھندلی اور ناکامل تاریخ ملتی ہے جس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ بادشاہ اس وقت کامل خود مختار ہوتے تھے اور طریق حکم رانی میں ان کو فوجی قوت پر بھروسہ ہوتا تھا۔ ان کے تحت میں ایک سو آدمیوں کی اور بعد میں تین سو آدمیوں کی مجلس ہوتی تھی جس کو ان کی اصطلاح میں ''سینیٹ'' کہا جاتا تھا۔ بادشاہ کی منظوری سے یہ کونسل نئے قانون اجراء کرتی تھی۔ سینیٹ میں خواص

اور ذی رتبہ اشخاص شامل ہوتے تھے -

سینیٹ کے بعد ایک اور کونسل تھی جس میں عوام شامل تھے - اس کونسل کا نام ''کمیٹیا کیوریاٹا[1]'' تھا - کچھ عرصہ کے بعد ایک اور کونسل عوام کی قائم ہوئی - اس کا نام ''کمیٹیا سینچوریاٹا[2]'' تھا - ان کمیٹیوں سے بھی قانون وقتاً فوقتاً اجرا ہوتے رہے جو سینیٹ اور شاہی منظوری کے بعد مشتہر ہوتے تھے - آخر شاہی سلطنت پر ضعف آیا اور بادشاہ بہت جلد ملک سے نکالے گئے - اب نیا دور شروع ہوا اور شاہی خود مختار سلطنت کے بجائے روم میں جمہوری سلطنت قائم ہوئی -

جمہوری سلطنت

اس سلطنت کا انتظامی طریقہ یہ تھا کہ ملک کو چھوٹے چھوٹے اضلاع میں تقسیم کرکے ان پر عامل یا حاکم مقرر کیے جاتے تھے - ان پر بڑے عامل ، جو صوبوں پر ہوتے تھے ، با اختیار ہوتے تھے ان پر سرکاری کونسل یا سینیٹ با اختیار تھی - سینیٹ پر دو شخص حکمران ہوتے تھے جن کو اصطلاح میں کونسل کہا جاتا تھا - دونوں کونسل برابر کے حریف اور برابر اختیار رکھتے تھے اور ہر سال بدل دئیے جاتے تھے اور نئے کونسل سینیٹ سے انتخاب ہوا کرتے تھے - اس وقت تک رومی قانون کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا اور نہ ہی تحریر میں آیا تھا -

سینیٹ کے حکم سے تین شخص یونان بھیجے گئے تاکہ یونانی طریق حکومت کا معائنہ کرکے وہاں سے وہ قانون لاویں جو جمہوری سلطنت کے لیے مفید ہو - سنہ ۴۵۴ ق م میں یہ اشخاص واپس آئے اور بڑا ذخیرہ یونانی قانون کا اپنے ہمراہ لائے - اس کے بعد دس عامل پورے اختیارات کے ساتھ اس غرض سے ایک سال تک کے لیے مقرر ہوئے کہ ملک میں نئے قانون جاری کریں اور یونانی طرز حکومت کی تقلید کریں - ان عاملوں نے دس مجموعۂ قوانین تیار کیے - ایک سال بعد اس میں.....................[3]...........اصطلاح میں ''ڈویلو ٹیبل'' یا دوازدہ قانون

کہا جاتا ہے - یہ تمام قانون سینیٹ اور کمیٹیا سینچوریاٹا میں بڑے غور و خوض سے معائنہ ہونے کے بعد بارہ تختیوں پر کندہ کیے گئے - بعد میں یہ قانون رومیوں کے لیے دستور العمل رہے اور رومیوں کے تمام فن قانون کا یہی دوازدہ قانون ماخذ و مخزن ہے - دوازدہ قانون وہی اصلی قانون نہیں ہے جو کہ اس سے قبل ملک میں

۱- Comitia Curiata (لاطینی)

۲- Comitia Centuriata (لاطینی)

۳- یہاں سے خط پھٹا ہوا ہے اور اس کا ایک ٹکڑا غائب ہے - (مرتب)

جاری تھا ۔ ہم اس اصلی قانون کی بابت کچھ نہیں جانتے کہ وہ کیا تھا ۔ لیکن دوازدہ قانون بہت کچھ اس قدیم قانون کے مشابہ ہے اور خود دوازدہ قانون کا مجموعہ رومی قدیم قانون اور قدیم رسوم میں چند اصلاحات کے بعد مستنبط کیا گیا ہے ۔ دوازدہ قانون پہلا قانون ہے جو کہ مدون ہوا ۔

دولت جمہور کے زمانے میں سینیٹ کا وجود تو قائم رہا لیکن اس کو قانون بنانے سے کچھ زیادہ سروکار نہیں رہا ۔ ایک تیسری مجلس عوام کی اور قائم ہوئی جس کا اصطلاحی نام ''کمیٹیا ٹرائی بیوٹا''[1] ہے ۔ ابتدا میں اس مجلس کو قانون نافذ کرنے کا حق حاصل نہیں تھا ۔ لیکن بعد میں ''کمیٹیا سینچوریاٹا'' کے ایک قانون ''لیک ہاٹینسیا'' کی رو سے یہ حق اس کو مل گیا اور وقتاً فوقتاً بہت سے قانون اس مجلس سے جاری ہوتے رہے ۔ عدالتوں کے حکام اس وقت ''پری ٹور'' کہلاتے تھے ۔ گویا اس زمانے کے ججوں اور منصفوں کے برابر ہوتے تھے ۔ یہ منصف ہر سال اپنے فیصلے شائع کیا کرتے تھے ۔ یہ فیصلے جو کتاب کی صورت میں وقتاً فوقتاً مدون ہوتے رہے ، پچھلی نسلوں کے لیے نظیر اور قانون بنے ۔ اس طرح سے دوازدہ قانون میں نئے قوانین کا اضافہ ہوتا رہا ۔ یہ نیا اضافہ ''حبس[2] ہونوریم'' کہلاتا ہے ۔ دوازدہ قانون یا ''حبس ہونوریم'' یہ جو کچھ بھی تھا صرف رومی اور خالص رومی نسل کے باشندوں کے لیے تھا ۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے دیسیوں کے لیے ۔ پردیسی اس رعایت سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے ۔ لیکن جمہوری زمانے میں جب کہ رومیوں کے تعلقات ممالک غیر کے ساتھ صنعت و حرفت ، آمد و رفت اور تجارت کے ذریعہ سے مستحکم ہوئے .....[3]..... پردیسیوں کے حقوق کی نگرانی کے لیے

(۲۴)

Sinclair Road,
Kensington,
London

لندن ، ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین دام برکاتکم

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ آج ہمارے ہاں ایک موت

۱- Comitia Tributa (لاطینی)
۲- Jus Honorium (لاطینی)
۳- خط ناقص بھی ہے اور نامکمل بھی (مرتب)

ہو چکی ہے ۔ نشست کے کمرہ میں لوگ بھرے ہیں ۔ میں نہ اس کمرے کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں اور نہ ہی یہاں لمبا خط لکھ سکتا ہوں ۔

مالک مکان کا بھانجا ، عمر چوبیس سال ، جو دو ہفتہ سے بطور مہمان یہاں آیا ہوا اور بیمار تھا ۔ آج علی الصباح قریباً ساڑھے چار بجے فوت ہوگیا ۔ سردی لگ کر نمونیا ہوگیا تھا ۔ اس وقت ہمسایہ اور رشتہ دار آ رہے ہیں - میں حسب رسم کام کروں گا ۔ اگر دوسرے کرایہ دار اپنے اپنے کام پر نہیں گئے تو میں بھی لیکچروں میں نہیں جاؤں گا ۔ جنازہ تو کئی روز بعد اٹھے گا ۔ میں اس سے پیشتر چار تصویریں تین نشست کی بھیج چکا ہوں ۔ فوٹو گرافر نے تصویر پانچ مرتبہ اتاری لیکن دو باقی ، میں نے ناپسند کیں ۔ تصویریں یا تو اس خط کے ساتھ آپ کو پہنچیں گی یا خط سے ایک ہفتہ بعد ۔

تمام مکان کے پردے گرا دئیے ہیں ۔ گھر بھر میں اندھیرا ہے ۔ جس گھر میں یہاں موت ہوتی ہے اس گھر کے تمام پردے اتار دئیے جاتے ہیں ۔ اس وقت زیادہ لکھنے کا موقعہ نہیں ، اس لیے معافی مانگ کر رخصت ہوتا ہوں ۔ اگر کالج گیا اور موقعہ ملا تو وہاں سے کچھ اور حالات لکھ سکوں [گا] ۔ میں خیریت سے ہوں اور میری تعلیم بہت اچھی حالت میں ہے ۔ بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

(۲۵)

لندن

۲۹ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ حاجات و کعبۂ مرادات دام ظلکم

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ گذشتہ ہفتہ صاحب خانہ کے ایک قریبی عزیز کے انتقال کی وجہ سے مجھ کو اس قدر موقعہ نہیں ملا کہ مفصل عریضہ ارسال خدمت اقدس کرتا ۔ ''کاسن روم'' سے جو عریضہ مرسل خدمت والا ہوا وہ بھی نہایت مختصر تھا ۔ اس طرح سے گویا میں نے گذشتہ ہفتہ دو عرضداشت روانہ کیں ۔ اس دفعہ ارادہ ہے کہ ایک لمبا خط لکھوں تاکہ تلافی مافات ہو جاوے ۔ اجازت دیجیے کہ عید کی مبارکباد ادا کروں ۔ کل عید تھی ، ہم لوگوں نے جیسے کچھ عید کی وہ آئندہ عرض کروں گا ۔

یہ شخص جس کا گذشتہ جمعہ کو انتقال ہوا ، ایک نوجوان میرا ہم سن تھا ۔ صاحب مکان کا حقیقی بھانجا اور یہاں بطور مہمان ایک ہفتہ سے ٹھہرا ہوا تھا ۔ یکایک

سردی لگی ، زکام ہوا ، پھر نمونیا ہوگیا اور چوتھے دن آناً فاناً میں دم دے دیا ۔

اس قوم کے مراسم ماتم داری کے اصول سب دانشمندانہ اور حکیمانہ ہیں ۔ جوان جہان کی ناگہانی موت ہمارے ہاں تو محلہ بھر میں تہلکہ ڈال دیتی لیکن یہاں ذرا چرچا نہیں ہوا ۔ لوگ ماتم پرسی کے لیے آئے ۔ ہمسائے میں سے وہی لوگ آئے جن سے کسی قسم کا سابقہ تعلق یا شناسائی تھی ۔ اجنبی ہمسایہ نے آ کر جھانکا تک بھی نہیں اور نہ ہی صاحب خانہ نے اس کے نہ آنے پر کسی قسم کی شکایت ظاہر کی ۔ رشتہ داروں اور دوستوں کو معمولی اطلاعی ماتمی خطوط لکھ دیے گئے ۔ قریبی اور خونی عزیزوں کو تار بھیج دیے ۔ بعض خود آئے اور بعض نے جواب میں تعزیتی خط پر اکتفا کی ۔ جو آئے وہ بھی کچھ عرصہ ٹھہرے اور بعد میں کام کاج کو چلے گئے ۔ گھر میں جس قدر ہم لوگ مہمان تھے سب حسب معمول اپنے اپنے کام کاج کو وقت پر گئے اور حسب روزمرہ واپس آئے ۔ حسب دستور کھانا وقت مقررہ پر ملتا رہا یعنی ہمیں باہر کھانے کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑی کفن ساز آیا اور کفن کا ماپ لے کر چلا گیا اور اسی روز کفن بھی تیار ہو کر آ گیا ۔ یہ خیال رہے ہمارے ہاں کفن کپڑے کا دیتے ہیں اور ان کے ہاں کفن بالکل تابوت کی طرح کا ہوتا ہے ، خوش نما سیاہ رنگ کا ۔ جسم کے حجم کے مطابق لمبا اور چوڑا صندوق ۔ اس صندوق میں مردہ کو رکھا جاتا ہے جو شب خوابی کے گون میں لپٹا ہوا ہوتا ہے ۔ اس صندوق یا تابوت کو انگریز کوفن کہتے ہیں فرق صرف تلفظ میں ہے ورنہ لفظ وہی ہے جسے ہم کفن کہتے ہیں ۔ یہ لفظ اردو میں فارسی ، عربی کے ذریعہ سے یونانی زبان سے آیا ہے ۔ اسی طرح انگریزی میں فرانسیسی اور لاطینی کے وسیلہ سے یونانی سے لیا گیا ہے ۔

جمعہ کو وفات ہوئی ۔ پیر کو جنازہ اٹھانے کی ٹھہری اس طرح سے گویا مردہ تین روز تک گھر میں پڑا رہا ۔ اس قدر وقفہ کے بعد دفن کرتے ہیں ۔ یہی مصلحت ہے کہ مردہ شخص کسی خواب اور بے ہوشی میں مبتلا نہ ہو یعنی اس کی زندگی کا امتحان مقصود ہوتا ہے ۔ شک کی صورت میں اس سے بھی زیادہ عرصہ تک مردہ گھر میں رکھا رہتا ہے ۔ دیر تک مردہ رکھنے کی ابتدا یہ تھی جو ذکر ہوئی لیکن اب یہ رسم چلی ہے ۔ اس لیے خواہ موت کا یقین وثوق کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو ، میت کئی روز تک گھر میں رکھی جاوے گی ۔ امرا شرفا میں بعض وقت یہ میعاد دو دو ہفتہ تک پہنچ گئی ہے ۔ اس عرصہ میں ڈاکٹر اپنے طبی معائنہ کی سند دے گا اور اس سند کے ذریعہ سے عدالت سے مردہ کے دفن کرنے کی اجازت لی جاوے گی ۔ ہمارے ہاں تعزیتی خطوط لکھنے کا رواج کفن دفن کے بعد

ہے لیکن یہاں اس قسم کے خطوط موت اور تجہیز و تکفین کے درمیان پہنچنے چاہییں - مردہ پر رونا اسلام میں مذہباً منع ہے اور یہاں یہ ممانعت رواجاً ہے - لیکن شاید رسم کا اثر مذہب کے اثر سے بھی زیادہ طاقت ور ہے کہ ہمارے ہاں ایسے موقعوں پر اکثر اوقات عورتوں کے بین سنے جاتے ہیں لیکن یہاں زور سے رونا چلانا نہایت شاذ ہے - جنازہ ہمارے ہاں کندھوں پر اٹھایا جاتا ہے - یہاں جنازہ لے جانے کے لیے ایک مخصوص کرایہ کی گاڑی ہوتی ہے جس کی تمام آرائش سیاہ چیزوں سے ہوتی ہے - گاڑی بالکل سیاہ ، گاڑی کھینچنے والے گھوڑے بالکل سیاہ - جنازہ گاڑی کے بعد عزاداروں کی گاڑی میں میت کے خونی عزیز ہوتے ہیں - اس کے بعد دوسری گاڑی میں دیگر رشتہ دار اور ہمسایہ وغیرہ لوگ سوار ہوتے ہیں - یہ سب گاڑیاں جنازہ گاڑی کی طرح سیاہ ہوتی ہیں - گھوڑے بھی سیاہ ہوتے ہیں - اور گاڑی کی سواریاں تمام ماتمی لباس میں ہوتی ہیں - اس طرح سے جنازہ نکلتا ہے - گاڑیوں کی رفتار نہایت دھیمی اور ماتمیانہ ہوتی ہے - اس جلوس کے وقت راہ گیر اور راہگیر گاڑیاں حتی الامکان جنازہ کو نہیں روکیں گے - پولیس مین جنازہ کے لیے راستہ نکال دے گا اور یہ جلوس برابر چلتا رہے گا حتی کہ قبرستان آ جاوے گا -

ہمارے ہاں کے گورستان اور اس کی برباد تعمیریں ، ٹوٹی پھوٹی قبریں اور شکستہ تعویذ ، ان تمام خستہ چیزوں کا منظر بجائے خود عبرت ناک اور ماتمیانہ ہے جس سے جذبات بھرا دل ضرور گداز ہوتا ہے لیکن انگریزی گورستان بھی اس قسم کے عبرتناک جذبات ضرور پیدا کرتے ہیں - اسلامی گورستانون کا نظارہ دل پر یاس اور مایوسی اکثر صورتوں میں پیدا کرتا ہے - یہی یاس انگریزی گورستان میں بھی ظاہر ہے - لیکن اس یاس کے ساتھ ہی ایک قسم کی امید اور حرارت دل میں پیدا ہوتی ہے - فنا کا نقشہ دونوں گورستان پیدا کرتے ہیں لیکن پچھلی چیز اداسی کے ساتھ ہی ایک قسم کی روشنی دل میں ڈال دیتی ہے -

ایک خاموش اور غیر آباد احاطہ ہے جس میں قدم قدم پر سنگ تربت قد آدم کھڑے ہیں - قبروں پر مختلف قسم کے پھولوں کے درخت لگے ہیں - بعض تازہ قبروں پر پھول اور پھولوں کے ہار پڑے ہیں - گوشہ میں ایک طرف ایک سیاہ عمارت ہے - یہ گورستان کا گرجا ہے - جنازہ دروازہ پر پہنچ گیا - پادری اس کے استقبال کو آیا - تمام لوگ سواریوں سے اتر کر جمع ہوئے - پادری نے مختصر سی نماز ادا کی - یہ نماز جنازہ ہے - اب میت کو قبر میں لے جانے کی تیاریاں ہوئیں -

یہ قبر ایک روز پہلے سے کھد رہی ہے اور اس اکیلی قبر میں اس میت کے پانچ اور عزیز وقتاً فوقتاً دفن ہوتے رہیں گے - یہ قبر ستائیس فٹ گہری ہے ، کیونکہ

چھ شخصوں کے لیے خریدی گئی ہے - اس گز ڈیڑھ گز زمین کی خریداری میں پچاس پونڈ یعنی سات سو پچاس روپے خرچ ہوئے ہیں - یہ ولایت ہے جہاں زندہ اس قدر ہیں کہ مردوں کو جگہ نہیں ملتی - اس لیے ایک قبر میں اوپر تلے چھ مردے رکھے جاویں گے - یہ قبر ایک خاندان کی قبر ہے نہ صرف ایک شخص کی - اس لیے اس قدر گہری ہے کہ چھ سات مردے اوپر تلے دفن ہو جاویں - اس میں تابوت اتار دیا گیا - اس تابوت یا صندوق کی بھی قیمت سن لیجے سولہ پونڈ یعنی دو سو چالیس روپیہ - مطلب یہ ہے کہ یہاں بھلے آدمی کا مرنا آسان کام نہیں ہے - جہاں ہمارے ہاں دس بارہ روپیہ تجہیز و تکفین میں خرچ ہوتے ہیں ، یہاں ساٹھ ستر پونڈ کا صرفہ ہوتا ہے - تابوت اتار کر اور تھوڑی سی مٹی ڈال کر لوگ چلے گئے - گورکنوں نے قبر کو بھرنا شروع کیا - اس کے بعد جب کہ قبر برابر ہو گئی نہایت قریبی اعزہ نے قبر پر پھول اور ہار چڑھائے - یہاں پھول عموماً مہنگے ہوتے ہیں اور نہایت گراں یہ ہار ہمارے ہاں کے ہاروں سے بالکل مختلف ہیں - یہ ہار شاخ پھول اور پتوں سے بنائے جاتے ہیں - قبر پر چڑھانے کے نہایت مہنگے ہیں - پانچ شلنگ یعنی پونے چار روپیہ سے لے کر اسی روپیہ تک ملتے ہیں - نہایت قریب کے عزیز ہار چڑھاتے ہیں اور دوست وغیرہ عموماً پھول - اس وقت تک قبر خام ہے ، لیکن رفتہ رفتہ اس پر پختہ تعویذ بنا دیا جاوے گا اور لوح تربت پر مردہ کی عمر ، نام ، تاریخ پیدائش اور وفات درج ہوگی - یہ گویا لازم ہے - اکثر اوقات مردہ کی مخصوص صفات سنگ تربت پر درج ہوتی ہیں - اور یہ عبارتیں جب کہ مختلف قبروں پر مطالعہ میں آتی ہیں انسان کے دل پر ایک اچھا اثر پیدا کرتی ہیں - اس قسم کی مثالیں ہمارے ملک میں شاذ ہیں - اگر نامناسب نہ ہو تو چند مثالیں اس قسم کی ذکر کرتا ہوں -

معمولی اشخاص کی قبروں پر اس قسم کے فقرے کندہ ہوتے ہیں : «یہ سعادت مند فرزند ، محبت کرنے والا خاوند اور مہربان باپ تھا» گویا اس میں مردہ کے تمام تینوں فرائض کی ادائیگی کا اقرار ہے جو ہر انسان کامل پر واجب اور لازم ہیں - یا «یہ جنگ واٹرلو کے شہیدوں میں سے ہے» یا «یہ مشہور سیاح نامور ادیب اور اچھا مہندس تھا» - بعض وقت اسباب موت ظاہر کیے جاتے ہیں مثلاً «آتش زدگی سے مرا» یا «پانی میں ڈوب کر مرا» - عورتوں کی قبر پر بھی اس قسم کے فقرات درج ہوتے ہیں «ناز پرور بیٹی نامراد بیوی اور سچی ماں» - بعض وقت مرنے والے خود وصیت میں کوئی نہ کوئی فقرہ اپنے لیے تجویز کر لیتے ہیں اور اس قسم کے شعر یا فقرے جب کہ شاعروں کی زبان سے نکلتے ہیں نہایت درد خیز اور عبرت ناک

ہوتے ہیں ، اگرچہ ہمارے شاعروں کے شعروں کی طرح لطیف نہیں ہوتے ۔ اس موقعہ پر میں دو تین مثالیں دونوں ملک کے شعرا کے انتخاب کی دوں گا ۔ بہرحال اس معاملے میں فارسی شعرا کو میں کامل مانتا ہوں ۔ انگریز شعرا ان کے مقابلے میں اجڈ اور گنوار معلوم ہوتے ہیں ۔ میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ مجھ کو فارسی سے قدرتاً لگاؤ ' ہے' نہیں امر واقعی یہی ہے ۔

سر آئزک (اسحاق) نیوٹن کی تربت پر یہ عبارت خود مرحوم کی تجویز کردہ لکھی ہوئی ہے : «یہ مقام آئزک نیوٹن کا فانی جسم رکھتا ہے جس کو فطرت ، وقت اور آسمان نے لازوال بنا دیا ہے» ۔ پوپ ایڈرین (چارمین) کے مزار پر یہ الفاظ سی کے قلم سے نکلے تحریر ہیں : «پوپ ایڈرین (چہارم) یہاں سوتا ہے جس نے اپنی تمام عمر میں حکومت کرنے سے زیادہ کوئی ناخوش تجربہ نہیں کیا» ۔ سینٹ پال گرجا (واقع لندن) میں سر کرسٹوفر رین کی قبر پر یہ الفاظ کندہ ہیں : «اگر اس کی یادگار تلاش کرو تو یہیں اردگرد دیکھ لو» واضح رہے یہ شخص اس گرجا کا مہندس تھا اور یہ عظم‌الشان گرجا اسی کی رائے سے تعمیر ہوا تھا ۔ کونٹ سیٹر کووسکی کی قبر پر یہ جملہ تحریر ہے جو حسب حال ہے «ٹھہراو سورج گردش نہ کر» ۔ اس کونٹ نے یہ ثابت کیا تھا کہ شمس ثابت ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے ۔ ایک بخیل کی قبر پر کسی ٹھٹھولی شاعر نے دو شعر درج کیے ہیں «یہاں سوتا ہے ایک کنجوس جو ٹکے بچانے کے لیے مر گیا» ۔ سویڈن کے ایک مشہور جنرل کی قبر پر درج ہے «شاد آخرکار» ۔ جنرل واشنگٹن فاتح امریکہ کی قبر پر صرف اس قدر درج ہے «واشنگٹن» ۔ انگریزوں کا خدائے سخن اور ملک‌الشعرا شیکسپیر کی قبر پر اسی کے دو شعر درج ہیں «دوست برائے مسیح ان سنگ ریزوں کو نہ چھیڑ ۔ لعنت اس پر جو ان پتھروں کو بکھیرے گا شاباش اس کو جو ان کو جمع کرے گا» ۔

اس موقعہ پر مجھ کو ایک اور کتبہ یاد آیا جو میں نے برٹش میوزیم میں دیکھا تھا ۔ ملک ولد حسین کوئی شخص تھے ۔ ان کی قبر پر ایک قطعہ کندہ تھا ۔ وہ قطعہ بجنسہٖ یہاں لایا گیا ہے ۔ دسویں صدی ہجری میں ان صاحب نے وفات پائی ۔ وہ قطعہ یہ ہے ۔ پہلا شعر تو خیر بھرتی ہے لیکن دوسرا شعر لاجواب ہے :

درون قبر گر آہے کنم از سینۂ چاکم
شود ہریاں اگر مرغے نشیند بر سر خاکم
پس از مرگم نسوزد ہیچ کس بر جان غمناکم
مگر شمع بسوزد گاہ گاہے بر سر خاکم

مزنگ میں میں نے ایک قبر پر یہ شعر دیکھا تھا :

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

انارکلی کی قبر پر جہانگیر نے یہ شعر اور فقرہ کندہ کرایا تھا :

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را
آہ گر من باز بینم روئے یار خویش را
(مجنوں سلیم اکبر)

لیکن زیب‌النسا کا شعر خود اس کے مزار پر سب سے زیادہ لاجواب ہے :

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

حزیں ، صائب وغیرہ کے کتبہ جات تو مشہور ہیں - ہمارے ہاں جس طرح تاریخ وفات لکھنے کا چرچا ہے وہ انگریزوں میں نہیں - حروف ابجد تو ان میں بھی موجود ہیں -

اب میں کچھ حالات ہمارے کالج کے گرائڈ ڈنر کے ذکر کرتا ہوں -

اس روز لنکز ان میں ایک خاص ڈنر ہوتا ہے جس میں دیگر افاسر بھی مدعو ہوتے ہیں اور طلبا کو مہمان لے جانے کی اجازت بھی دی جاتی ہے - اس جلسہ کے کرسی نشین عموماً پرنس آف ویلز ہوتے ہیں لیکن ان کی غیر حاضری میں صاحب ٹریزرر تشریف لاتے ہیں - اس دفعہ بڑے بڑے جلیل‌القدر امراء ، ڈیوک ، ارل ، کونٹ ، ممبران پارلیمنٹ ، سفرائے دول خارجہ مدعو تھے - ان کی آمد کے لیے ان کے دروازے پر شامیانہ تانا گیا تھا گویا اور دنوں سے زیادہ تکلف کیا گیا - طلبا دوسرے دروازے سے آتے تھے اور مہمان وغیرہ دوسرے راستے سے - اور دنوں ہمارا ڈنر چھ سے شروع ہو کر سات بجے ختم ہو جاتا ہے لیکن اس روز ڈنر سات بجے شروع ہوا اور دس بجے تک جلسہ رہا - کھانا کہیں نو بجے ختم ہوا - طلبا کے علاوہ سو ڈیڑھ سو مہمان تھے - ہم میں اور مہمانوں میں فرق یہ تھا کہ مہمان کرسیوں پر تھے اور ہم طلبا بنچوں پر - کھانے کے کمرے میں آتے وقت جس طرح طلبا سیاہ گون روزمرہ پہنتے ہیں اسی طرح مہمانوں کے لیے بھی گون تھے - یہ گون صرف اس لیے دے جاتے ہیں کہ اول تو کھانے کے داغ دھبوں سے کپڑے خراب نہ ہوں - دوسرے تمام حاضرین ایک لباس میں نظر آویں - گون پہننے کے بعد لباس تمام چھپ جاتا ہے - اب اگر کچھ فرق رہتا ہے تو وہ قدرتی رہتا ہے یعنی رنگوں کا - تو اس اعتبار سے یہاں سب ہی قسم کے لوگ تھے - یورپین میں سے

امریکن ، فرانسیسی ، جرمن ، اسکاچ ، آئرنیز ، روسی اور انگریز تھے ۔ ایشیائیوں میں سے عموماً ہندوستانی اور ہندوستانیوں میں بھی تمام رنگوں کے لوگ ۔ پارسی چمپئی رنگ کے زردگوں ، بنگالی پستہ قد اور گندم گوں ، برہمی بالکل چینیوں سے ملتے جلتے ، پنجابی سانولے ، علیٰ ہذا سندھی ۔ علاوہ ازیں دو جاپانی ، تین چار مصری عیسائی ، افریقہ سے حبشی کافر ۔ یہاں کافر کا استعمال باعتبار رنگ کیا گیا ہے نہ بلحاظ مذہب ۔

اب ہم کھانے والوں میں تفرقہ ہوتا ہے ۔ بعض گوشت خوار ہیں بعض سبزی خوار جو گوشت نہیں کھاتے ۔ بہت سے انگریز گوشت نہیں کھاتے ۔ یہ لوگ ویجیٹیرین (سبزی خوار) کہلاتے ہیں ۔ اب گوشت خواروں میں بھی کئی تقسیمیں ہیں ۔ پہلی تقسیم میں وہ لوگ ہیں جن کو کسی قسم کے گوشت سے پرہیز نہیں جو رواجاً مستعمل ہے ۔ انگریزوں کو گوشت میں کچھ پرہیز نہیں ، اس میں وہ رسم کے پابند ہیں ۔ دوسری تقسیم میں وہ لوگ ہیں جو کسی خاص گوشت کے کھانے سے پرہیز کریں مثلاً مسلمان ۔ یہاں خنزیر بھی عموماً دعوتوں کے موقعوں پر ہوتا ہے ۔ تیسرے ہندو انہیں گائے سے پرہیز ہے ۔ گویا ہندو مسلمان اضداد میں سے ہیں ۔ ایک گائے کھاتا ہے ، دوسرا اس کے خلاف ۔ ایک خنزیر کھاتا ہے ، دوسرا اس کے خلاف ۔ اس لیے ہمیں اپنی اپنی نشست دیکھ کر لینا ہوتی ہے ۔

نو بجے قریباً کھانا ختم ہوا ۔ صاحب کرسی نشین نے معمولی تقریر کی ۔ اس کے بعد حاضرین کا شکریہ ادا کیا گیا ۔ ان کے جام صحت پئے گئے ۔ کامیاب طلبا کو ، ان سے پابندی قانون سوسائٹی کی قسمیں لے لے کر ، ان کو خطابات اور ڈگریاں دے دی گئیں ۔ انعامات تقسیم ہوئے ۔ کامیاب طلبا میں پانچ سات انگریز ، ایک حبشی ، دو ہندوستانی تھے ۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا ۔ مہمانوں میں یہ لوگ مدعو تھے ۔ بعض مشہور لوگوں کے نام لکھ دیتا ہوں :

صاحب ٹریزرر ۔ ان کے دائیں بائیں سفرائے دول خارجہ تھے ۔ ایک طرف سفیر امریکہ ، دوسری طرف سفیر جرمنی ۔ فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹ سپیکر ہاؤس آف کامنز ، آنریبل روڈلف سالسٹر جنرل کینیڈا ، مونسیو چٹو مقنن فرانس ، سرفراسٹ ریکارڈ آف لندن ، مسٹر کایر وائس چانسلر لنکاسٹر ، رائٹ آنریبل لیونارڈ ایچ ۔ کوائنی ، لارڈ جسٹس میتھیو ، لارڈ چانسلر ، رائٹ آنریبل الفریڈ لائی ٹن، مسٹر میسل رسل وغیرہ وغیرہ ۔

اب ہماری عید یا لندن میں عید کے حالات مختصراً عرض کرتا ہوں ۔ اگرچہ گذشتہ سال کی طرح سے دھوم دھام سے نہیں ہوئی لیکن جو کچھ ہوئی غنیمت ہے ۔

اٹھائیس ماہ حال کو یہاں ہم لوگوں نے عید منائی - میں قریباً دس بجے کپڑے بدل کر شیخ عبدالقادر صاحب کے ہاں چلا گیا - اس سے اگلے روز میرے ان کے وعدہ ہو گیا تھا - آج میرے لباس میں اور دنوں سے یہ فرق تھا کہ سر پر انگریزی ہیٹ کی بجائے ترکی ٹوپی تھی - گلیوں سے گذرتے ہوئے اکثر راہ گیروں نے دیکھا اور چونکہ ترکی ٹوپی اور سانولا رنگ مجھ کو ان سے ممیز کرتا تھا اس لیے خواہ مخواہ ان کے لیے ایک عجوبہ تھا - ایسی حالت میں انسان میں ایک قسم کی بے چینی یا جھجک پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خواہ مخواہ تمام کی نگاہیں ایک شخص پر آ کر ٹھہرتی ہیں - ابتدا میں یہ جھجک مجھ کو زیادہ بے آرام کرتی تھی لیکن اب تو عادی ہو چلا ہوں -

شیخ صاحب کا مکان آیا - ابھی تک حضرت کھانے سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے - مجھ کو دیکھ کر بولے - تو مجھ کو بھی ترکی ٹوپی پہننا پڑی - شیخ صاحب کے ساتھ ایک اور شخص رہتے ہیں مسٹر عبدالعزیز (یہ صاحب سول سروس میں داخل ہیں) انھوں نے بھی حرصا حرصی ترکی ٹوپی پہنی - اتنے میں مسٹر بشیر احمد خلف پیرزادہ محمد حسین[1] جج بھی تشریف لے آئے - آپ کے سر پر حسب معمول انگریزی ٹوپی تھی - انھیں دیکھ کر شیخ صاحب بولے ، بھئی تم ہمارا کام خراب کرو گے - ہم سب سرخ پوش ہیں - تم عید کے دن بھی ماتمی ٹوپی لگائے ہوئے ہو - انھوں نے عذر کیا کہ ان کے پاس ترکی ٹوپی نہیں ہے خیر چونکہ وقت تنگ تھا اس لیے ہم فوراً گھر سے روانہ ہوئے - ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا - برقی ریلوے کے اسٹیشن تک ہم پیدل گئے - وہاں سے ریل میں سوار ہوئے - انگریزوں کے لیے ہم لوگ تماشہ تھے - اس پر شیخ صاحب نے کہا دیکھو بھئی اختلاف رنگ و لباس کیا شے ہے، کچھ بھی نہیں - لیکن پھر بھی یہ لوگ ہمیں کس قدر اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں - میں نے کہا، لیکن آپ ہندوستان کا تصور کیجیے - جب کوئی انگریز ہمارے شہر کی گلیوں میں

۱- پیرزادہ محمد حسین ، پنجاب یونیورسٹی کے ثمرہائے اولیں میں شمار کیے جاتے ہیں - شاہ عبدالحکیم مہمی کے اخلاف سے تھے - ۱۰- ستمبر ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوئے سنہ ۸۳-۱۸۸۲ء میں اورینٹل کالج سے ایم - اے (فارسی) کیا تھا - دہلی میں ڈسٹرکٹ جج رہے پھر چیف جج ہو کر کشمیر چلے گئے - ان کی منظومات «مخزن» میں شائع ہوا کرتی تھیں - «عارف» تخلص کرتے تھے - کئی کتابوں کا ترجمہ کیا - ۳۰- مارچ ۱۹۲۸ء کو دہلی میں انتقال ہوا - بشیر احمد صاحب کے مضامین بھی مخزن میں چھپا کرتے تھے - یہ زیادہ تر انگریزی انشائیوں وغیرہ کے تراجم ہوتے تھے یہ بار ایٹ لاء تھے اور اسی جہاز میں ولایت گئے تھے جس میں علامہ اقبال تشریف لے گئے تھے - (مرتب)

آ جاتا ہے تو لڑکوں کا غول کا غول اس کے پیچھے ہو جاتا ہے ۔ شکر کیجیے یہ معاملہ نہیں ہے ورنہ ناک میں دم ہو جاتا ۔ بولے ہاں یہ بات حیرت انگیز ہے ۔ اصل یہ ہے یہ قوم فرداً فرداً آراستہ اور مہذب ہے اور ہمارے ہاں تہذیب صرف چند افراد میں ہے اور باقی بالکل نیم شائستہ ۔

برٹش میوزیم سٹیشن پر ہم ریل سے اترے وہاں سے ہوبرن ریسٹرا کا راستہ لیا ۔ یہ ریسٹرا عوام کے جلسوں کے وقت کرایہ پر مل جاتے ہیں ۔ اس لیے جلسے اور میٹنگ اس قسم کے مقامات پر ہوتے ہیں ۔ یہاں ہمارے لیے ایک بڑا ہال نماز کے واسطے لیا گیا تھا ۔ دروازہ پر ملازم کھڑا تھا ۔ ہمیں دیکھتے ہی ہمارا رہبر ہو گیا ۔ ریسٹرا میں گھس کر کئی موڑ اور زینے طے کرتے ہوئے ہم لوگ نماز کے ہال قریب ۔ یہاں ایک ہندوستانی صاحب نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں کمرے میں لے گئے ۔ کمرے میں قریباً چالیس ہندوستانی اور تھے اور تمام بے قاعدہ کھڑے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے ۔ ایک طرف دیوار دوز انگیٹھی میں آگ روشن تھی ۔ یہاں دستور ہے کمرے میں آتے وقت ٹوپی اتار دیا کرتے ہیں لیکن چونکہ ہم ترکی ٹوپی میں تھے اس لیے ہم نے ٹوپی نہیں اتاری ۔ ایک طرف چھتریاں رکھیں دوسری جگہ اپنے اپنے اوور کوٹ اتار دیے ۔ اس وقت تک تمام لوگ ہوٹ پہنے ہوئے تھے لیکن اب سب نے اتارنا شروع کیے ۔ اب نماز کے لیے صف بندی ہونے لگی ۔ جو لوگ ننگے سر تھے انھوں نے اپنے اپنے دستی رومال سروں پر لپیٹ لیے ۔ محمد بحدیر آفندی ہمارے امام تھے ۔ ان کے سر پر ترکی ٹوپی اور اس پر سفید عمامہ لپٹا ہوا تھا ۔ جسم پر ایک سیاہ عبا تھی ۔ خیر تکبیر ہوئی اور امام نے اللہ اکبر کہا ۔ ہم سب نے نیت باندھی ۔ ہمارا منہ قبلہ کی طرف تھا لیکن نہ ہندوستان کی طرح سے مغرب میں بلکہ مشرقی گوشہ میں ۔ خیر نماز خیریت سے ادا ہوئی ۔ اب امام صاحب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا ۔ خطبہ میں سلطان وقت کے نام کی بجائے پہلے سلطان غازی عبدالحمید خاں کا نام پڑھا گیا ، اس کے بعد سلطان عبدالمجید خاں کا ، اس کے بعد سلطان محمود خاں کا ۔ اور پھر اللہ اکبر کے نعروں سے تمام ہال گونج اٹھا ۔ خطبہ اور دعا کے ختم ہونے کے بعد مسٹر عبداللہ المامون سہروردی نے رمضان المبارک کے تقدس اور برکت کے اظہار میں انگریزی میں ایک مختصر سی تقریر کی جس میں رمضان المبارک کے متعلق تمام حدیثیں ، روایتیں بیان کیں ۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا اور ہم ایک دوسرے سے گلے ملے ۔ اس وقت امام صاحب نے اٹھ کر کہا کہ آج سفیر ترکی تمام حاضرین نماز سے عید سعید کی تقریب پر ملنا پسند کریں گے ۔ جو صاحب ان سے ملنا چاہتے ہیں خوشی کے ساتھ تشریف

لے جاویں ۔ اس پر کئی اصحاب متفق ہوئے ۔ شیخ صاحب نے مجھے کہا اگر تم ان لوگوں کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ ورنہ میں تین بجے جاؤں گا ۔ اس وقت سفیر صاحب سے باتیں بھی اچھی طرح ہوں گی اور اس وقت ہجوم میں باتوں کا لطف نہیں رہے گا ۔ میں نے کہا ، جیسے آپ کی مرضی ، میں تین بجے آپ کے مکان پر آ جاؤں گا ۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ جب سفیر ترکی کے چلتے ہو تو کیا وجہ سفیر ایران کے ہاں نہ جاویں ۔ بولے ، انھوں نے ہمیں بلایا نہیں ۔ میں نے کہا ، اگر نہیں بلایا تو بن بلائے سہی ۔ آج کے دن میں کچھ حرج نہیں ۔ بولے اتنا وقت کہاں کہ دونوں جگہ جاویں ۔ اور میں ایک صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں ۔ انھوں نے سوبوں میں بلایا ہے اور یہ ترغیب زبردست ہے ۔

اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ میں پہلے سفیر ایران کے ہاں جاؤں اور ان سے آیندہ کے لیے اس قسم کے موقعوں پر باز دید کی اجازت لوں ۔ بعد ازاں تین بجے تک شیخ صاحب کے ہاں پہنچ جاؤں ۔ وہاں دو تین اور شخص ہوں گے ، ان سے ملاقات کروں اور بعد میں سب مل کر سفیر ترکی کے ہاں جاویں ۔ اس کے بعد ہم سب ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ۔ میں حسب تجویز سیدھا کارنوال ہاؤس پہنچا ۔ اس محل میں سفیر ایران تشریف رکھتے ہیں ۔ دروازہ پر محراب میں دولت ایران کا شاہی نشان کھدا ہوا ہے اور محل پر ایرانی شاہی نشان لہرا رہا ہے ۔ میں نے ملاقاتی گھنٹی جو دروازہ پر نصب تھی ہلائی ۔ جواب میں چند منٹ کے بعد ایک ملازم آیا اور مجھ کو اندر لے گیا ۔ میں نے اس کو اپنا کارڈ دے دیا ۔ وہ مجھ کو نشست کے کمرے میں چھوڑ گیا ۔ میرا خیال تھا کہ ایرانی سفیر کا محل تمام ایرانی شیشہ آلات اور قالینوں سے سجا ہوا ہوگا اور اسی کے زیادہ تر مجھ کو دیکھنے کی آرزو تھی ۔ لیکن اس میں مجھ کو یک قلم مایوسی ہوئی ۔ ملازم انگریز ، محل انگریزی وضع کا اور محل کی تمام اشیاء انگریزی ساخت کی ۔ میرا خیال تھا کہ آج کے دن تو سفیر صاحب کم سے کم مکان پر تشریف فرما ہوں گے اور ایرانی دستور کے مطابق دربار لگا ہوگا لیکن اس امید میں بھی مایوسی دیکھنا پڑی ۔ سفیر صاحب خود بدولت جنرل مرزا محمد علی خاں علیہ السلطنت باہر تشریف فرما تھے ۔ ان کے کونسلر مرزا مہدی علی خاں معین الوزرا بھی انھی کے ہمراہ تھے ۔ اور ان کے دونوں سیکریٹری مرزا عبدالغفار خاں اور مرزا حسین خاں موجود تھے ۔ مرزا حسین خاں تشریف لائے ۔ انھوں نے گفتگو انگریزی میں شروع کی لیکن جواب میں نے فارسی میں دیا ، مردے ہستم اجنبی از دیار ہند ۔

مرزا 'اسم مبارک'

میں 'حافظ محمود'

انھوں نے کارڈ پر نظر ڈالی ۔ میں نے کہا 'ایچ ایم اختصار اسم منست چنانکہ دستور اہل اروپا است ۔

مرزا 'بسم اللہ بسم اللہ'

اس کے بعد میں نے حرف مطلب کہا: 'خواستم کہ بتقریب عید سعید شرف اندوز باز دید عالی السلطنت شوم و ہمیں توقع دیگر اصحاب من کہ از ممالک ہندی آیند از جناب علی السلطنت سی دارند۔ حالا از پیش خدمت معلوم می شد کہ جناب شان تشریف ندارد۔

مرزا : 'اگر فردا وقت چاشت مے آئی خیلے بہتر است'۔

میں : 'من اندیشناک ہستم کہ فردا وقت چاشت فرصت ندارم یا کسے دیگر وعدہ داد ستم' ، اس کے بعد انھوں نے کہا 'ادریس شما چیست' ۔ اس پر میں نے اپنا پتہ ان کو دیا یعنی وقت مناسب پر وہ سفیر صاحب سے پوچھ کر مجھے بلا لیں گے ۔اس کے بعد انھوں نے گوڈ بائی اور میں نے خدا حافظ کہا اور رخصت ہوا ۔

وہاں سے میں سیدھا شیخ صاحب کے ہاں پہنچا ۔ شیخ صاحب گھر پر نہیں تھے بلکہ ان کا ایک تار ان کے مالک مکان کے نام آیا ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ شیخ صاحب نہیں آ سکتے ۔ مالک مکان نے مجھ کو وہ تار دکھایا ۔ اتنے میں مسٹر عبدالعزیز آئے اور بولے ، شیخ صاحب یہاں نہیں آویں گے ۔ آپ کو اگر سفیر صاحب کے ہاں جانا ہے تو خود ہی جائیے ۔ یہی انھوں نے بغدادی صاحب کو لکھا ہے ۔ اگر آپ کچھ دیر ٹھہریں تو وہ بھی آتے ہوں گے ۔ اسی عرصہ میں بغدادی صاحب آئے ۔ میں ان سے پہلے سے واقف نہیں تھا ۔ مسٹر عبدالعزیز نے مجھ کو ان سے مسٹر عبدالمجید کے نام سے ملایا ۔ یہ صاحب بغداد کے ہیں ۔ فارسی عربی میں گفتگو کر سکتے ہیں ۔ عربی مادری زبان ہے ۔ یہاں انگریزی سیکھنے کی غرض سے آئے ہیں اور دو سال سے تشریف رکھتے ہیں ۔ آپ حاجی بھی ہیں اور ساتھ ہی سلسلۂ تجارت میں ہیں ۔ اس وقت تک انگریزی پر کلی مہارت نہیں ہے ۔ یہ بھی اس وقت میری طرح آئے تھے اور یہ معلوم کرکے کہ میں فارسی جانتا ہوں ، میرے ساتھ سفیر صاحب کے ہاں جانے کے لیے راضی ہو گئے ۔ ان سے فارسی میں باتیں کرتے وقت بڑا لطف آیا ۔ سفیر صاحب کے ہاں جاتے وقت میں نے پہلے سے تمام مضمون فارسی میں سوچ رکھا تھا لیکن ان کے ساتھ اچانک فارسی میں باتیں کرتے ہوئے انگریزی الفاظ خلط ملط کرنے لگا اور یہ تمام بات دماغ پر منحصر ہے ۔ اگر ہم دماغ میں کسی زبان میں سوچتے ہیں تو قدرتاً اسی زبان میں گفتگو کریں گے ۔ اب مجھ کو انگریزی میں سوچنے کی عادت ہوگئی ہے ، بے تکان فارسی نہیں بول سکتا اور نہ ہی پہلے سے مشق ہے ۔ یہی حالت اردو کی ہے ۔ بعض وقت ایک ایک لفظ کو منٹوں سوچتا ہوں

۱۔ اس سے پہلے علیہ السلطنت لکھا ہے اور یہاں اور اس کے بعد علی السلطنت (مرتب)

جب کہیں ملتا ہے ۔ انگریزی الفاظ جلد مل جاتے ہیں لیکن فارسی دیر میں ۔ خیر ان سے بڑی لمبی باتیں ہوئیں اور میں وہ تین گھنٹہ تک ساتھ رہے ۔ قریباً ساڑھے چار بجے ہم سفیر صاحب کے ہاں پہنچے ان کا مکان ۱۸۹ نمبر کوئنز گیٹ میں واقع ہے ۔ مکان پر ترکی ہلال لہلہا رہا ہے ۔ حسب معمول گھنٹی بجائی ۔ نوکر نکلا ، ہمیں اندر لے گیا ۔ سفیر صاحب موجود تھے ، ان سے ہاتھ ملایا ۔ چونکہ میں نے اپنا کارڈ نوکر کے ہاتھ بھیجا تھا اس لیے میں ہی آگے تھا ۔ پہلے میں نے اپنا نام لیا ۔ انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا ۔ بعد میں میں نے بغدادی صاحب کو حاجی عبدالمجید کے نام سے معرف کرایا اور کہا کہ یہ صاحب ٹرکش سبجیکٹ (رعایائے سلطان) ہیں اور میں ہندی نژاد اور نیٹو پرنس (ہندی شہزادہ) کی رعیت ہوں ، جو برٹش گورنمنٹ سے دوستی کا معاہدہ رکھتے ہیں ۔ میں مسلمان ہوں ۔ میں ، میرے ہم وطن نیز ہمارا حکمران شہزادہ، سلطان المعظم سلطان عبدالحمید خان غازی کو امیرالمومنین اور خادم حرمین الشریفین اور دنیائے اسلام کا گرینڈ ماسٹر (پیشوا ، سردار ، سید) مانتے ہیں ۔ اس ملک میں چونکہ آپ ہمارے امیرالمومنین کے نائب ہیں اس لیے آج کے دن کی خوشی میں ، جب کہ تمام دنیائے اسلام جشن عید منا رہی ہے ، میں اور میرا دوست آپ کو مبارک باد دیتے ہیں ۔ اس قسم کی تقریر اس لیے تھی کہ سفیر ترکی عیسائی اور یونانی عیسائی ہیں ۔ ان میں اور انگریزوں میں فرق صرف یہ ہے کہ سفیر صاحب کے خط و خال اعلیٰ درجے کے تھے اور رنگ انگریزوں کی بہ نسبت گہرا تھا ۔ یہاں بھی مکان کی آرائش کے متعلق وہی مایوسی مجھ کو ہوئی جو سفیر ایران کے محل میں ہوئی تھی ۔ سفیر صاحب کا جواب صرف ''میں خوش ہوں'' اور ''پاشا ہم چوق یشا'' (خدا ہمارے پادشاہ کا حافظ و ناصر) تھا ۔ اس جملے کے کئی معنی مجھ کو بغدادی صاحب نے بتائے ہیں ۔ وہ تھوڑی سی ترکی جانتے ہیں ۔ اس کے بعد ملاقات ختم ہوئی ۔

میں بغدادی صاحب کو اپنے ساتھ مکان پر لایا ۔ ہم دونوں نے گھر پر چائے پی ۔ میں نے ان کو اپنی تصویریں دکھائیں ۔ عرب وغیرہ کی بابت پوچھتا رہا ۔ یہ صاحب سیاح جہاں گرد ہیں ۔ ایران ، عرب ، مصر اور فرانس میں رہ آئے ہیں ۔ اثناء ذکر میں کہنے لگے کہ انھوں نے دو مرتبہ شیر کا شکار کیا ہے اور بڑے شکاری ہیں ۔ پوچھا انگریزوں کی بابت کیا رائے ہے ۔ بولے فرانسیسیوں میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ فرانسیسی بغیر غرض کے بھی تم سے ملاقات پیدا کرے گا اور اس کو قائم بھی رکھے گا لیکن انگریز بغیر کسی غرض کے تم سے نہیں ملے گا اور غرض پوری ہونے کے بعد یار نہیں ، کہنے لگے میں ہندوستانیوں کو پسند کرتا ہوں ۔ وہ بغیر غرض سے محبت کریں گے ، ملیں گے اور تمھاری عزت کریں گے ۔ میں نے

کہا ، ہندوستانیوں سے آپ کی مراد مسلمان ہندوستانی ہیں یا ہندو۔ بولے میں بت پرستوں کا ذکر نہیں کرتا ، کلمہ گویوں کا کہہ رہا ہوں۔ میں نے کہا ، تب میں آپ کی رائے سے مخالفت کرتا ہوں۔ ہندی مسلمان اگر آپ کی نظر میں آپ سے بے غرض ملتے ہیں تاہم وہ اپنی غرض رکھتے ہیں اور یہ تو دنیا میں قانون فطرت ہے کہ بے غرض آپ کسی سے بات بھی نہیں کریں گے۔ ہندی مسلمانوں کا آپ سے اظہار محبت غرض پر مبنی ہے۔ وہ غرض کیا ہے۔ آپ عرب ہیں اور مسلمان۔ عرب کا تقدس مسلمانوں میں جو کچھ ہے وہ آپ پر روشن ہے۔ ہندوستانیوں میں اور عربوں میں جو تعلق ہے وہ ظاہر ہے لیکن اب عربوں اور انگریزوں کا مقابلہ کرو ، ان میں کس قدر تفاوت ہے۔

محمد بحدیر آفندی ، ہمارے امام ، یہ صاحب سفارت خانۂ ترکی [کے] ساتھ رہتے ہیں اور سفارت خانہ کے امام ہیں ، جو کہ سلطان کی طرف سے مقرر ہیں۔

میں ہر طرح خیریت سے ہوں۔ موسم ان دنوں بہت خراب ہے۔ ابر ہر وقت محیط ہے۔ اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں اور میں چراغ کی روشنی میں یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔ ابر ہونے کی وجہ سے کہر تو غائب ہے لیکن اس کا قائم مقام مینہہ ہے۔ کل دن بھر برستا رہا۔ رات بھر بوندا باندی ہوتی رہی۔ اس وقت بارش موقوف ہے لیکن برفانی ہوا سائیں سائیں چل رہی ہے۔

آج ہمارا کالج بند ہے۔ کوئی لیکچر نہیں۔ دوسری دسمبر کو کالج کرسمس کی تعطیلوں میں بند ہو جائے گا۔ پھر کہیں جنوری میں کھلے گا۔ میں اپنی تعلیم میں بدستور مصروف ہوں۔ محنت میں کمی نہیں کر رہا ہوں۔ آپ دعا کیجیے کہ امتحان میں کامیاب ہوؤں۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار۔

ممکن ہے کہ میرے اور مہربان دوست اور ہمسان حال اس خط کو پڑھ کر کسی قسم کی دلچسپی حاصل کریں ، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اپ ان کو بھی اس قسم کا موقعہ عنایت فرماویں گے۔

وقت تنگ ہو رہا ہے اور میں لکھتے لکھتے تھک گیا ہوں۔ نظر ثانی کرنے کی فرصت نہیں۔ اس لیے میں اسی طرح اس خط کو بھیجتا ہوں۔ امید ہے کہ غلطیوں کو درست کر لیا جاوے گا۔ زیادہ حد ادب۔

فقط

محمود شیرانی

(۲۶)

قبلہ گاہی[1]

شیخ صاحب سے میں ملا تھا ۔ آپ کی تحریر جو کچھ ان کے متعلق تھی ان کو دکھا دی ہے ۔ امید ہے کہ وہ آپ کو لکھیں گے ۔

گذشتہ ہفتہ منگل کو آرنلڈ صاحب نے چاء کے لیے مجھ کو بلایا تھا ۔ چار بجے پہنچا ۔ سات بجے تک وہاں رہا ۔ مختلف مضامین پر باتیں ہوتی رہیں ۔ یہاں انھوں نے مجھ کو ایک یادگار دکھائی جو علی گڑھ کالج کی انجمن 'الفرض' نے ان کو کالج چھوڑنے وقت دی تھی ۔ یہ ایک زربفت کا ٹکڑا ہے اور اس پر زر دوزی میں علی گڑھ کالج اور انجمن الفرض کا نام لکھا ہے اور ذیل میں یہ دو شعر مولانا شبلی نعمانی کے تحریر ہیں :

آرنلڈ آں کہ دریں شہر و دیار آمد و رفت
دلبرے بود کہ مارا بکنار آمد و رفت
آمد آنگونہ بکالج کہ بہ گلزار نسیم
رفت ز آنگونہ تو گوئی کہ بہار آمد و رفت

بعد میں ہندوستان کی اور اشیاء ، مختلف مقامات کی تصویریں دکھاتے رہے ۔ اس میں مولوی محمد شعیب کی بھی ایک تصویر تھی ۔

آج کل کرسمس کی تعطیلات ہیں ۔ تمام لندن میں ایک قسم کی دھوم ہو رہی ہے دوکانیں عجب عجب انداز سے سجائی جا رہی ہیں ۔ لوگوں کی اس وقت یہاں اس قدر کثرت ہے کہ دو قدم پیدل چلنا دشوار ہے ۔ محکمہ ڈاک نے اپنا انتظام خاص طور پر اس موقعہ پر بدل دیا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس سال بھی ہندوستان کی ڈاک دیر یا جلد آجاوے جس سے میں اس وقت تک لا علم ہوں ۔ اگر ڈاک جمعرات کو نکل گئی تو آپ کو یہ خط اس ہفتہ نہیں ملے گا اور مجھ کو اس وقت تک تحقیق نہیں ۔ اخبارات میں اس کی بابت کوئی ذکر نہیں ۔

موسم آج کل خشک ہے ۔ کہر نہیں ہے ۔ سردی البتہ زیادہ ہے ، جس سے شہر میں عموماً فصلی امراض کی شکایت ہے ۔ میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ باقی سب طرح خیریت ہے ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

۱- گو اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں تاہم اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرسمس کی تعطیلات (یعنی ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء) کا تحریر کردہ ہے (مرتب)

(۲۷)

لندن

۲۹ - دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلہ کونین و کعبہ دارین مدظلہ العالی

تسلیمات فدویانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ نوازش نامہ عالی حسب معمول شرف صدور لایا - آں حضرت کے پانووں میں درد کی کیفیت معلوم کرکے سخت تشویش ہوئی - اللہ آں حضرت کو اپنے حبیب کے طفیل سے صحت بخشے اور جملہ امراض اور آفات سے اپنی حفاظت میں رکھے - میں یہاں خیریت سے ہوں - مینھہ اور کہر ہر وقت موجود میں - خیر یہ تو موسم کی کیفیت ہے - میری تعلیم کی کیفیت حسب اطمینان ہے- اپنے کام میں شبانہ روز مصروف ہوں- یہ میری عمر بھر کی خواہش تھی کہ انگریزی آجاوے - اب امید ہو چلی ہے کہ آ جاوے گی - کوشش میں برابر مصروف ہوں - اور خدا کامیابی دے گا - قانون ہر وقت دیکھتا رہتا ہوں اور جب اس کے مطالعہ سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے تو دوسری کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتا ہوں -

مضمون و کٹوریہ البرٹ میوزیم معلوم نہیں اب تک شائع ہوا یا نہیں - جب میرے پاس پہنچے گا ، میں جناب کی خدمت میں بھیج دوں گا -

جناب افضل الامرا منتظم الملک بہادر[1] کی خدمت میں جناب کے حسب الحکم ایک عرضی ارسال کی ہے - میں نے حتی الامکان اس قسم کے امور تحریر کیے ہیں کہ وہ جواب دیں اور اگر نہ دیں تو ان کی مرضی- اسی خط کےساتھ ایک نظم ٹیپوسلطان جو مخزن میں شائع ہو چکی ہے ، بھیج دی ہے اور ایسے لوگوں کو خط لکھنا بھی کارے دارد - خط میں لکھوں تو کیا لکھوں - خیر صاحب زادہ صاحب موصوف کو میں نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے - گو میں نے ان کو ایک ہی مرتبہ دیکھا ہے-

---

۱- صاحب زادہ عبدالرحیم خاں نام تھا - ریاست کی افواج کے جرنیل اور نواب ابراہیم علی خاں کے حقیقی بھائی تھے - علم دوست آدمی تھے - ان کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا تھا جس کے لیے باقاعدہ کتاب دار ملازم تھا - ان کی سرپرستی میں ایک مدرسہ بھی قائم تھا جو مدرسہ ناصریہ کہلاتا تھا - مولانا سیف الرحمن ٹونکی مہاجر کا بل اسی مدرسے میں درس دیتے تھے - مولانا حیدر حسن خاں نے بھی تدریس کا آغاز یہیں سے کیا تھا - عبدالرحیم خاں کا انتقال ۱۰ مئی سنہ ۱۹۲۱ء (یکم رمضان ۱۳۳۹ھ) کو ہوا - ان کی عالی شان حویلی ٹونک کے محلہ مہندی باغ میں ، اسماعیل خاں شیرانی کی حویلی سے تھوڑے فاصلے پر تھی (مرتب)

شروع میں میں نے اپنا شکریہ میرے خط کے ملاحظہ کی بابت ادا کیا ہے ۔ بعد میں ان کے مدرسہ کی بابت جو کہ کئی سال سے ٹونک میں جاری ہے اور جس میں محض دینیات اور عربی فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے ، اس سلسلہ میں صنعت و حرفت کی تعلیم کے اجرا کی درخواست کی ہے اور ساتھ ہی یہ امر ثابت کیا ہے کہ مسلمان اور بالخصوص ٹونک کے مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی سخت ضرورت ہے ۔ بعد میں یہاں کے میوزیم کے لیے ٹونک کی طرف سے چند چیزیں بھیجنے کی درخواست کی ہے اور نواب امیرالدولہ[1] صاحب بہادر اور نواب محمد ابراہیم علی[2] خاں صاحب بہادر کی تصویریں ، ٹونک کے قدیم و جدید سکے مانگے ہیں ۔ بعد میں اپنے حالات اور یہاں کے لوگوں سے ملاقات کا ذکر مختصراً لکھ دیا ہے ۔

صاحب زادہ[3] عبدالمجید خاں صاحب ناظم دیوانی کو میں آج ہی ایک شکریہ کا خط لکھتا ہوں ۔ ولی عہد بہادر[4] کو میں نہیں سمجھتا کیا لکھوں ۔ اگر وہ علی گڑھ کالج دو سال کے لیے گئے تو اس وقت ان سے خط و کتابت کا سلسلہ پیدا کر لوں گا ۔

نماز عیدالفطر کے حالات قلم بند کر چکا ہوں ۔ گذشتہ ہفتہ شیخ عبدالقادر صاحب سے ملنا نہیں ہوا ۔ میرے ہاں حاجی عبدالمجید بغدادی آ گئے تھے ان سے فارسی میں باتیں ہوتی رہیں ۔

۱- نواب امیر خاں بانیٔ ریاست ٹونک مراد ہیں ۔ ولادت ۱۱۸۲ھ (۶۹ - ۱۷۶۸ء) - ایک عرصے تک مہاراجہ ہلکر کی رفاقت میں اور پھر تنہا ایسٹ انڈیا کمپنی سے میدان داریوں کے بعد نومبر ۱۸۱۷ء میں انگریزوں سے ایک معاہدے کے بعد ریاست ٹونک کا قیام عمل میں آیا تھا ۔ امیر خاں کا انتقال ۱۸۳۴ء میں ہوا (مرتب)

۲- ولادت ۱۸۴۹ء ۔ ریاست کے چوتھے نواب تھے ۔ اپنے والد نواب محمد علی خاں کی معزولی کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء کو مسند نشین ہوئے ۔ ۲۳ جون ۱۹۳۰ء کو وفات پائی (مرتب)

۳- ریاست ٹونک کے بانی نواب امیر خاں کی اولاد (نواب وقت کے علاوہ) صاحب زادگان کہلاتی تھی اور یہ لقب ان میں سے ہر ایک کے نام سے پہلے لگایا جاتا تھا (مرتب)

۴- نواب ابراہیم علی خاں صاحب کے بڑے صاحب زادے عبدالحفیظ خاں جو ریاست کے ولی عہد تھے ۔ یہ اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے اسی لیے ابراہیم علی خاں صاحب کے بعد ان کے منجھلے صاحبزادے سعادت علی خاں نواب بنے (مرتب)

ٹونک کے جو نئے ایجنٹ[1] کوٹہ[2] سے آئے ہیں ، ان کا نام بلکہ پورا نام اور عہدہ حسن مجتبیٰ[3] صاحب سے لکھوا کر بھیج دیجیے - ممکن ہے کہ کسی وقت ان کے کسی رشتہ دار سے ملنا ہو جاوے -

ہیہات کز سدیر و خورنق نشان نماند بر آرزوی منذر نعمان گریستم

سدیر عربی اور فارسی سہ دیر ہے - خورنق عربی اور فارسی خور نگاہ مخفف خوردن گاہ ہے -

سدیر اور خورنق یہ دو قدیم عمارتیں تھیں جو نعمان بن منذر کے حکم سے سخار نامی ایک رومی انجینئر نے تعمیر کی تھیں - یہ عمارتیں اغلباً بحیرہ میں تعمیر ہوئی تھیں - ان عمارتوں میں مہندس نے یہ وصف رکھا تھا کہ آفتاب کی گردش کے ساتھ ان کا دروازہ بھی گردش کرتا تھا - یعنی اگر آفتاب مشرق میں ہے تو دروازہ مغرب میں اور اگر آفتاب مغرب میں تو دروازہ مشرق میں - دوسرا وصف یہ تھا کہ اس عمارت پر اس قسم کی استر کاری کی گئی تھی کہ صبح اور شام ، دن اور رات مختلف رنگ بدلتی تھی اور یہ تمام خوبی آفتاب کی شعاعوں کے اثر سے تھی - یہ عمارات نعمان بن منذر نے بہرام گور بن قباد کے واسطے تعمیر کی تھیں - بہرام گور کا بچپن کا زمانہ عرب میں گذرا ہے اور تعلیم بھی نعمان بن منذر کی نگرانی میں پائی ہے - بہرام گور فارسی میں پہلا شاعر گذرا ہے - اس کا یہ شعر مشہور ہے :

منم آں پیل دماں و منم آن شیریلہ نام بہرام مرا کنیت من بوجبلہ

بہرام کی زبان پر عربی کا اثر صرف اسی شعر سے ظاہر ہے - کنیت اور بوجبلہ عربی لغات ہیں - یہ عمارتیں اسلام کے زمانے سے پیشتر ہی برباد ہو گئی تھیں - ان عمارات کی بابت یہ قصہ ، جو اوپر درج ہوا ہے ، صحیح ہو یا غلط لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ عمارتیں اہرام مصری ، قصرالحمرا ، تاج گنج آگرہ کی طرح سے عجائبات میں شمار ہوئیں -

جب یہ عمارات تیار ہو چکیں اور نعمان بن منذر نے انھیں ملاحظہ کیا تو نہایت ہی خوش ہوا اور ایک بڑی رقم سخار کو انعام میں دی - اس پر سخار نے کہا کہ اگر مجھ کو یہ خبر ہوتی کہ نعمان مجھ کو اس قدر گراں بہا انعام دے گا تو میں اس

۱- ہر اہم ریاست میں انگریزوں کی جانب سے ایک پولیٹیکل ایجنٹ رہا کرتا تھا (مرتب)

۲- کوٹہ ، ہاڑا چوہانوں کی ریاست تھی - دہلی بمبئی مین لائن پر ریلوے جنکشن ہے (مرتب)

۳- سید حسن مجتبی صاحب شیرانی صاحب کے گہرے دوست تھے ، سادات قافلہ سے تعلق رکھتے تھے - ان کے نام شیرانی صاحب کے دو خط آگے درج ہیں (مرتب)

سے بھی بہتر عمارت تیار کرتا ۔ نعمان نے یہ سن کر کہا کہ اگر سخار اور کہیں جاوے گا تو ضرور ہے کہ ان عمارات سے بھی بہتر عمارت تیار کرے گا اور پھر میری یہ عمارات جو اس قدر زر کثیر کے خرچ کے بعد تیار ہوئی ہیں کسی شمار میں نہیں رہیں گی ۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ سخار کو دیوار خورنق سے گرا دیں ۔ اس طرح سے وہ نامی مہندس ہلاک ہوا ۔ اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی ۔

اس سال کرسمس کی وجہ سے روانگی ڈاک ہندوستان میں گزشتہ سال کی طرح کوئی وقت تبدیل نہیں ہوا ۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ میرا عریضہ وقت پر پہنچے گا ۔ موسم آج کل نہایت خراب ہے ۔ کہر اکثر گھری رہتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی بارش کا زور ، پھر اس پر سردی غضب ڈھا رہی ہے ۔ شہر میں بیماری کی سخت شکایت ہے ۔

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ آپا صاحبہ[۱] ، دولھا بھائی[۲] ، دادا بھائی[۳] اور اسرائیل دادا بھائی کی خدمت میں تسلیمات ۔ زہرہ بہن[۴] اور وکیل صاحب[۵] کو سلام ۔ باسنی کے مولوی صاحب[۶] (سراج الرحمن خان) کی خدمت میں سلام ۔ خاتون[۷] ، مسعود ، مودود ، مقصود کو دعا ۔ نوری[۸] اور کلن دادی[۹] کو سلام ۔ بابو محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

۱- بڑی بہن

۲- بڑی بہن کے شوہر ، عبدالرحمن

۳- محمد ابراہیم خان ، راجپوتانہ میں بڑے بھائیوں کو دادا بھائی کہنے کا دستور ہے (مرتب)

۴- منجھلی بہن

۵- منجھلی بہن کے شوہر ، نیاز محمد خان ۔ شیرانی پورہ (رتلام) کے رہنے والے اور پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے (مرتب)

۶- چھوٹی بہن کے شوہر ، کچھ عرصہ ناگور کے نواحی قصبے باسنی میں رہے تھے ۔ اس لیے مذاقاً لکھا ہے (مرتب)

۷- چھوٹی بہن۔

۸- شیرانی صاحب کے صاحب زادے محمد داؤد خان (اختر شیرانی) کی ددا (کھلائی) تھیں (مرتب)

۹- پڑوس کی ایک بوڑھی ، نادار ، نابینا خاتون تھیں (مرتب)

(۲۸)

لندن

۴ - فروری سنہ ۱۹۰۶ء

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

آداب تسلیمات کے بعد گزارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں - میری صحت اچھی حالت میں ہے - میرے اوقات بالتمام تعلیم کے نذر ہوتے ہیں - امتحان کے دن قریب آ رہے ہیں اور مجھے ایک قسم کا خدشہ لگا ہوا ہے - خدا کرے یہ زمانہ جلد آوے اور مجھے اس سے نجات ہو - فروری اور مارچ اور درمیان میں ہیں - میری تیاری میرے خیال میں اچھی ہے - خدا کرے پاس ہوؤں - آپ دعا فرماویں اور یہی التجا والدہ سے کرتا ہوں -

ڈنر وغیرہ ختم ہوئے - لیکچر جاری ہیں جو مارچ کے شروع میں ختم ہوں گے - لیکچر تو میں نے گذشتہ سال اس قدر سنے ہیں کہ اپریل تک مجھ کو سننے کی ضرورت نہیں لیکن یہ بھی امتحان میں شرط ہے کہ امیدوار کم سے کم دو تہائی لیکچروں میں حاضر رہ چکا ہو - لیکچروں کے زمانے میں وقت اپنے ہاتھ میں نہیں رہتا - ایک لیکچر کے دو اور گھنٹے ضائع ہوتے ہیں - یہ وقت آنے جانے میں صرف ہوتا ہے - میرا آج کل لوگوں سے ملنا جلنا بالکل چھوٹا ہوا ہے - خواندگی سے اس قدر فرصت نہیں ملتی کہ ملنے جاؤں - ۵ - فروری کو عیدالضحی ہے - امید ہے کہ آپ لوگ یہ مبارک دن خوشی اور مسرت سے گزاریں گے - مجھ کو تو برسوں ہوئے کہ گھر عید نہیں کی - خیر کبھی یہ دن بھی میسر آوے گا - ایک دو ورق رومن لاء کے بھیجتا ہوں - اس سے غرض یہ ہے کہ آپ کو بھی معلوم ہوتا رہے کہ یہ قوم (رومی) اپنے زمانے میں کس قدر ترقی یافتہ رہ چکے ہیں - اب تو اس قوم کو مٹے ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے اور اس مدت میں دنیا نے سینکڑوں رنگ بدلے - ہزاروں انقلاب آئے - تمدن ترقی کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا پہنچا لیکن قدامت کی تاریخ میں اس قوم کا نام عرب سے پہلے اور یونان کے بعد سنہری حرفوں میں لکھا ہوا ہے - عرب سے اس قوم کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ رومی اگرچہ عربوں سے مقدم تھے لیکن تمدن میں عرب سے افضل ہیں - عرب کا زمانہ ایک حباب کا سا زمانہ تھا ، ادھر آیا ادھر گیا ، ہم مسلمان ، اسلام کی وجہ سے ، خواہ اپنی نگاہ میں تمام دنیا پر فوقیت دیں لیکن اصل یہ ہے کہ وہ مقابلتاً رومیوں سے بہت کم ہیں - یورپ کو ابھی تک روم کی اس قدر تاریخ بھی معلوم نہیں کہ اس قوم کی حکومت کی حد بندی کر سکیں - یہ ایک بالکل تاریک مسئلہ ہے اور تمام تاریخیں

اس باب میں خاموش ہیں ۔ افریقہ میں ان کی سلطنت کا آج تک پتہ نہیں چلا ، کہ کہاں تک بڑھی ۔ افریقہ کے ممالک متوسط کی پرانی یادگاریں جو اس زمانہ میں برآمد ہو رہی ہیں ، ان سے پتہ چلتا ہے کہ رومی افریقہ کے سینہ تک پہنچ گئے تھے ۔ ہندوستان کے متعلق یہ ایک غیر مفصل شدہ مسئلہ ہے کہ رومیوں نے ہندوستان میں بھی اپنی کوئی آبادی قائم کی یا نہیں ۔ ہندوستان سے سینکڑوں ایسی اشیا برآمد ہوئی ہیں جن سے رومی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اشیاء ہندوستان کیونکر پہنچیں ۔ ایران میں ان کے عروج کے آثار برآمد ہوئے ہیں اور آخر یہ ماننا پڑتا ہے کہ انگریزوں کی طرح ان کی سلطنت تمام دنیا پر تھی ۔ اس وقت انگریز خود مانتے ہیں کہ سلطنت کی وسعت میں رومی انگریزوں سے بڑھے ہوئے تھے ۔ فقط

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو دعا ۔ جملہ پرسان حال کو سلام ۔

محمود

(۲۹)

18 Sinclair Road,
Kensington, London

لندن، فروری ۱۵ سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام افضالکم

میں اس وقت اجازت مانگتا ہوں کہ ان صفحات میں مختصراً عیدالضحیٰ کے حالات مندرج کروں کیونکہ میرا خیال ہے آپ اور دیگر اہل وطن لندن کی عید کے حالات سننے کے منتظر ہوں گے ۔ اس کے لیے مجھ کو واپس دو شنبہ پانچ فروری کے دن میں جانا ہوگا ۔ مجھ کو علم نہیں کہ ہندوستان میں کس روز عید قربان ادا کی گئی ۔ مصر میں جیسا کہ مجھ کو علم ہے چار فروری کو ہوئی تھی یعنی لندن سے ایک روز پیشتر[1]..... بولے[2] اس میں راز کی کونسی بات تھی ۔ یہی مشورہ تھا کہ لندن کیونکر فتح کریں ۔ اس کے بعد فارسی میں بولے، میگفتم

۱۔ اس انتہائی دلچسپ مکتوب کے پہلے دو ورقوں کا نیچے کا نصف حصہ غائب ہے جس کے باعث اس میں چار مقامات پر خلا آتے ہیں جن کے پر کرنے کی کوئی صورت نہیں ۔ (مرتب)

۲۔ یہ حاجی عبدالمجید بغدادی کی گفتگو ہے ۔ اس سے پہلے مکتوب نمبر ۲۵ میں ان کا تعارف ہو چکا ہے ۔ (مرتب)

کنگ ایڈورڈ را مے گیریم، مسلمان مے کنیم و بخانۂ کعبہ مے بریم تا حاجی شود ہمچو من و ہم مجاور روضۂ آنحضرت صلعم شود - میں نے اس کا ترجمہ کر سنایا - سب کے سب ہنس پڑے - حاجی صاحب اپنے مذاق سے باز نہ آئے - بولے، حالا او کنگ (بادشاہ) ایڈورڈ ہست - بعدش حاجی کنگ ایڈورڈ مے شود - اس ظرافت کی بھی ہم نے داد دی - ایک میم صاحب بولیں، دیکھو، ہندوستانی اتنے نڈر یا گستاخ نہیں ہوتے جیسے یہ عرب ہیں - میں نے کہا، ہم ہندوستانیوں کو وہ آزادی کہاں حاصل ہے جو اس قوم عرب کو حاصل ہے یا جو انگریزوں کو حاصل ہے - ہماری زبانیں بھی اسی طرح بند ہیں جس طرح ہمارے ہاتھ - سڈیشن لاء[1] نے سب کو باندھ دیا ہے - ایک صاحب بولے مسٹر شیرانی میرا خیال تھا کہ تمہاری زبان تمہارے منہ میں ہے لیکن معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے، وہ سڈیشن لاء کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، میں یہ سن کر نہایت غمگین ہوں، اس کے لیے میری دلی ہمدردی قبول کیجیے - میں نے جواب میں کہا، مشکور ہوں لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ[2]..... سما سکتے ہیں - یہ گاڑیاں ہزاروں کی تعداد میں لندن کے گلی کوچوں میں دن رات چلتی رہتی ہیں - ایک خاص مقام تک ہم لوگ بس میں رہے - وہاں سے ایک دوست کے مقام پر پہنچے، مسٹر غلام محمد - یہاں ہمیں میر ایوب خان بھی مل گئے - میر ایوب خان نے حاجی صاحب کو اردو میں خطاب کیا «حاجی جی» - حاجی صاحب فرماتے ہیں، حاجی فہمیدم - این جی جی چیست - خیر میں نے ان کو 'جی' کے معنی سمجھائے کہ صاحب کی بجائے استعمال ہوتا ہے، کہ ہندیاں بجائے صاحب 'جی' میگویند - حاجی صاحب بولے، چرا بفارسی حرف نمی زنی - ایوب خان بولے، من شیعہ نیستم - اتنے میں ایک اور صاحب مولوی محمد نامی تشریف لائے - یہ صاحب کلکتہ سے ہیں - فرقتاً شیعہ ہیں اور شیعہ بھی متعصب - شیعہ کا نام انھوں نے سن لیا تھا - آتے ہی بولے، یہ شیعہ کس نے کہا - اس کا قائل خارجی ہوگا - اب تمام گفتگو انگریزی میں تھی اور وہی پرانی بحث سنی اور شیعہ کی چھڑ گئی - مولوی صاحب تفضیل علی اور تکذیب ہر سہ صحابہ پر مصر رہے - میر ایوب خان اور غلام محمد ان کو جواب دیتے رہے - ہمارے بزرگ جو موجودہ نئی نسل کے انگریزی خوانوں کو مذہب سے بالکل آزاد کہتے ہیں، اسی گفتگو کو اگر سنیں گے تو وہ اپنی رائے واپس لیں گے - خیر یہ بحث دیر تک رہی - بعد میں غلام محمد صاحب نے مجھ سے کہا، تم کیوں نہیں[3]..... ہیں - چاروں ہمارے بزرگ ہیں - واجب التعظیم ہیں -

---

۱- Sedition Law -

۲- دوسرا خلا (مرتب)

۳- تیسرا خلا (مرتب)

جیسا کچھ اس زمانے نے یا زمانے کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا ہے آپ اسی پر راضی ہوئے جو کچھ تقسیم اس وقت ہوئی درست تھی - ہر خلیفہ نے اپنے اپنے وقت میں خدمت اسلام کی ہے - ہم کو تنگ چشم نہیں ہونا چاہیے - ہمیں ان کی خدمتوں کا اعتراف کرنا چاہیے - آپ ذرا اپنے اخلاق کو محدود نہ کیجیے، وسیع کیجیے - جہاں حضرت علی کو مانتے ہیں وہاں باقی صحابہ کبار کو بھی جگہ دیجیے . حضرات شیعہ کچھ بھی نہیں صرف اخلاق کمزوری ہیں . آپ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان پر الزام لگاتے ہیں کہ حضرت علی کا حق غصب کر لیا، نادر پر وہی الزام نہیں لگاتے کہ صفویوں کا حق غصب کر لیا - اس کے وجود سے ہی انکار کر دیجیے - جہاں آپ کے نزدیک حدیثیں غلط، ان کے راوی غلط، تاریخیں غلط، وہاں یہ بہاں بھی غلط کر دیجیے کہ کوئی نادر نہیں تھا - بڑے افسوس کی بات ہے - انگریز حضرت عمر کو مدبر، منصف، مقنن اور اپنے زمانے کا جنرل مانتے ہیں لیکن حضرات شیعہ ان کی خدمات کے معترف نہیں ہوتے - قصہ مختصر اسی سلسلۂ بحث میں سے ہم لوگ اٹھے اور نماز کے لیے جانے کی تیاریاں کرنے لگے - مولوی محمد صاحب صرف اس وجہ سے کہ نماز[1] . . . . . یہاں سول سروس میں پڑھ رہے ہیں - اتنے میں ایک اور صاحب تشریف لائے - یہ بھی سول سروس میں شامل ہیں - ان کا نام عبداللطیف ہے اور ناگ پور سے آئے ہیں - خان خدا داد خان آئے - ان سے مصافحہ ہوا - یہ صاحب سندھی ہیں - پتلون کے علاوہ تمام لباس سندھی تھا - ہندوستانی کوٹ اور سر پر کلاہ اور لنگی - ایک صاحب عبدالعلی آئے - یہ صاحب میمن ہیں اور تجارت کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں - ان سے میں غلام محمد صاحب کے ذریعہ سے معرف ہوا - ایک اور صاحب لطف علی آئے - شیخ صاحب نے ان سے مجھے انٹروڈیوس کرایا - یہ صاحب قانون میں ہیں اور برہما سے تشریف لائے ہیں - مشیر حسین صاحب قدوائی[2] تشریف لائے - یہ صاحب ممالک متحدہ سے تشریف لائے ہیں - تمام لباس ہندوستانی تھا - بالکل دولہا بنے ہوئے تھے - شیخ صاحب کی معرفت ان سے ملاقات ہوئی -

---

۱- چوتھا خلا (مرتب)

۲- مشیر حسین قدوائی گدیا (ضلع بارہ بنکی) کے تعلقدار تھے - بیرسٹری کرنے لندن گئے ہوئے تھے - آگے چل کر ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی - پین اسلامزم کے حامی اور صاحب تصنیف ہوئے - ان کی خدمات کے اعتراف میں سلطان ترکی عبدالحمید خان نے ان کو خطاب عطا کیا - متعدد بار مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے رکن ہوئے - علامہ اقبال کی اسرار خودی میں حافظ پر تنقید کے جواب میں انہوں نے کئی مضامین لکھے جن میں سے ایک «زمیندار» کی ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں چھپا تھا - (مرتب)

الغرض اور بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی ۔ اس مجمع میں کوئی خاص لباس نہیں تھا ۔ بعض بالکل انگریزی لباس میں، بعض ہندوستانی لباس میں اور بعض کے لباس میں کچھ انگریزی اور کچھ دیسی ۔

ساڑھے گیارہ بجے نماز شروع ہوئی ۔ جن کے سروں پر انگریزی ٹوپیاں تھیں، وہ ننگے سر تھے لیکن نماز کے وقت انہوں نے سر پر دستی رومال لپیٹ لیے تھے ۔ میرے برابر مسٹر بشیر احمد خلف پیرزادہ محمد حسین جج کھڑے تھے ۔ ان کا سر بالکل ننگا تھا ۔ نہ معلوم گھبراہٹ میں یا رومال نہ ہونے سے، خیر کسی وجہ سے انہوں نے رومال نہیں لپیٹا ۔ پہلی صف میں چونکہ تمام ایسے صاحبان تھے جن کو عمر بھر میں شاید خاص خاص موقعوں ہی پر نماز پڑھنے کی تکلیف ہوئی ہوگی ۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے تکبیر نہیں پڑھی اور نہ ہی امام صاحب نے پچھلی صف والوں کو موقعہ دیا اور نیت باندھ کر اللہ اکبر کہہ دیا اور بعد میں الحمد شروع کر دی ۔ نماز ختم ہوئی ۔ خطبہ شروع ہوا ۔ درمیان میں امام صاحب خاموش ہوئے اور مقتدیوں نے یہ چاہا کہ تکبیر پڑھیں لیکن سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ۔ آخر دوسری صف میں اس کی تعمیل ہوئی اور بعد میں سب باقاعدہ پڑھنے لگے ۔ وقفہ وقفہ کے بعد تکبیر پڑھی گئی ۔ امام صاحب کے منشا پر مقتدین میں سے ایک نے آیت الکرسی پڑھی ۔ آخر میں سلطان المعظم اور دیگر سلاطین اسلامیہ اور اسلامی اشاعت کی دعا مانگی گئی ۔ دعا پر خاتمہ ہوا ۔ اس کے بعد پندرہ منٹ تک ہم لوگ ایک دوسرے سے معانقہ کرتے رہے ۔ جلسہ ختم ہوا اور لوگ گروہ گروہ میں ریسٹرا سے نکلے ۔

شام کے سات بجے عید الضحیٰ کا ڈنر تھا ۔ ہم سات بجے ڈنر ہال (دعوتی کمرہ) میں پہنچے ۔ لباس میں کوئی تخصیص نہیں تھی ۔ کوئی شام کے لباس میں، کوئی معمولی لباس میں اور کوئی ملاقاتی لباس میں ۔ اتنے میں بدرالدین طیب جی[1] تشریف لائے ۔ ان کے صاحب زادہ بھی ان کے ساتھ تھے ۔ مجھ کو شیخ عبدالقادر نے ان سے معرفی کرایا ۔ انہوں نے مجھ سے وطن کا حال پوچھا ۔ میں نے کہا ٹونک راجپوتانہ، بولے میں تمام عمر میں اس شہر کے لوگوں سے نہیں ملا ۔ پھر ٹونک کا حال پوچھا ۔ میں نے مختصر سا ذکر کر دیا ۔ میرے منشی فاضل کے خطاب کو سن کر بولے،

۱- (جسٹس) بدرالدین طیب جی ۸ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے ۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں مڈل ٹمپل سے بار ایٹ لاء کیا ۔ وہ بمبئی میں پریکٹس کرنے والے پہلے مقامی بیرسٹر تھے ۔ ۱۸۹۵ء میں بمبئی ہائی کورٹ کے جج ہو گئے ۔ انہوں نے بمبئی میں انجمن اسلام قائم کی اور اس کے سیکرٹری بنے ۔ بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے ۔ لندن میں ۱۲ اگست ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا ۔ (مرتب)

تم سچے ہندوستانی ہو - ہم تو انگریزوں کے نقال ہیں - بولے، تمام طلبہ قریباً قانون میں آئے ہیں - شیخ صاحب نے فی البدیہہ کہا کہ ہم سب آپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں - میں نے کہا، مجھ کو کسی دوسرے صیغہ میں داخلے کی امید نہیں تھی اس لیے قانون لیا - پھر ان کے بیٹے سے میری باتیں ہونے لگیں - بہت روشن خیال شخص ہے - اتنے میں ہز ایکسلینسی مسوری پاشا سفیر دولت عثمانیہ تشریف لائے - سر پر ترکی ٹوپی تھی - سینہ پر تمغات کارگزاری لٹک رہے تھے - میں سفیر صاحب کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں - ان کو سب سے پہلے مسٹر عبداللہ المامون[1] سہروردی نے لیا - بعد میں مسٹر بدرالدین طیب جی ان سے انٹروڈیوس ہوئے - پھر شیخ صاحب نے مصافحہ کیا - پاس ہی میں کھڑا تھا - میں نے ہاتھ ملایا - پوچھا، یہاں کون سی عام زبان سمجھی جاتی ہے - میں نے کہا، انگریزی ہم سب بولتے اور سمجھتے ہیں - شیخ صاحب بولے، ہماری زبان اردو عام فہم ہے - میں نے کہا، تیسرا ممبر فارسی کا ہے کہ اس جلسہ کے قریباً تمام ہندوستانی بولتے اور سمجھتے ہیں - سفیر صاحب بولے، فرنچ آپ نہیں سیکھتے - میں نے کہا، قریباً نہیں - سفیر صاحب کے آنے ہی ترکی ٹوپیوں پر ایک رونق سی آ گئی - کیونکہ ان کے اسٹاف کے تمام آدمی ترک اور ترکی ٹوپیوں میں تھے - کچھ دیر بعد معزالممالک تشریف لائے - یہ صاحب ہز ہائی نس شہزادہ محمد علی خان ، سفیر ایران کے صاحبزادے ہیں - میں ان کے نام سے واقف نہیں - معزالممالک ان کا خطاب ہے اور اسی خطابی نام سے مسٹر عبداللہ المامون سہروردی نے مجھ کو ان سے معرفی کرایا - معزالممالک نہایت ہی پستہ قد اور منحنی ہیں - یہ اور ان کے ہمراہی اکثر ایرانی ٹوپیوں میں [تھے] - اس طرح سے اس جلسہ میں تمام ہی قسم کے لوگوں کا اجتماع تھا - انگریز، ایرانی، ترک، عرب، مصری اور ہندوستانی - اور ایک محفل میں مختلف قوموں کے لوگوں کا جمع ہونا نوادرات سے ہے -

ساڑھے سات بجے اور کھانے کی تیاری کی اطلاع آئی - سب لوگ ڈنر ہال میں جانے لگے - چونکہ نشست کی قید نہیں تھی اس لیے جس شخص نے جہاں جگہ پائی

۱- مولانا عبیداللہ العبیدی سہروردی پروفیسر ہوگلی کالج کے صاحبزادے، کرنل حسان سہروردی وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کے بڑے بھائی اور حسین شہید سہروردی سابق وزیراعظم پاکستان کے ماموں تھے - وہ پین اسلامک سوسائٹی لندن کے بانی معتمد تھے - انگلستان سے واپسی پر کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھایا - کلکتہ یونیورسٹی میں محمڈن لاء کے پروفیسر ہوئے - بنگال کی لیجسلیٹو کونسل کے کئی سال ممبر رہے - رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے فلالوجیکل سیکرٹری تھے - ۱۳ جنوری ۱۹۳۵ء کو وفات پائی - (مرتب)

وہیں بیٹھ گیا ۔ میرے دست راست پر میرے دوست مسٹر غلام محمد تھے اور میرے بائیں طرف میرزا جواد ایک ایرانی صاحب تھے ۔ مسٹر غلام محمد کے دست راست پر مسٹر محمود خاں اٹاچی سفارت ایران تھے اور ان کے برابر سید محمد علی بن شوقی بے ، ایک ترک تھے اور ان کے برابر شیخ عبدالقادر ۔ ہمارے سامنے دو ہندو صاحبان تھے ۔ ہندوستان میں ہندو صاحبان چاہے سلطان المعظم کو گالیاں دیں یا کچھ کریں لیکن یہاں یورو پین تہذیب نے ان کو سطان کے جام صحت پینے پر مجبور کیا ۔ اس معاملے میں انگریز نہایت تنگ حوصلہ اور وحشی ہیں ۔ انھوں نے باوجود رقعۂ دعوت ایسے جلسہ میں آنے سے انکار کر دیا جہاں کہ سلطان یا دیگر سلاطین اسلامیہ کا جام صحت پیا جاوے ۔ لیکن انگریز عورتیں اپنے مردوں کی طرح تنگ چشم نہیں اور نہ ہی ان میں ان کے مردوں کی طرح مادہ تعصب پایا جاتا ہے ۔ اس لیے چند لیڈیاں اس جلسہ میں بھی شریک تھیں ۔ ایک دو کے سوا انگریز کوئی بھی نہیں ۔ یہاں میں ایک لطیفہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ میں نے اپنے ایک دوست مسٹر ہال نامی سے کہا کہ دیکھو ہمارے جلسہ میں باوجود بلانے کے کوئی انگریز شامل نہیں ہوا ۔ انھوں نے جواب دیا ، اوہ کوئی انگریز ایسے جلسہ میں شریک نہیں ہوگا جہاں ہمیں سلطان کے جام صحت پینے کا اندیشہ ہو ۔ میں نے مذاقاً کہا ، اگرچہ ایسے موقعہ پر ان کو اپنے قومی بادشاہ کنگ ایڈورڈ کے جام صحت نہ نوش کرنے کا نقصان بھی گوارا کرنا پڑے ۔ کیونکہ جلسہ کے پروگرام میں سلطان سے پہلے کنگ ایڈورڈ کا جام صحت تھا ۔ پھر میں نے کہا ، تہذیب کی کوتاہی انسان میں اس قدر بد نما نہیں جس قدر اخلاق کی کوتاہی بد نما ہے ۔ اس کا جواب انھوں نے صرف ایک تبسم سے دیا ۔ انگریز کے برابر دوسری قوم مشکل سے حلیم ہوگی ۔

کھانا مختلف اقسام کا تھا ۔ آہستہ آہستہ قریباً ایک گھنٹہ میں ختم ہوا ۔ کھانے کے ختم ہونے پر صدر نشین جلسہ ہزایکسلنسی مسوری پاشا اٹھے ۔ ان کے اٹھنے پر تالیاں ہوئیں ۔ اس کے بعد انھوں نے کنگ ایڈورڈ ہفتم کا جام صحت نوش کیا ، جس کی تمام حضار نے تقلید کی ۔ اس کے بعد مسٹر بدرالدین طیب جی اٹھے ۔ انھوں نے سلطان کی بابت ایک مختصر سی تقریر کی اور اس کے بعد سلطانی جام صحت پیا گیا ۔ ان کی تقریر قریب قریب یہ تھی ۔ ہم آج عیدالضحیٰ کی رسم کی ادائیگی کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں ۔ اس موقعہ پر اگر اس شخص کی جو کہ تمام اسلامی دنیا کا بادشاہ اور حرمین شریفین کا خادم سلطان عبدالحمید ہے ، جو اس زمانے میں اسکندراعظم کی جولاں گاہ کا حکمراں ہے اور جس کی بے تعصبی صرف مسوری پاشا کی

زندہ مثال ہے جو کہ اس وقت اس جلسہ کے پریذیڈنٹ ہیں ، ظاہر ہے - اس سے زیادہ کون سا روئے زمین کا بادشاہ اپنی بلا تعصبی کی دلیل دے سکتا ہے کہ اس نے انگلستان میں اپنی جانشینی کا عہدہ ایک یونانی عیسائی کو دے رکھا ہے - پھر ایسے شخص کا ہم جام صحت کیوں نہ پئیں - اس پر ہرا اور تالیوں کا شور مچا اور بعد میں جام صحت پیا گیا - اور تالیاں دیر تک ہوتی رہیں - اس سے ظاہر تھا کہ سلطان ہر حاضر جلسہ کے دل میں جگہ رکھتے ہیں - تالیوں کے بند ہونے پر صاحب موصوف نے اپنی تقریر کو جاری رکھا اور کہا اس دفعہ میں شہنشاہ ایران جن کے قائم مقام اس جلسہ میں شہزادہ معز الممالک ہیں - اگرچہ شہنشاہ موصوف سلطان المعظم کی طرح اپنی رعایا پر کوئی دینی یا روحانی حکومت کا اظہار نہیں کرتے لیکن وہ دنیائے اسلام کے معزز گروہ فرقۂ شیعہ کے بادشاہ ہیں - ہندوستان کا ایران سے تعلق نہایت قریبی اور قدیمی ہے - فارسی زبان جو ہندوستان میں عموماً مسلمانوں کی گذشتہ صدی تک زبان تھی ، اس میں ہم ایرانیوں کے مشکور ہیں اور یوں بھی ایران دنیا کے بہت سے ممالک پر قدیمی فخر رکھتا ہے - اس لیے میں آپ سے شہنشاہ ایران کے [لیے] بھی جام صحت کی التجا کرتا ہوں - حسب معمول تالیاں ، غل اور شور ہوا اور جام صحت پیا گیا - جس پر معزالممالک نے اٹھ کر شکریہ ادا کیا -

اس کے بعد شیخ عبدالقادر اٹھے - انھوں نے اپنی تقریر شروع کی - میرے حصہ میں امیر افغانستان ، خدیو مصر اور سلطان مراکو کی جام صحت نوشی آئی ہے - یہ امر ظاہر ہے کہ یہ تینوں پادشاہ دنیائے اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں - مصر اپنے مقام میں یوں بھی تمام دنیا پر احسان رکھتا ہے - یہی ملک ہے جہاں تہذیب اور شائستگی کی روشنی سب سے پہلے چمکی - تمام حکمائے یونان کے استاد مصری ہی ہیں ، جن کے شاگرد علمائے اسلام ہیں - یہ وہ زمین ہے جہاں خدا نے اپنا اقرار پورا کیا - فراعنۂ مصر اور ان کا عروج آج تک ایک ضرب المثل ہے - اہرام مصری آج تک ہماری نگاہوں میں تعجب خیز اثر پیدا کرتے ہیں - یہ بھی مصر ہی کا احسان ہے کہ ہماری مذہبی زبان عربی آج تک زندہ ہے - پھر خدیو مصر کے ہماری برٹش گورنمنٹ کے ساتھ بھی نہایت دوستانہ تعلقات ہیں -

مراکو ایک قدیم سلطنت ہے جس کو آج کل مراکو کانفرنس کے مسئلہ نے جو اس وقت چل رہا ہے ، اور بھی تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ کر دی ہیں -

افغانستان ہمارے ہندوستان کا پھاٹک ہے - پٹھانوں کی قوم ہمارے مذہب کی

پشتیبان ہے ۔ یہ ملک وطن ہے محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کا ۔ امیر مرحوم امیر عبدالرحمان خاں کی شہرت ہمارے حافظہ سے ابھی تک گم نہیں ہوئی ۔ اور یہ چھوٹا سا ملک مسلمانوں کا جاپان ہے ۔ کیونکہ امیر مرحوم کے زمانے سے وہاں ترقی کی طرف لوگوں کا رجحان ہو گیا ہے ۔ اس کی مثالیں وہاں کے کارخانے ہیں ۔ ویسے بھی امیر حال روشن خیال اور اپنے پدر مرحوم کے جائز جانشین ہیں ۔ علاوہ ازیں وہ گورنمنٹ آف انڈیا کے دوست بھی ہیں ۔ اس لیے میں تحریک کرتا ہوں عباس ثانی خدیو مصر ، امیر حبیب اللہ خاں امیر افغانستان اور مولائے عبدالعزیز سلطان مراکو کے جام صحت کی ۔ اس پر تالیاں ہوئیں ، شور ہوا اور جام صحت پئے گئے ۔ بعد میں اور جام صحت ہوئے ۔ اسلام کا جام پیا گیا ۔ مہمانوں کا جام ۔ مسٹر عبداللہ یوسف علی سی ۔ ایس ۔ نے اسلام کی بابت مختصر سی تقریر کی ۔ اس کے بعد مسٹر عبداللہ المامون سہروردی اور دیگر اصحاب نے تقریریں کیں ۔ اس پر جلسہ ختم ہوا ۔ بعد میں کچھ دیر تک ملاقاتیں ہوئیں ۔ اور قریباً ساڑھے دس بجے جلسہ ختم ہوا ۔

میں یہاں آ کر مختلف قومیت اور مختلف[1] کے لوگوں سے ملا ہوں ۔ مسلمانوں میں عربوں ، ایرانیوں اور مصریوں [سے] لیکن کسی ترک سے نہیں ملا تھا ۔ اتفاق سے یہ موقعہ مجھ کو اس جلسہ میں مل گیا ہے ۔ سید محمد علی خلف شوقی بے ترک ہیں اور کھانے کے وقت ان سے باتیں ہوئیں اور آتے وقت ملاقات ہوئی ۔ ہم نے آپس میں کارڈ بدل لیے اور جلسہ کے اختتام پر میں نے ان سے آیندہ اتوار کو ملنے کا وعدہ کر لیا ۔ اور یہ ٹھہرا کہ اتوار کا دوپہر کا کھانا وہ میرے ہاں کھاویں گے ۔ میں سید محمد علی کو آپ سے اسی طرح معرفی کراتا ہوں کہ ان کے والد کا نام شوقی بے ہے ۔ ارض الروم سے تشریف لائے ہیں ۔ ترکی مادری زبان ہے ۔ اس کے علاوہ عربی ، جرمن ، فرنچ ، انگریزی اور ڈینش زبانیں جانتے اور بولتے ہیں ۔ زبانوں کی تعلیم قسطنطنیہ کے مدرسہ السنہ میں پائی ۔ وہاں سے جرمنی گئے ۔ تکمیل علوم کیے ۔ فرانس آئے ۔ تین سال وہاں رہے ۔ وہاں سے مصر گئے ۔ چار سال وہاں رہے ۔ مصر سے انگلستان آئے ۔ دو سال سے یہاں ہیں اور لندن کے رائل کالج آف سائنس میں داخل ہیں ۔ کیمسٹری پڑھ رہے ہیں ، جس کے نصاب کے اختتام کے لیے دو سال اور لگیں گے ۔ شکل و شباہت میں یہ بالکل یورپین سے ملتے ہیں ۔ خود کہتے ہیں کہ جرمنی میں انھیں فرنچ خیال کیا اور فرانس میں جرمن ، انگریز جانتے ہیں کہ روسی ہیں ۔ یورپ کے تمام ممالک میں انھوں نے سفر کیا ہے ۔

---

۱ ۔ یہاں عجلت میں ایک لفظ لکھنا بھول گئے ہیں ۔ (مرتب)

عمر قریباً ستائیس سال ہوگی ۔ معلومات اور مہارت اس قدر ہے کہ ہزاروں انگریزوں سے اچھے ہیں آدمی متین اور نہایت سنجیدہ ہیں ۔ متانت اور صبر تو ترکوں کی ایک قومی پہچان ہے ۔ سب سے پہلے میں نے ان سے سلطان کی بابت پوچھا ۔ بولے، ہر وقت خاص کے لیے شخص خاص مقرر ہے ۔ سلطان عبدالحمید اس وقت کے لیے نہایت موزوں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ اور کون سا موزوں انتخاب ہوگا ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا سلطان اپنے عیب نہیں رکھتا ۔ ہر شخص اپنے قصور رکھتا ہے ، وہ بھی اپنے قصور رکھتا ہے لیکن اس کی خوبیاں اس کے عیوب کے مقابلہ میں بے شمار ہیں ۔ لوگ کہتے ہیں ، وہ اپنے آدمیوں پر بھروسہ نہیں کرتا ، وہ وہمی ہے ۔ لیکن یہ اس کا قصور نہیں ۔ اس نے مراد کو زہر کھاتے دیکھا ہے ، چچا زاد بھائی کو خون میں نہاتے دیکھا ہے پھر وہ کس پر اعتبار کرے ۔ یورپین اور عیسائی اس کے دشمن ہوں یا نہ ہوں خود اس کی قوم اس کی دشمن ہے ۔ اس کو ہلاک کرنے کی دھمکیاں دی ہیں ، اس پر بم کے گولے پھینکے گئے ہیں ، اس پر گولیاں چلائی ہیں اور اب بھی لوگ اس کے در پے ہیں ۔ یورپ ، بجائے اس کے کہ اس کے اور اس کی اصلاحات کے ساتھ ہمدردی کرے ، آئے دن روز نئے حیلے اور نئی مشکلات اس کے راستہ میں کھڑی کرتا ہے ۔ کبھی ٹرکی کے حصے بخرے کیے جا رہے ہیں ، کبھی اس کو دھمکی دی جا رہی ہے اور کبھی اس کی رعایا میں فتنہ و فساد کی ریشہ دوانیاں کی جا رہی ہیں ۔ یورپ نے تمام دنیا میں ہمیں وحشی خوں خوار اور دشمن علم مشہور کر رکھا ہے ۔ اس میں سب سے بڑھ کر انگریز ہیں ، جن کی نہ دوستی ہی قابل اعتبار ہے اور نہ دشمنی ۔ یہ قوم کی قوم مطلب کی غلام ہے ۔ جب تک ہم سے مطلب تھا ہمارے دوست رہے اور جب مطلب نکل گیا ، ہمارے دشمن ہو گئے ۔ کریمیا میں ہمارے ساتھ لڑے ۔ اس لیے کہ ان کو ہندوستان میں روس کا خوف تھا ۔ جب اس طرف سے انہیں امن ہوا ، انھوں نے ہماری دوستی کو بھی سلام کہہ دیا ۔ تبت پر قبضہ کر لیا اس لیے کہ تمام بودھ مت والوں کو ایک طرح اپنے قبضہ میں کر لیں ۔ اسی طرح عرب میں انھوں نے تجویز کی تھی کہ مکہ لے لیں ۔ حال کا فساد یمن کیا ہے قبضۂ مکہ کا پیش خیمہ ۔ خدا کا شکر ہے اس میں اس وقت تک تو انھیں ناکامی ہوئی ہے ۔ ٹرکی ہم نے بزور شمشیر لی ہے اور جو کوئی ہم سے بھی لے گا بزور شمشیر لے گا ۔ ہمیں یورپ میں ہجرت مور از ہسپانیہ اور ہندوستان میں انتزاع لکھنؤ اچھی طرح یاد ہیں ۔

بولے میں نے سنا ہے ہندوستان میں مسلمان ، سلطان کا خطبہ نماز میں نہیں پڑھتے ۔ میں نے کہا ، میں اس امر سے بہ خوبی واقف نہیں ۔ ان اضلاع میں جہاں

کہ ہم امرائے اسلام رکھتے ہیں مثلاً میرا وطن ٹونک وہاں خطبہ ہمارے سرکار نواب محمد ابراہیم علی خاں بہادر کا پڑھا جاتا ہے کیونکہ یہ نواب حال ہیں - اسی طرح دیگر اضلاع میں وہاں کے نواب یا امیر کا خطبہ پڑھا جاتا ہے - ان اضلاع میں جو کہ انگریزی قبضہ میں ہیں ، مجھ کو جہاں تک علم ہے ، سنی مسجدوں میں سلطان المعظم کا خطبہ پڑھا جاتا ہے اور جہاں لوگ سلطان کے نام سے واقف نہیں وہاں سلطان زمانہ کہہ دیتے ہیں- بولے آپ کے وطن میں آپ کے رئیس کے نام سے پیشتر سلطان کا نام بلحاظ امیرالمومنین کیا نہیں لیتے - میں نے کہا میں اس کا جواب یقین سے دے نہیں سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ شاید لیتے ہوں کیونکہ میں خود مقر ہوں کہ انہیں لینا چاہیے - لیکن مجھ کو وطن چھوڑے اس قدر عرصہ ہوا کہ مجھ کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں - لاہور ایک انگریزی شہر ہے - اس کی بابت میں یقینی جانتا ہوں کہ سلطان کا نام خطبہ میں لیا جاتا ہے اور ہر نماز کے بعد سلطان کے حق میں دعائے خیر کی جاتی ہے - بولے میں نے سنا ہے علی گڑھ کالج میں جو کہ سید احمد خاں کا کالج ہے ، اس میں مسلمان سلطان کو سلطان نہیں مانتے - میں نے کہا ، ممکن ہے کہ وہ سلطان کے اس قدر ہمدرد نہ ہوں ، اور یہ اثر انگریزی تعلیم کا ہے لیکن وہ سلطان کو سلطان ضرور مانیں گے - مجھ کو اس کے متعلق اچھی طرح علم نہیں کیونکہ میں اس کالج میں کبھی گیا نہیں لیکن ایک امر یقینی ہے کہ سرسید کے کالج کے لباس میں طربوش (ترکی ٹوپی) ضروری ہے اور سرسید [احمد] خاں خود پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں ترکی ٹوپی کو رواج دیا ہے - اس طرح سے علی گڑھ کالج جزاً ترکوں کا ہمدرد ہے - بولے عام ہمدردی سلطان کے ساتھ کیسی ہے - میں نے کہا ، ہم وہ ہمدردی سلطان کے ساتھ رکھتے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں یا جو ہم سے ممکن ہے - بولے ، حجاز ریلوے میں ہم کو سرمایہ کی ضرورت تھی - اس میں مسلمانان ہند کا چندہ بالکل قلیل ہے - حالانکہ وہاں کثیر تعداد مسلمانوں کی ہے - میں نے کہا، وہ جو کچھ ہوا ہے ہزار غنیمت ہے - ہم ہندوستانی بہت غریب ہیں - بولے ، یہ غریب کیسے - صدیوں ہندوستان میں تم نے حکومت کی - ابھی قریباً ساٹھ ستر برس قبل تمہارے ہاتھ میں حکومت تھی - میں نے کہا ، یہ خدا کی حکمتیں ہیں ، اس میں کسی کا کیا دخل - پچاس سال پیشتر ہم امیر تھے لیکن آج غریب ہیں اور غریب بھی کیسے کہ سرسید نے تیس سال برابر صرف دس لاکھ روپیہ کے لیے کوشش کی - وہ اس حسرت میں مر گیا - لیکن دس لاکھ روپیہ سات کروڑ مسلمانوں سے جمع نہیں ہو سکا - اس کے مقابلے میں ایک پارسی شخص نے پچیس لاکھ روپیہ ایک یونیورسٹی کے لیے دے دیا - ہم جب مالدار تھے تو ہم نے تاج محل جیسی عمارتیں ، تخت طاؤس جیسے تخت بنائے ، کوہ نور جیسے

ہیرے ۔ انگریزی راج اور ہندؤوں کے ملک میں رہتے ہیں ۔ ہم ترکوں کے خیرخواہ ہیں ۔ سلطان کے جان و مال کو دعا دیتے ہیں ۔ درویشوں اور غریبوں کے پاس صرف دعا ہے ۔ اور پھر غریبوں سے جو کچھ بن سکتا ہے ، وقت پر دے بھی دیتے ہیں ۔ زخمیان کریٹ کے لیے ہم نے چندہ کیا ، حجاز ریلوے میں ہم دے رہے ہیں ۔ علاوہ ازیں سلطان امیرالمومنین ہونے پر بھی ہماری طرف سے بھی اس قدر بے پرواہ ہیں کہ وہ ہم سے کوئی تعلق ہی رکھنا نہیں چاہتے ۔ ہمیں سفر حجاز میں سلطانی علاقے سے گذرنا ہوتا ہے ۔ اس میں جس قدر مشکلات ہمیں سلطانی علاقہ میں پیش آتی ہیں اس کا عشر عشیر بھی ہمیں دیگر ممالک میں دیکھنا نہیں پڑتا ۔ پھر بھی ہم بد دل نہیں ہیں ۔ ہم جانتے ہیں کہ وہاں آئینی انتظام مشکل ہے ، خاموش رہتے ہیں ۔ خود سلطان کیا ، ترک ہم سے اتنے بے خبر ہیں کہ گویا ہم سے کچھ واسطہ ہی نہیں ۔ ہمیں دیکھیے باوجود ترکی نہ جاننے کے بھی چار اخبار ہم ہندوستانی ایسے رکھتے ہیں جن کا مقصد صرف ترکی کی حمایت اور ترکوں کے حالات پر روشنی ڈالنا ہے مثل «وطن» لاہور ۔ اس سے متعلق ایک ایجنسی بھی جس کا نام حمیدیہ ایجنسی ہے ۔ بمبئی میں ایک اخبار پیمانہ رنگ بھی انگریزی نکلتا ہے ۔ اس مطبع کا نام بھی 'مطبع حمیدیہ' سلطانی نام کی یادگار میں ہے ۔ ادھر لاہور میں ایک مدرسہ انجمن حمایت اسلام کی نگرانی میں ہے جس کا نام بھی مدرسہ حمیدیہ ہے ۔ دور کیوں جاویں اسی مسئلہ مقدونیہ میں ہندوستان کے مختلف اضلاع میں ترکی حمایت میں ہم نے جلسے کیے ۔ یہاں خود لندن میں جلسہ کیا ۔ ان سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانان ہند سلطان کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ دراصل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ترکی اسلام کی بڑی طاقت ہے ۔ اگر ترکی ہم نے کھودی ، وہ دن اسلام کے زوال کا ہوگا ۔ ترکی کا مغلوب ہونا ، ترکی کا مغلوب ہونا نہیں ہوگا بلکہ اسلام کا عیسائیت کے مقابلے میں شکست ماننا ہوگا ، بیت المقدس اور مکہ کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنے کا دن ہوگا ۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ سلطان اپنی اس بے انتہا فوجی طاقت سے جو بہ حیثیت خادم حرمین شریفین اور امیرالمومنین ان کی قدرت میں ہے کیوں نہیں کام لیتے ۔ ترکی ، مصر ، مراکو ، افغانستان ، ایران ، بخارا کا اتحاد ایک بہت بڑی قوت ہے ، جس کو اکیلا نپولین بھی نہیں توڑ سکے گا ۔ ہمیں دیکھیے صرف رعایا ہو کر اپنی گورنمنٹ کے منہ آتے ہیں اور بعض وقت اڑ بھی بیٹھتے ہیں ۔

مسٹر محمد علی بولے ہاں تم سچ کہتے ہو لیکن اصل یہ ہے کہ دنیا بھر نے ہماری کمزوری کو تسلیم کیا لیکن ہم نے اپنی کمزوری کو کمزوری ہی نہیں مانا ۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ ہم عادتاً ویسے ہی طاقت ور ہیں ۔ سلطان محمود خان نے

اس کو پہچانا لیکن قوم نے نہیں سنا ۔ آخر متواتر کی شکستوں اور زکوں نے انہیں بھی منوا دیا ۔ سلطان حال نے ہر ایک صیغہ سلطنت میں اصلاح کی ہے ۔ کریمیا کی جنگ میں ہم ساٹھ ہزار سپاہی بھی نہیں نکال سکتے تھے لیکن اب ہم اس کی بجائے تین چار لاکھ سپاہی بھیج سکتے ہیں ۔ بحری جنگ میں پہلے ہم بالکل خام تھے لیکن اب بہت کچھ بڑھ گئے ہیں اس وقت مدرسۂ السنہ ہم دنیا بھر میں سب سے اعلیٰ رکھتے ہیں ۔ ہم نے زبانوں کی کمزوری پوری کر لی ہے ۔ اس وقت ہمارا طبی محکمہ کسی یوروپین ملک کی ڈاکٹری سے کم نہیں ہے ۔ ہم میں جو کمی ہے وہ سائنس کی ہے ۔ اس کی طرف بھی ہم نے توجہ کی ہے ۔ ہر تیسرے سال پچاس طلبہ مختلف ممالک میں اسی غرض سے بھیجے جاتے ہیں ۔ میں نے کہا ، انگلینڈ میں میں کسی ترک طالب علم سے آپ کے سوا نہیں ملا ۔ بولے ، اس کی دو وجہ ہیں ۔ اول تو دونوں قوموں انگریز اور ترک میں قومی کشیدگی ۔ ایک ترک کو تمام یورپ میں کوئی قوم اس قدر حقیر نہیں جانتی جیسے انگریز ۔ دوسرے جرمن ، انگریزوں سے علوم میں بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں ۔ وہ ملک علم کا ملک ہے ۔ اور ان معاملات میں جرمن جس طرح تمام قوموں پر فائق ہیں اسی طرح ان کے سکھانے میں بھی بخل نہیں کرتے ۔ دوسرے ملکی پالیسی بھی اس میں بہت بڑا اثر رکھتی ہے ۔ میرے خیال میں اگرچہ سگ زرد برادر شغال ، جرمن اور انگریز ایک ہی ہیں ، نہ یہ ترک کا دوست اور نہ وہ ، لیکن ہمارے تعلقات جرمن سے دوستانہ ہیں ۔ اس لیے ہم عموماً وہاں جاتے ہیں ۔ بعد میں فرانس کا نمبر آتا ہے ۔ ہر سال پانچ طلبا یہاں بھیجے جاتے ہیں ۔ میں نے کہا ، آپ کی پولیٹیکل رائے کیا ہے ۔ بولے ، میں غیر محدودالاختیار ، خدائی طاقت والی شخصی سلطنت کا حامی نہیں اور نہ ہی میں شخصی سلطنت کے خلاف ہوں ۔ ترک ایسی قوم ہے جو اپنے فرماں روا اور سلطانوں کی پرستش کرتے ہیں ۔ ہماری تاریخ قدیم دیکھیے ۔ ہم نے اپنے سلطانوں کی ہزاروں زیادتیاں سہیں ، ان کے ناز اٹھائے ، ان کی ہزاروں جابرانہ کاروائیوں کو بجا مانا ، ان کے ہزاروں ظلموں پر بھی ہم نے کبھی سلطنت گردانی کا خواب نہیں دیکھا ۔ اگرچہ جمہوری اصول سے ہم ابتدا ہی سے واقف ہیں اور اس کے فوائد سے بھی بے خبر نہیں لیکن ہمیں ہمارے سلطان ان کے عیبوں کے باوجود بھی عزیز ہیں ۔ ہم سلطان پرست قوم ہیں اور کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اسی عثمان خاں کا خاندان ، جو اب سے سات صدیاں پیشتر ہمارے قافلے کا سردار تھا ، اسی کی اولاد اور وہی خاندان ہم پر اس وقت بھی حکمران ہیں ۔ ہمیں ہمارے سلطان نہایت عزیز ہیں ۔ ہم نہیں چاہتے کہ جس خاندان کی

اس قدر دراز صدیوں میں ہم نے خدمت کی ہے ، اس کی ترقی اس سے چھین لیں - نہ صرف میں بلکہ میرے اور دوست بلکہ ہماری تمام انجمن ، جس میں اس وقت تک چالیس ہزار ممبر شریک ہو چکے ہیں ، یہ چاہتے ہیں کہ ہم سلطان کے غیر محدود اور خدائی اختیار محدود کر لیں -

میں نے کہا ، تب آپ کے خیالات اس قسم کی گورنمنٹ کے سے ہیں جیسی انگریز اپنے ملک میں رکھتے ہیں - بولے ، میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارا سلطان بھی کنگ ایڈورڈ یا پوپ کی طرح صرف خطابات دینے یا برکت اور دعا دینے کا آلہ بن جاوے ، نہیں ، ہم چاہتے ہیں کہ اس کو لامتناہی اختیار نہ دیں بلکہ شہنشاہ جرمنی کی طرح اصول سلطنت ہو - اگر آپ جرمن سیاسی امور میں دلچسپی لیتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ شہنشاہ نہ ہی مسلوب الاختیار ہے اور نہ ہی خود مختار - میں نے کہا ، میں جرمن سیاسی نظام سے محض نابلد ہوں - صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ ایک حد تک اپنے اختیارات اپنی قوم پر مرعی کر سکتا ہے - بلکہ اس کے اختیارات کنگ ایڈورڈ اور سلطان روم کے بین بین ہیں - بولے ، ہاں ہم بھی چاہتے ہے - میں نے کہا ، بے شک آپ کی رائے سالم ہے لیکن مجھ کو اندیشہ ہے کہ اس کٹھن کے وقت ، جب کہ ترکوں کو اتفاق سے ہر وقت رہنا چاہیے ، اس قسم کی دو عملی رائیں کسی بڑے انقلاب اور خون ریزی کے اسباب نہ ہوں ، اور اس طرح ترک اگر آپس میں ہی کٹ مرے تو گویا تمام ترکی تمام شد کا سا حال ہوگا - یوں بھی یوروپ ہر وقت کمین میں ہے ، صرف موقعہ کا منتظر ہے - اس سے اچھا نصیب دشمناں اس کو اور کون سا موقعہ ملے گا - بولے ، اس کے بغیر ہم اور ہماری قوم ابھر نہیں سکتے - ہمارے بزرگ اور وہ فرقہ جس کے ہاتھوں میں اس وقت موجودہ سلطنت ہے ، تمام پرانے مدرسہ کے لوگ ہیں - وہ اس وقت تک سلطان بایزید اور سلطان سلیم اول کے زمانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ جس ایک حالت یا طاقت کو جس میں صدیوں سے ترکی چلی آئی ہے، اسی پر خوش ہیں اور اسی پر دلدادہ ہیں- وہ ترقی اور حرکت کے قائل نہیں - ہمیشہ ترقی کے طرف داروں پر لعن طعن کرتے چلے آئے ہیں - تمام ملک میں اس معاملہ پر ایک شور مچا ہوا ہے - باپ بیٹے میں نہیں بنتی - اس پر میں نے کہا ، خیر ترکی تو ترکی ہے ، ہندوستان میں خود یہی حال ہے - وہاں بھی نئی امت اور پرانی امت کی روز چخ چلتی رہتی ہے - جوان کہتے ہیں بوڑھے سٹھیا گئے ہیں - ملک اپنے ہاتھوں کھو بیٹھے اور پھر بھی ترقی کو نہیں مانتے ، اسی لکیر کے فقیر ہیں - بوڑھے کہتے ہیں ، تم نالائق ہو ، باپ دادا کا مذہب اور طریقہ چھوڑتے جاتے ہو ، دین میں رخنہ اندازی کرتے ہو اور کرسٹان بنتے ہو ، وغیرہ وغیرہ - بولے ، تعجب ہزار تعجب ، آپ کے ہاں بھی یہی جھگڑا

ہے - میں سمجھتا تھا ہندوستان کے مسلمان غیر قوموں میں رہنے کی وجہ سے زیادہ آراستہ اور روشن خیال ہوں گے اور سلطنت کا چھن جانا ان کے لیے ایک بڑا سبق ہوگا - میں نے کہا ، ہم نے اس نقصان کو نقصان ہی محسوس نہیں کیا - اب تک ہم یہی سمجھتے ہیں کہ سلطنت ہماری ہے اور خصوصاً ہندوؤں کے مقابلے میں یہ جذبہ پھر ظاہر ہوتا ہے [کذا] - جن ممالک میں کہ اس وقت بھی اسلامی حکومت ہے مثلاً میرا وطن ٹونک وہاں ہم ہندوؤں کو اسی نگاہ اور اسی لحاظ سے نہیں دیکھتے جس طرح غیر قوموں کو دیکھتے ہیں - ہماری نگاہ میں ہندو جانور ہے - بڑے مزے کی بات ہے - ہم انگریز سے ڈرتے ہیں اور ہندو ہم سے ڈرتا ہے - وہ سبک وقعتی جو ہندوؤں کی بابت ہمارے دلوں میں ہے وہ ایک خمار ہے اس نشہ کا جو ہم نے کبھی سلطنت کے رنگ میں پیا تھا - بولے ، میں یہ سن کر نہایت افسوس کرتا ہوں - میرا خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمان ہم سے نہایت ترقی یافتہ ہوں گے لیکن میرا خیال ہے اس حساب سے وہ ہم سے بھی پیچھے ہیں - ہم بے شک اپنے سلطان اور قومی پادشاہ کے سایہ میں ہیں لیکن ہمیں ترقی کا موقعہ نہیں ملتا - تم اگرچہ غیر قوم کی حکومت میں ہو لیکن ترقی کے راستے تم پر کھلے ہوئے ہیں - میں نے کہا ، زمانہ ایک بڑی طاقت ہے - وہ طاقت جس نے اب سے تیرہ صدی پیشتر قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھرا دیا - وہ طاقت جس نے انگریز جیسی قوم کو نیم وحشی قوم سے اٹھا کر آج دنیا کے صدر پر بٹھا دیا - وہی طاقت ہم کو بھی ایک جگہ نہیں رکھنے کی - ہمارے بزرگ ٹھہرے اور گرے - وہ ہمیں آج آزادی نہ دیں ، روکیں ، کل ہمارے بچے وہ کام جو ہمارے کرنے کا تھا کریں گے -

بولے ، کل امر مرھون با وقاتھا -

اس کے بعد میں نے اپنی قومی نظم کا ایک بند ان کو سنایا - بڑے خوش ہوئے - بولے ، شاعری ایک طاقت ہے - میں نے کہا ، بشرطیکہ اس کا استعمال موقعہ پر کیا جاوے - وہ بند یہاں بھی لکھ دیتا ہوں :

ہوا سست بازوئے شمشیر رانی　　اڑی رونق چہرۂ ارغوانی
تشدد میں ہے گردش آسمانی　　سلف کی ترقی ہوئی اک کہانی

نہ وہ بزم باقی نہ وہ یار باقی
مگر رات کے باسی ہیں ہار باقی

وہ یورپ میں ترکوں کا جو خاندان ہے　　مسلمانوں کی شان و شوکت وہاں ہے
عجب اس کی قدرت عجب اس کی شان ہے　　صلیبوں کے اندر ہلالی نشان ہے

ابھی گونجتی ہے ایا صوفیہ پر
موذن کی آواز اللہ اکبر

پہلا بند غلطی سے لکھ دیا ۔ میں نے انھیں پچھلا بند ترکوں کی بابت سنایا ۔ بڑے خوش ہوئے ، ہاتھ ملایا ۔ صوفیہ اور اللہ اکبر اور موذن سمجھ گئے تھے ۔ نہایت خوش ہوئے ۔

محمود از لندن

(۳۰)

18 - Sinclair Road,
Kensington,
London

۲ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی مدظلہ العالی

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ اس ہفتہ دو نوازش نامجات موصول ہوئے ۔ جملہ حالات سے آگاہی حاصل ہوئی ۔ مبلغ ستر پونڈ اس ہفتہ موصول ہوئے ۔

میں گذشتہ سہ شنبہ سے بیمار ہوں اور جب سے اس وقت تک بستر میں ہوں ۔ کل تک سینہ اور سر میں درد تھا لیکن رات سے گلے میں سخت تکلیف ہے ۔ رات کو نیند بھی مشکل سے آئی ۔ یہ ایک عام بیماری ہے جو سردی کی وجہ سے یہاں ہوتی ہے ۔ اس قسم کی بیماری ہمارے ملک میں کمیاب ہے ۔ آج کل موسم سخت خراب ہے ۔ پچھتر فی صدی شخص سردی کی وجہ سے کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہیں ۔ شمالی برفانی ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں ہیں ۔ امید ہے کہ یہ بیماری میرا زیادہ حرج نہیں کرے گی ۔ امتحان میں پورا ایک مہینہ باقی ہے ۔

یہاں لندن میں ایک صاحب حاجی وولی نامی رہتے تھے ۔ ان کا وطن کیپ ٹاؤن واقع جنوبی افریقہ ہے ۔ یہاں سعہ خاندان اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے ۔ بڑا بیٹا ، جو ڈاکٹری میں پڑھتا تھا ، ابتدائی فروری میں ڈاکٹری میں بڑی امیدوں اور امنگوں کے بعد پاس ہوا اور حاجی صاحب وطن کی طرف لوٹنے کی تیاری میں مشغول تھے کہ اچانک ۹ فروری کو انتقال فرما گئے ۔ انا للہ و انا علیہ راجعون ۔ لندن میں مسلمان تو بہت سے ہیں اور ہم لوگ اگر جھوٹ بھی کسی انگریزی جلسہ کا نام سنتے ہیں تو دس کام چھوڑ کر وہاں جاتے ہیں لیکن حاجی صاحب کی وفات کے موقعہ پر باوجود علم ہونے کے نہیں گئے ۔ مسٹر عبداللہ المامون سہروردی اپنے تمام کام چھوڑ کر ادھر ادھر مسلمانوں کو کہنے گئے لیکن کوئی نہیں آیا ۔ میرے

ہاں بھی اسی غرض سے آئے - یہ ۱۹ - فروری کا ذکر ہے -

۲۰ - فروری کو میں اور مسٹر سہروردی اور خداداد خاں تینوں حاجی صاحب کے مکان پر پہنچے - سب نے مل کر ان کو غسل دیا - ۲۱ - کو جنازہ کا دن ٹھہرا - میں بھی اس روز گیا - ہندوستانیوں میں سے صرف میں اور خداداد خاں تھے - میں نے نماز جنازہ پڑھائی - کفن کے بارہ میں ہمیں مشکلات پیش آئیں - ہم میں سے کوئی بھی واقف نہیں تھا اور ترکی سفارت خانہ کا امام کہیں باہر تھا - الغرض یہ مشکلات ایک کتاب کے ذریعہ سے حل ہوئیں - حاجی صاحب مرحوم سے میں ان کی حین حیات کبھی نہیں ملا - ان کی عمر ساٹھ سال تھی - بڑا لڑکا جو حال ہی میں ڈاکٹر ہوا ہے ، ڈاکٹر محمد عمر نام ہے ، عمر قریبا اٹھائیس انتیس سال ہے - دوسرا لڑکا ، نام محمد صالح ہے ، عمر سترہ سال ، کیمسٹری پڑھ رہا ہے - ایک لڑکی عائشہ نام ، عمر قریباً اکیس سال ہے - دو بچے اور ہیں ، خورد سال ، میں ان کے نام بھول گیا ان کی مادری زبان ڈچ ہے - ولایت میں عرصہ سے رہنے کی وجہ سے انگریزی بھی اچھی بولتے ہیں - یہ لوگ عرب سے افریقہ پہنچے اور افریقہ سے یہاں - یہاں سے پھر واپس افریقہ جانے والے ہیں - گذشتہ اتوار کو ہم لوگ پھر حاجی صاحب کی قبر پر گئے ، فاتحہ خوانی کے لیے - یعنی میں ، محمد عمر اور محمد صالح - اس کے بعد واپسی میں میں انہیں اپنے مکان پر لایا - چاء پلائی -

گذشتہ دو شنبہ یعنی پیر کو میں میجر پریچارڈ کے ہاں گیا - انھوں نے جمعرات کو مجھے دعوت دی - کھانے پر بلایا - ان کی یہ بڑی مہربانی تھی - لیکن افسوس ہے کہ اسی عرصہ میں میں بیمار ہو گیا اس لیے خط لکھ کر اپنی غیر حاضری کی معافی مانگی جس کا جواب کل جمعرات کو مجھے موصول ہوا ، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ وہ انگلینڈ سے باہر جانے والے ہیں اس لیے اس سے پیشتر وہ اپنے چند دوستوں کو جانے سے قبل دیکھنا چاہتے ہیں - جس کے لیے وہ لندن سے کچھ دن کے لیے باہر رہیں گے - جب وہ اس سے فارغ ہو کر لندن آویں گے ، اس وقت مجھ کو لکھیں گے - گذشتہ دو شنبہ کو میں اس لیے گیا تھا کہ ان کو اپنے ہاں کھانا کھانے کے لیے بلاؤں لیکن اس کی بجائے انھوں نے یہ تجویز کی کہ میں جمعرات کو ان کے ہاں کھانا کھاؤں - کیونکہ کچھ اور دوست بھی آنے والے ہیں چنانچہ میں نے یہی منظور کر لیا تھا لیکن اپنی موجودہ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکا - مجھ کو حیرت ہے کہ شیخ عبدالقادر صاحب کے خطوط آپ کو نہ پہنچے وہ مجھ سے پانچ چھ مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ کو لکھ چکے ہیں -

میری پڑھائی اچھی حالت میں ہے - اس ہفتہ میں میرا حرج ہوا کیونکہ دو تین روز کتاب برابر چھوٹی رہی - اب اس وقت بستر میں بیٹھا ہوں ، یہ خط لکھ رہا

ہوں لیکن حالت یہ ہے کہ پسینہ برابر چلا آ رہا ہے ، ناک علیحدہ برابر بہہ رہی ہے اور باہر موسم کی یہ کیفیت ہے کہ ہوا سائیں سائیں کر رہی ہے ، آسمان پر ابر چھا رہا ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہیں - میجر پریچارڈ کو میں پین اسلامک سوسائٹی کے جلسے میں نہیں لے جا سکا کیونکہ اس وقت وہ لندن سے باہر تھے - اس جلسہ کی تصویریں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں - میجر پریچارڈ سے میں آٹھ سات مرتبہ مل چکا ہوں -

انجمن الفنون - یہ ایک سوسائٹی ہے - اس کے بانی کے نام سے میں واقف نہیں لیکن یہاں ہزاروں ایسی انجمنیں ہیں جن کو چند خاص بامذاق شخص قائم کرتے ہیں - اس قسم کی تمام انجمنوں سے غرض رفاہ عامہ ہے اور ایسی تمام انجمنوں کے قیام اور ان کے اخراجات کا مدار صرف چندہ پر ہے - بہت سی ایسی انجمنیں ہیں جن کے نام مرتے وقت لوگوں نے بہت سا روپیہ چھوڑا ہے اور اس روپیہ ہی کے سود سے وہ انجمنیں قائم ہیں - گذشتہ زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی میں بہت سی انجمنیں قائم تھیں - ان انجمنوں کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو عام ترغیب ہندوستان میں ملازمت کرنے کی طرف دلائی جاوے - ان کے علاوہ اور بہت سی انجمنیں قائم ہوئیں- بعض میں ہندوستان کی گذشتہ تاریخ پر لیکچر دیئے جاتے تھے - بعض میں ہندوستان کی طرز زندگی ، آب و ہوا اور جغرافیائی حالات سے بحث کی جاتی تھی - ان میں سے بہت سی انجمنیں اس وقت تک زندہ ہیں - بہت سی ٹوٹ گئیں - ہمارے ملک میں انجمنوں کا رواج نہیں لیکن یہاں ان سے وہ وہ کام لیے جاتے ہیں جو کروڑوں روپیہ اور لاکھوں سپاہیوں سے نہیں ہو سکتے - مثلاً انگلینڈ اور فرانس کی صلح ، جو اس سے پیشتر بالکل ناممکن خیال کی جاتی تھی - یہ دونوں قومیں ہزاروں برس سے ایک دوسرے کے ہمسایہ میں رہتی ہیں - صرف ایک پانی کی لکیر درمیان میں ہے - ان دونوں قوموں کی دشمنی ضرب المثل تھی لیکن اب بھی دونوں قومیں ہیں جو ایک دوسرے کی دوست ہو گئی ہیں - پہلے دوستی کا خیال انجمنوں کے ذریعہ سے رعایا میں پھیلا - بعد میں رعایا نے گورنمنٹ کو مجبور کیا - اب دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کی بھی خواہ ہیں - ان دونوں عظیم الشان طاقتوں کا اتحاد نہ صرف یوروپ بلکہ دنیا کی تاریخ بدل سکتا ہے - اسی کی دیکھا دیکھی ہمارے دوست مسٹر عبداللہ المامون سہروردی نے پین اسلامک سوسائٹی قائم کی - اس انجمن کے مقاصد میں فرقجات اسلام میں اتفاق ، لندن میں مسجد کا تعمیر کرنا اور باقاعدہ انگلستان میں دعوت اسلام کرنا -

سید امیر علی جج ، سید علی بلگرامی ، شیخ عبدالقادر اور دیگر بھی خواہان قوم ، بالخصوص جو کہ علی گڑھ کالج سے ہمدردی رکھتے ہیں ، سہروردی صاحب کے

خلاف ہیں ۔ صاحبان مسبوق الذکر فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا گورنمنٹ کے خلاف عمل کرنا ہے اور بالخصوص انگریزوں میں دعوت اسلام کرنا گورنمنٹ کی نگاہ میں بغاوت کا ثبوت دینا ہے ۔ سہروردی صاحب کہتے ہیں ، آپ گورنمنٹ سے اتنا ڈرا کریں ، میں نہیں ڈرتا اور دعوت اسلام سے اور گورنمنٹ سے کیا مناسبت ہے ۔ میں نے اب تک بارہ لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے اور انشاءاللہ ، اگر زندگی بخیر ہے ، انھی انگریزوں میں سے اور سینکڑوں کو مسلمان کرتا ہوں ۔ میں کہتا ہوں سہروردی صاحب شاباش میں تمھارے ساتھ ہوں تم سچے مسلمان ہو باقی ہم تو صرف کہنے کے مسلمان ہیں ۔

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

(۳۱)

18 Sinclair Road,
Kensington, London

۲۳ ۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء لندن

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں ۔ نوازش نامۂ عالی شرف صدور لایا ۔ اس سے پہلے ہفتہ کی بابت عرض کر چکا ہوں کہ خط نہیں پہنچا تھا گویا ایک ہفتہ ناغہ گیا اس خط سے جو گذشتہ ہفتہ موصول ہوا ، معمولی خیریت اور عافیت معلوم ہوئی ۔

میں اس ہفتہ گھر سے بالکل باہر نہیں نکلا ۔ موسم اس قدر خراب ہے کہ کبھی تند ہواؤں کا زور ہے ، کبھی برسات نمودار ہے اور کبھی برف باری ۔ موسم میں اس قدر جلدی تغیر عجائبات سے ہے ۔

آج سے نو روز اور امتحان میں باقی ہیں ۔ خدا کرے یہ دن بھی جلد گذریں ۔ میں اپنی طرف سے دن اور رات امتحان میں اور اس کی تیاری میں مشغول ہوں ۔ آگے خدا کے ہاتھ ہے ، جو کچھ ہونا ہوگا پیش آوے گا ۔ میں اس وقت بیم و رجا میں ہوں ۔ کبھی امید طاری ہے اور کبھی مایوسی ۔ مجھ کو اس خط میں بہت کچھ لکھنا نہیں ۔ نئی چیز یہ ہے کہ آخر کار امتحان میں نام بھیج چکا ہوں ۔ میں نے اپنے پچھلے کسی امتحان میں اس قدر محنت نہیں کی جس قدر اس میں کی ہے ، اور پھر بھی اگر فیل ہو جاؤں تو مجھ کو نہایت ہی افسوس ہوگا ، اور یہ افسوس ہوں اور بھی

موجب دل شکنی ہوگا کہ میں اپنے پچھلے امتحانات میں فیل نہیں ہوا ہمیشہ پاس ہوتا رہا - یہ میرے لیے ایک نئی بات ہوگی - دوسرے تعین اوقات میں بہت بڑا فرق ہو جاوے گا - یعنی اس میں میں اگر پاس ہو گیا تو میرے تربیتی اوقات جاری رہیں گے ورنہ گویا ڈیڑھ سال بلکہ قریباً پونے دو سال یونہی ضائع جاویں گے اور باقی وقت میں چاروں امتحان پاس کرنا نہایت مشکل ہوگا۔ سب کے نزدیک قابل ملامت ٹھہروں گا اور محنت جو اکارت گئی وہ روکن میں - خدا ہی ہے جو شرم رکھے -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - آپا صاحبہ ، زہرہ بہن کو سلام - تمام بھائیوں اور دیگر اصحاب کو درجہ بدرجہ سلام دعا - نوری اور کان دادی کو سلام -

عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار - مشہود خاں سے کہہ دیجے کہ اگر میں اپنے تمام امتحانات میں پاس ہو گیا تو ایک بائیسکل ان کی نذر کروں گا - وہ معصوم ہیں ان کی دعا قبول ہوگی -

فقط

محمود شیرانی

(۳۲)

18 Sinclair Road,
Kensington,
London

لندن ، ۳۰- مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں اور آں حضرت کی خیرت کا ہر وقت دعا گو - نوازش نامۂ عالی گذشتہ دو شنبہ کو حسب معمول شرف صدور لایا - جملہ خیریت معلوم ہوئی -

آج ۳۰- مارچ ہے - تین روز امتحان میں اور باقی ہیں - شنبہ ، یک شنبہ ، دو شنبہ درمیان میں ہیں - سہ شنبہ کو امتحان ہے - امتحان دس بجے شروع ہو کر ایک بجے ختم ہوگا گویا تین گھنٹہ رہے گا - دوسری ڈاک سے گویا آپ کو میرے امتحان کی بابت مفصل حالات معلوم ہوں گے کہ پرچے کیسے گذرے - کامیاب ہونے اور فیل ہونے کا نتیجہ امتحان سے ایک ماہ بعد معلوم ہوگا -

میرے خیال میں میری خواندگی خوب تیار ہے - ایک چھوڑ سات کتابیں اسی مضمون کی دیکھی ہیں - توقع تو ہے کہ پاس ہوؤں ، آگے تقدیر ہے - اصل یہ ہے کہ لاطینی زبان کی اصطلاحات نے بہت پریشان کر رکھا ہے - ان کو یاد

کرتے کرتے دق ہو گیا ہوں ۔ ایک غیرمانوس زبان، نہ جس کے صرف و نحو سے واقف اور نہ لغات سے ۔ لمبے چوڑے الفاظ یاد کرنا ہوتے ہیں ۔ اور پھر بعد میں مغالطہ میں پڑ جاتا ہوں کہ فلاں لفظ کے فلاں معنی ہیں ، لیکن جب دیکھا تو میں غلط تھا ۔ دو چار اصطلاحات ہوں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں ۔ قریباً دو ہزار کے قریب لغات ، الفاظ ، اصطلاحات اور ضرب‌الامثال ہیں ۔ اگر امتحان میں ان اصطلاحات کے معنی غلط لکھ دئیے تو پھر خیر نہیں۔ تمام محنت اکارت جاتی ہے ۔

ہمارے ملک کی یونیورسٹیوں میں ایک تہائی پرچہ لکھنے سے طالب علم پاس ہو جاتا ہے ۔ یہاں کی یونیورسٹیوں میں ممکن ہے یہ قاعدہ ہو لیکن قانونی امتحانات میں ایک تہائی پرچہ کی کوئی سند نہیں ۔ اس کا دارو مدار صرف ممتحن کی مرضی پر ہے ۔ اس کے خیال میں جس کا پرچہ اچھا ہے ، وہ پاس ہے باقی فیل ہیں ۔ میرا پہلا امتحان ہے ممتحن کے معیار سے اس وقت تک بالکل ناواقف ہوں ۔ پھر ہمارے ریڈر مسٹر بیٹ ایک دشوار پسند ممتحن ہیں ۔ طلبا ان کے طرز سوال سے ہمیشہ شاکی ہیں ۔ ان کے سوال کرنے کا ڈھب بھی دنیا جہان سے نرالا ہے ۔ طالب علم کو تمام کتاب حفظ ہے ۔ اسی میں سے انھوں نے ایک سوال دیا ۔ لیکن سوال کا سمجھنا مشکل ہے ۔ جب کوئی سوال ہی نہ سمجھے تو طالب علم جواب کیا خاک دے ۔ ان کی طرز سوالات کو سمجھنے کے لیے میں نے گذشتہ سالوں کے پرچے خریدے ۔ انھی میں ایک سوال تھا کہ «ایک غلام کے فطرتی اور قانونی مالکان کے حقوق میں کیا فرق ہے ۔ ان کی کیا کیا چارہ جوئیاں ہیں ۔ مفصل جواب بحوالۂ اقوال جسٹینین دو» (جسٹینین شہنشاہ روم کا نام ہے ۔ بہت بڑا مقنن تھا ۔ اس کی کتاب انسٹیٹیوٹ آف جسٹینین برائے نام ہمارے امتحان میں داخل ہے) ۔ میں نے اپنی تمام کتابوں کو اس سرے سے اس سرے تک الٹ ڈالا لیکن کہیں اس سوال کا جواب نظر نہیں آیا ۔ کالج کے کتب خانہ میں گیا ۔ وہاں بھی ناکامیاب رہا ۔ آخر مسٹر ایڈورڈ بیرسٹرایٹ لاء کے پاس گیا ۔ ان سے پوچھا ۔ وہ بولے ، واللہ اگر خود جسٹینین اپنی قبر سے اٹھ کر آوے تو اس سوال کا جواب نہیں دے سکے گا ۔ یہ سوال کیا ہے ، صرف صاحب ممتحن کے دماغ کا نتیجہ ہے ۔

الغرض میری ہر طرح ہی سے مشکل ہے ۔ تین گھنٹہ کا تحریری پرچہ ہوگا ۔ اس کے بعد تقریری امتحان ہوگا ۔ اس تقریری امتحان سے جدا روح کانپ رہی ہے ۔ دیکھیے اس وقت کیسی بنے ۔ اگر جواب وقت پر یاد نہ آیا تو بس خاتمہ ہے ۔ میں اس امتحان کے ختم ہونے پر نتیجہ کا انتظار نہیں کروں گا ، خواہ پاس ہوؤں یا فیل ۔ اپنی پڑھائی دوسرے امتحان کی اس امتحان کے ختم ہوتے ہی جاری کر دوں گا ۔ اس امتحان میں اگر پاس تو فبہا‌المراد ورنہ آیندہ دونوں امتحانوں میں شریک ہونا

ہوگا - اب تو ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم - فیل ہوؤں یا پاس ، مجھ کو چاروں امتحان پاس کرنا ہیں - میں فیل ہونے سے ڈرتا نہیں لیکن اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اس سے پہلے کبھی فیل نہیں ہوا - اب اگر فیل ہوا تو میرے لیے بالکل ایک نئی بات ہوگی - خیر تقدیر میں جو کچھ ہوگا پیش آوے گا لیکن مجھ کو یہ افسوس نہیں رہے گا کہ میں نے محنت نہیں کی - میں نے محنت میں کسی طرح کی کمی نہیں کی ہے - اب تین روز اور باقی ہیں ، خدا کرے جلد گذر جاویں -

امتحان اور پڑھائی کے سوا مجھ کو دنیا جہان کی خبر نہیں ہوتی - بریک فاسٹ کھا کر کرسی پر ایسے بیٹھتا ہوں کہ رات کے گیارہ بجے وہاں سے اٹھتا ہوں - بستر میں بھی کتاب ہے ، پڑھ رہا ہوں - جب نیند نے غلبہ کیا تب سو گیا - رات بھر کچھ اسی قسم کے خواب آتے رہتے ہیں -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمود مشہود خاں کو پیار - زیادہ حد آداب -

محمود شیرانی

(۳۳)

لندن

۱۸- مئی سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام ظلہ

تسلیمات فدویانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں - نوازش نامۂ عالی حسب معمول شرف صدور لایا - خیریت مندرجہ سے آگاہی ہوئی -

میں اپنی تعلیم میں حسب معمول مصروف ہوں - اس ہفتہ سے کچھ اور حصہ (انگریزی قانون تدبیر سلطنت) کا بھیجتا ہوں[۱] - اس سے آپ کو بھی کچھ کچھ حالات اس عظیم الشان سلطنت کی تدبیر سیاست مدن کی بابت معلوم ہوتے رہیں گے - میں یہ خلاصہ اور خلاصے جو کچھ آج تک بھیج چکا ہوں ، نہ تو وہ کوئی ترجمے ہیں اور نہ ہی مفصل مضمون - نو سو صفحے کی کتاب میں سے جگہ جگہ سے ایک ایک بات بہم پہنچانا ہوتی ہے اور لکھتے وقت نہ تو الفاظ کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی سلسلۂ عبارت کا - زیادہ تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ مطلب مختصر عبارت میں

۱- اس خط کی پشت پر یہ حصہ ایک قسط کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے - یہ زیر نظر خط کے بعد ملاحظہ کیجیے - (مرتب)

ادا ہو لیکن اس صورت میں جگہ جگہ سلسلۂ عبارت ٹوٹ جاتا ہے ، بے جا الفاظ استعمال ہوتے ہیں - یہ نقص نظر ثانی میں درست ہو سکتا ہے لیکن اس قدر فرصت کہاں - بہر حال جو کچھ بھیجا کرتا ہوں ، پہلا مسودہ اور خلاصہ ہوتا ہے - علاوہ ازیں انگریزی کی مزاولت کی وجہ سے وقت پر اردو کے الفاظ یاد نہیں آتے - اس لیے بجائے موقعہ کے الفاظ تلاش کرنے کے غیر استعمالی الفاظ درج ہوتے ہیں - چونکہ ان خلاصوں سے میری غرض اشاعت نہیں ہے اس لیے اور بھی ضروری لوازم نظرانداز کر کے مطلب پر اکتفا کرتا ہوں - مولوی محمد حسن خاں صاحب کا خلاصہ دربارۂ قدامت افغاناں وصول ہوا - میں مولوی صاحب کی تکلیف کا دل سے مشکور ہوں -

آج کل یہاں موسم نہایت خراب ہے - ابر ، بارش ، سردی ، وقت بے وقت ان میں سے کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے - اس وقت ابر محیط ہے - نہایت اندھیرا ہو رہا ہے - دن کے بارہ بجے چکے ہیں - ایک بجے کھانا کھا کر کالج جاتا ہوں - باقی حالات بدستور ہیں -

بخدمت والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار -

فقط

محمود شیرانی

انگریزی قانون تدبیر سلطنت

اس طرح سے ہوس آف لارڈز کی طاقت بہت کچھ متزلزل ہوئی - لیکن کچھ عرصہ کے بعد ملک کی مزدور پیشہ جماعت نہایت اہمیت کا دم بھرنے لگی اس لیے سنہ ۱۸۶۷ء میں نئی ترمیمیں جاری ہوئیں جن کی رو سے ضلعوں کی تمام پیشہ ور جماعتیں انتخاب میں حصہ لینے لگیں اور یہ شرط ہوگئی کہ مالکان اراضی یا کرایہ دار جن کے قبضہ میں بارہ پونڈ آمدنی یا محصول کی زمین ہے ، انتخاب کرنے کے مجاز ہوں گے - قصبات میں یہ شرط دس پونڈ تک مقرر ہے - اس طرح سے مزدور پیشہ جماعت کی کثیر تعداد جو اس سے پہلے اظہار رائے کی مجاز نہیں تھی اب عملاً انتخاب میں حصہ لینے لگی - حال میں بھی یہی طریقہ جاری ہے لیکن اضلاع میں یہ دستور صرف سنہ ۱۸۸۴ء سے جاری ہے -

سنہ ۱۸۸۵ء کے انتخابی قانون نے منظور کیا کہ ہر بڑا شہر یا قصبہ پارلیمنٹ میں دو ممبر بھیجنے کا مجاز ہے اور اوسط درجہ کے قصبات صرف ایک ممبر بھیجیں گے - باقی حصے ضلعوں میں تقسیم کر لیے گئے اور ہر ضلع کو ایک ممبر بھیجنے کا اختیار مل گیا - موجودۂ بالا ذکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انتخاب کرنے والی

جماعت میں یہ لوگ شامل ہوں گے ۔ مالکان اراضی ۔ یہ شرط صرف ضلعوں کے لیے ہے ۔ قابضان اراضی جس کی سالانہ آمدنی دس پونڈ ہو ۔ مقامی کرایہ دار جو دس پونڈ سالانہ محصول ادا کرتے ہیں ۔ مقامی کرایہ دار سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لیے ایسے مکان میں رہائش رکھیں گے ۔ انتخاب کرنے والوں میں اور لوگ بھی داخل ہیں مثلاً یونیورسٹیوں کے خطاب یافتہ ممبر یعنی جو بی ۔ اے کا امتحان پاس کر چکے ہیں ۔ ایسے لوگ اپنی اپنی یونیورسٹی کے لیے ممبر انتخاب کرنے کے مجاز ہیں ۔ شہر لندن کے عام شہری اس شہر کے ممبروں کے انتخاب کے مجاز ہیں ۔

وہ جماعت جو ممبر انتخاب نہیں کر سکتی ۔ اس میں یہ لوگ شامل ہیں ۔ پردیسی ، سرکاری عہدہ دار ، عورتیں ، بچے ، لایعقل اشخاص ، شیرف اور ریٹرننگ افسر ۔ ریٹرننگ افسر وہ افسر ہے جس کا [کام] انتخاب کی نگرانی ہے ۔ انتخاب کے متعلق عام قسم کی ذمہ داریاں اس افسر کے سپرد ہیں اور جب کہ منتخبین کا ممبر دونوں ممبروں لبرل اور کنزرویٹو کے حق میں مساوی ہے اس وقت ریٹرننگ افسر اپنی فیصلہ کن رائے دینے کا مجاز ہے یعنی جس ممبر کے حق میں وہ رائے دے گا وہی ممبر انتخاب میں تجویز ہوگا ۔ جرائم پیشہ اور دیگر ایسے لوگ جو کہ ممبر پارلیمنٹ نہیں ہو سکتے انتخاب میں بھی علی ہذا حصہ نہیں لے سکتے ۔

انتخاب کرنے والوں کے نام ایک کتاب میں مندرج ہوتے ہیں ۔ یہ کتاب ہر سال شائع ہوتی رہتی ہے اور تمام تغیر اور تبدل اس میں سالانہ درج رہتا ہے ۔ کوئی ایسا شخص جس کا نام اس کتاب میں درج نہیں انتخاب کرنے میں حصہ لینے کا قانوناً مجاز نہیں ۔ (باقی آیندہ)

محمود شیرانی

بنام محمد ابراہیم خان صاحب
(برادر بزرگ حافظ محمود شیرانی)

بخدمت اخوان صاحب قبلہ محمد ابراہیم[1] خان صاحب

تحریر مرقومہ آنجناب مطالعہ میں آئی ۔ دعا کیجیے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوؤں ۔ میرے خطوط یقیناً برابر جناب کی نظر سے گزرتے رہتے ہوں گے ۔ علیحدہ نیاز نامہ کی تحریر کی مجھ کو فرصت نہیں اور یقین ہے کہ جناب بھی مجھ کو معاف

---

۱ ۔ یہ خط ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء کو تحریر کیا گیا ہے ۔ جس صفحے پر یہ لکھا گیا ہے اس کی پشت پر اپنے والد کے نام ایک نامکمل خط کا ابتدائی حصہ ہے ۔ جس پر یہ تاریخ درج ہے ۔ (مرتب)

فرماویں گے - آپ بھی معلوم کریں گے کہ میں کس قدر مشغول ہوں - اگر علیحدہ علیحدہ خط لکھوں تو میرا جمعہ کا دن ڈاک لکھنے ہی میں صرف ہو جاوے - اس لیے بھی یہی شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ گھر ایک خط اور وہ بھی والد کے نام لکھوں اور میرے تمام خورد و بزرگ اس کو دیکھ لیں اور سن لیں اور میری خیریت سے واقف ہو جائیں - دولھا بھائی اور وکیل صاحب اور سراج الرحمن خان بھی اس زمرہ میں شریک ہیں -

اگر ان میں سے کوئی صاحب مجھ سے اس وجہ سے ناراض ہوں کہ میں نے لندن میں آ کر ان کو ایک سطر بھی نہیں لکھی تو میں ان کی ناراضی سر آنکھوں پر قبول کر کے ان سے معافی کا خواستگار ہوں اور مستدعی ہوں کہ سر دست ایک عرصہ تک مجھ کو اس امر سے معافی دیویں، نہایت ہی مشکور ہوؤں گا اگر گاہ گاہ یہ صاحبان مجھ کو یاد فرماتے رہیں گے - زیادہ حد آداب - آپا صاحب کی خدمت میں آداب - زہرہ بہن کو سلام - بچوں کو دعا -

محمود

بنام محمد مسعود خان صاحب

(برادر خورد حافظ محمود شیرانی)

(۱)

18 Sinclair Road,
Kensington W,
London.

۱۱ اگست سنہ ۱۹۰۵ء

پیارے بھائی مسعود خان

میں یقین کرتا ہوں کہ تم اپنے بڑے بھائی سے ناراض ہو اور شاید تم اپنی رنجش کی وجوہات میں اپنے آپ کو درست ہی پاؤ لیکن میں بجائے اپنی معذوری ظاہر کرنے کے تم سے اس قدر تساہل کی معافی مانگتا ہوں - کچھ میں قدرتاً سست ہوں، کچھ بھاری پارسل وغیرہ پہنچنے میں 'سائر'[۱] وغیرہ کے معاملات میں دقتیں پیش آتی ہیں -

---

۱- ریاست ٹونک میں ایک محکمہ سائرات (کسٹم) تھا جس کو تخفیفاً 'سائر' کہہ دیتے تھے - اس کا کام یہ بھی تھا کہ ریاست کے باہر سے آنے والے اور ریاست سے باہر جانے والے تمام پارسل وغیرہ کھول کر دیکھیں اور چھان بین کریں کہ کوئی خطرناک (والئی ریاست کے نقطۂ نظر سے) چیز تو ریاست کی حدود میں نہیں لائی لے جائی جا رہی - ظاہر ہے کہ اس کام میں وقت بہت ضائع ہوتا تھا - (مرتب)

اس کے علاوہ میں گھڑی کی طرف سے مطمئن نہیں تھا کہ وقت ٹھیک دے گی یا کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ گھڑی وقت ٹھیک نہیں دیتی۔ ہمیشہ پانچ سات منٹ سلو ہے۔ بظاہر اور کوئی خرابی اس میں نہیں ہے۔ اس کو ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ کوکنا کافی ہے۔ یہ گھڑی بغیر چابی کی ہے (کذا)۔ اس کو برابر کوکتے جاؤ حتیٰ کہ ایک موقعہ پر آ کر ایک خفیف سی آواز، کوک کی آواز سے برخلاف اس میں سے نکلے گی۔ اس وقت تم سمجھ لو کہ زیادہ کوکنے کی ضرورت نہیں۔ اس گھڑی کے فیس پر گھنٹہ کی سوئی کے علاوہ ایک اور سوئی ہے جس کے بازوؤں پر F اور S لکھا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گھڑی کو فاسٹ کرنا چاہو تو اس سوئی کو فاسٹ کی طرف کر دو، فاسٹ چلے گی۔ اگر سلو کرنا چاہو تو سلو کی طرف کر دو۔ ایک دو مرتبہ کے امتحان سے تم خود سمجھ جاؤگے یا کسی گھڑی ساز سے یہ امور دریافت کر لینا۔

بائیسکل وغیرہ کی چیزیں۔ ٹیوب تو میں بھیج سکتا ہوں لیکن ٹائر کا بھیجنا یہاں سے مشکل ہے۔ تم دیکھو، ڈاک کے سوا اور کوئی صورت یہاں سے ان چیزوں کے بھیجنے کی نہیں اور محصول ڈاک ولایت سے ٹونک تک نہایت گراں ہے۔ ٹیوب کا بھیجنا تو ممکن ہے۔ میرے خیال میں تو مناسب ہے کہ یہ چیزیں تم لاہور سے ہی جی۔ رستم جی کے ہاں سے منگواؤ۔

کلو میاں کے خط کا میں نے جواب دے دیا، ایک عرصہ ہوا۔ لیکن اگر وہ بندوق کے واقعی شوقین ہیں اور چاہتے ہیں تو ان کو پہلے قیمت بندوق ادا کرنا ہوگی اور تم سمجھ لو کہ یہ میرے لیے ایک جھگڑا ہے۔ دوکان پر جاؤ، دیکھو، یہ کرو وہ کرو وغیرہ۔ بہر حال تمہارے لیے اور تمہاری خاطر سے میں یہ کروں گا لیکن قیمت وغیرہ ان کو پہلے بھیجنا ہوگی تب میں آرڈر دوں گا ورنہ خاموش ہوں۔

مجھ کو پرتاپ سنگھ جی رگے جی وغیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اپنی تصویریں والد کو بھیجوں گا۔ باقی سب طرح خیریت ہے۔

گھڑی میں آج ہی رجسٹری کرکے روانہ کرتا ہوں۔ ڈاک خانہ سے وصول کر لو۔ گھڑی پر پتہ صرف تمہارا نام اور علی گنج، مہندی باغ ہے۔

والدہ کو آداب۔ بھائیوں کو پیار۔

فقط

محمود

(۲)

لندن

۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء

ڈیر مسعود خاں

دعا۔ بھائی میں تو یہی کہوں گا، تم جوان ہو، ہر طرح تمہارے حواس درست

ہیں، باوا جان جو کچھ کریں ان کو کرنے دو اور چشم پوشی کرو - صرف ایک ان کی ضعیفی اور آخری وقت پر رحم کرو - وہ تیز مزاج ہمیشہ سے ہیں - تم نے ہمیشہ ان کے مزاج کو برداشت کیا ہے اور ہمیشہ سلیم‌الطبع اور ملائم رہے ہو - اب بھی سلیم‌الطبع رہو - اسی نرمی سے کام لو - اب اپنی اس فرشتہ نفسی کو نہ بدلو - وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے - بھائی، اسی میں تم کو دنیا اچھا کہے گی اور تم اس کا اجر پاؤگے -

میں تم کو شاباش دیتا ہوں، مقصود کا جو تم نے انتظام کیا - بھائی، یہ میرا فرض تھا کیونکہ عمر میں میں تم سے بڑا ہوں لیکن میرے فرض کو تم نے اپنے سر لیا - میں تمہارا مشکور ہوں اور ممنون - مقصود کو دلاسا دو اور ہر طرح اس کے آرام کی تدبیر میں کوشاں رہو - وہ ان سمجھ بچہ ہے اور ہماری تمہاری مدد کا محتاج - مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا اس میں کوتاہی نہیں کروں گا لیکن مجھ سے زیادہ مدد کی امید نہ رکھو - اس پردیس میں میرا کوئی نہیں ہے - باوا جان کے وظیفہ پر پڑا ہوں، جو صرف سد رمق کو کافی ہے - مودود کا جب کبھی پتہ لگے اس کی بھی خبر لو - تم خود دانا اور ہوشیار ہو - میں فخر کرتا ہوں خدا نے مجھے ایسا نیک بھائی دیا -

مقصود کو ایک گھڑی آیندہ ہفتہ [ڈاک] سے بھیجتا ہوں - اس کو پڑھنے کی ہمیشہ تاکید کرتے رہو - مناسب جانو تو ٹونک بلا لو ورنہ جے پور ہی رکھو - والد رفتہ رفتہ اس کے خرچ کا انتظام کر دیں گے - ان کی عادت سے تم واقف ہو - اللہ میاں اس خاندان کی شرم رکھے -

میں نے تم کو جو گھڑی بھیجی تھی پہنچی یا نہیں - اب تک اس کی رسید مجھ کو نہیں ملی - میں نے مقصود، شیخ جی اور مولوی عبدالرحمن کو اس ہفتہ خط علیحدہ علیحدہ لکھے ہیں - والسلام

بخدمت والدہ ماجدہ آداب -

فقط

محمود شیراتی

(۳)

18 Sinclair Road,
Kensington W,
London.
February 22nd, 1907

ڈیر مسعود

بعد دعا مطالعہ کریں ہم دونوں بخیریت ہیں - تمہارے لفافہ کا جواب اسی ہفتہ

دے چکا ہوں - اسی کے ساتھ یہ خط پہنچے گا - مس ٹمانس وغیرہ نے جو خطوط[1] لکھے ان کا تم نے ہوا کی طرف سے اب تک جواب نہیں دیا - یہ صاف تمہاری غفلت کی دلیل ہے - تم ہندوستانیوں کو چاہے لکھو یا نہ لکھو لیکن جب انگریزوں سے معاملہ ہو تو انصاف کرو - اس کے کیا معنی کہ جواب نہیں دیا - میجر برکلے سے تم اب تک ملے یا کیا - مقدمات[2] کی کیا حالت ہے - تم مجھ کو اصل حالات سے پوری اطلاع دیا کرو کہ میں اس قدر قابل ہو جاؤں کہ اگر یہاں سے کسی کام کی بابت چاہوں تو ایجنٹ کو یا کسی اور افسر کو لکھ سکوں - یہ یاد رکھو کہ اصلی اور واقعی حالات سے اطلاع دینا -

تم جب اس امر کے بھی قائل ہو کہ صاحب زادگان عبدالرحیم[3] خاں و عبدالسمیع[4] خاں تم کو مدد دے رہے ہیں تو تم اس قدر مضطرب اور پریشان کیوں نظر آتے ہو - نیاز محمد[5] خاں 'بابو' تو ہیں نہیں جو اس قدر ڈرے جاتے ہو - بشیرالدین احمد صاحب گذشتہ ہفتہ سے مرزا محمد علی خاں کو تمہارے معاملے میں لکھ چکے ہیں - ان کا اس مضمون کا خط میرے پاس آ چکا ہے -

مشہود خیریت سے ہے اور میں خوش ہوں کہ وہ ترقی کر رہا ہے - اگرچہ میں بہ سبب کثرت مشاغل ان دنوں خود اس کو پڑھا نہیں سکتا - کل مشہود خان اپنی آنٹ گریس کے ساتھ بازار گئے تھے - فوٹو بھی اتروایا ہے - دیکھئے کیسا اترتا ہے - جب طیار ہو جاوے گا تو ایک آدھ کاپی میں تم کو بھی بھیجوں گا - تم تمام فوٹو سنبھال کر رکھنا اور میلے نہ ہونے دینا -

مشہود کا اور میرا ہوا کو سلام -

محمود شیرانی

۱- یہ تعزیتی خطوط ان کے والد کی وفات پر لکھے گئے تھے - (مرتب)

۲- والد کے فوت ہونے کے بعد دونوں بیویوں کی اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم کے مسئلے پر مقدمہ بازی شروع ہو گئی تھی - انہی مقدمات کی طرف اشارہ ہے - (مرتب)

۳- صاحب زادہ عبدالرحیم خان کا تعارف اس سے قبل شیرانی صاحب کے والد کے نام خطوط کے ضمن میں آ چکا ہے - (مرتب)

۴- عبدالسمیع خاں، صاحب زادہ عبدالرحیم خان کے بڑے صاحب زادے تھے- (مرتب)

۵- نیاز محمد خاں، ابراہیم خاں اور اسرائیل خاں کے سگے بھنوئی اور پیشہ کے لحاظ سے وکیل ہونے کے باعث ان کے قانونی مشیر بنے ہوئے تھے - (مرتب)

(۴)

18 Sinclair Road,
Kensington W,
London.
جولائی ۲۵- سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خاں

بعافیت باشید - خط تمہارا پہنچا - حالات معلوم ہوئے - میں نہیں سمجھتا یوسف کے معاملے کے متعلق کیا کیا جاوے - صاحب زادہ محمد عبدالسمیع خاں صاحب کی کیا رائے ہے - تم اپنے بچاؤ میں کمی نہ کرو - تم نے مجھ کو یہ تو لکھ دیا کہ تم ایک عذرداری وہاں سے بھیجو لیکن مجھ کو مقدمے کی بابت ضروری اطلاع نہیں دی - بغیر اس کے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا - اور یہ عذرداری کس کے نام بھیجنی چاہیے -

میں یہاں اپنے کاموں میں مصروف ہوں - مشہود اپنے کام میں مصروف ہے - خوب چل نکلا ہے - بلا کا ہنسوڑ ہے - گھر بھر کو ہنساتا رہتا ہے - مزے مزے کے تماشے کرتا ہے - جب سے یہاں آیا ہے کوئی تین انچ کے قریب بڑھ گیا ہے -

شیخ الاسلام عبداللہ کوئیلم گذشتہ جمعہ کو میرے ہاں تشریف لائے تھے - ان کے ساتھ ان کے بیٹے بلال کوئیلم بھی تھے - مشہود خاں کوئیلم صاحب کی گود میں بیٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں - شیخ عبداللہ کوئیلم فاضل اجل ہیں - عربی بہت کم جانتے ہیں - ویسے نہایت لائق اور عمدہ تقریر کرنے والے آدمی ہیں - آیندہ ستمبر میں ہم ان کو اپنی سوسائٹی میں تقریر کرنے کے لیے بلاویں گے - انگریزوں میں یہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا - اس کے بعد انھوں نے تبلیغ اسلام اپنا طریقہ اختیار کیا اور اب تک دو سو سے زیادہ مسلمان ہو چکے ہیں - سلطان عبدالحمید خاں غازی نے ان کو شیخ الاسلام، آفندی اور بے وغیرہ کے خطابات دئے - اسلامی دنیا میں آج کل یہ بڑے مشہور اور معروف شخص ہیں - کسی انگریزی یونیورسٹی سے ان کو ایل - ایل - ڈی کا خطاب ملا ہے - اسلام پر کئی کتابیں انھوں نے تصنیف کی ہیں - ایک اخبار ہفتہ وار اور ایک رسالہ ماہوار اسلامی مضامین پر نکالتے ہیں - اللہ ان کو سلامت[1] رکھے -

---

۱- عبداللہ کوئیلم صاحب لیورپول میں رہتے تھے اور پیشے کے اعتبار سے سالسٹر تھے- شیخ عبدالقادر نے «مخزن» کے ستمبر ۱۹۰۸ء کے شمارے میں «چند گھنٹے لیورپول میں» کے عنوان سے، ان سے ملاقات کا حال لکھا تھا - (مرتب)

ہوا کو میرا اور مشہود کا سلام - مقصود ملا یا کیا ہوا - اللہ اس کو راہ راست پر لاوے - بڑا ہو کر نہایت دق کرے گا - مودود کو میری طرف سے کہہ دو کہ بھائی تم کچھ سیکھتے رہو - اس قدر کہ آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہو جاؤ - ورنہ بڑی مصیبت ہوگی کہ تم سے اور سب سے چھوٹا بھائی پڑھ لکھ گیا اور تم یوں ہی رہ گئے - ابا نے اللہ بخشے اپنی زندگی آبرو کے ساتھ گزار دی - یہی زندگی ہمیں بھی کاٹنا ہے - جینے کو سب انسان جیتے ہی ہیں لیکن زندگی زندگی میں فرق ہے - ایک زندگی ایک گنوار جاہل کی ہے ، دوسری زندگی ایک آبرو دار بھلے مانس کی ہے - اب تم یہ سوچو کون سی زندگی اختیار کروگے - اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ تم چاہو تو اپنے بزرگوں کے نام کو روشن کر سکتے ہو اور خواہ اس پر پانی پھیر دو - باپ مر گئے لیکن خدا کے فضل سے تم اب بھی روٹی کپڑے کی طرف سے پریشان نہیں ہو - یہ وقت ہے، کر لو - موقعہ ہے ورنہ باپ کا پس ماندہ ہمیشہ نہیں رہے گا - وہ کچھ دنوں کے لیے ہے اور بعد میں کام اپنی قوت بازو سے چلے گا - تم اس وقت کے آنے سے قبل اپنے آپ کو طیار کر رکھو - ابھی دریا میں پانی ہے اور کھیتی ہری - جو کچھ کرنا ہو کر لو - گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں -

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

تمہیں اگر اپنے پڑھے لکھے بھائیوں کے ساتھ رہنا ہے تو اس قابل تو ہو جاؤ کہ ان سے کسی معمولی مضمون پر گفتگو کر سکو - میں تم سب کے ساتھ رہنے کو طیار ہوں بشرطیکہ تم پڑھو لکھو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا جہل میری تعلیم پر غالب آ جائے گا - اور تم مودود یہ یاد رکھو کہ میں غریب آدمی کی صحبت سے نہیں گھبراتا کیونکہ غریبی کوئی عیب نہیں لیکن جہالت عیب ہے - اس عیب کو تم دور کرو - تمہارا بچپن گزر گیا - وہ جب گزرا گزرا لیکن جوانی اس طرح نہ گزارو - اس میں تو کچھ سیکھ لو - میں خود غریب آدمی ہوں اور غریب ہی رہوں گا لیکن میری یہی آرزو ہے کہ علم میں نام کروں - والد مرحوم کی یہی آرزو تھی - تم بھی ان کی یہ آرزو پوری کرنے میں سعادت مند بیٹوں کی طرح کام کرو - بد لگامی ، بد شعوری ، یہ تو طفلانہ حرکتیں ہیں - اب تو تقاضائے عمر ہے کہ اس قسم کی حرکات سے تم پرہیز کرو - میں اپنے پچاس کاموں میں، تعلیم میں، میل ملاقات میں، تم لوگوں کو خط لکھنے کے لیے وقت نکال لیتا ہوں لیکن خدا جانے کہاں کے عدیم الفرصت [ہو] کہ باوجود تاکید مجھ کو خط نہیں لکھتے - بھائی آیندہ سے عہد کر لو کہ ہمیشہ لکھتے رہو[گے] - مجھ کو جب وہاں کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں تو پڑھنے میں کیفیت آتی ہے - والسلام

محمود شیرانی

(۵)

18 Sinclair Road,
Kensington W.
London.
16th August, 1907

عزیزم محمد مسعود خاں سلمہ

منشی جمنا پرشاد صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہو اور کہو کہ آپ نے جن صاحب کا پتہ دریافت فرمایا ہے مجھ کو ان کی تلاش میں دیر ہوئی کیونکہ اول تو ان کے نام میں غلطی تھی، دوسرے وہ ریٹائرڈ افسر ہیں ۔ بہرحال جو کچھ معلوم ہو سکا ذیل میں لکھتا ہوں ۔ افسوس ہے کہ ان کا موجودہ پتہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا لیکن میں تلاش میں ہوں ۔ جس وقت معلوم ہوا لکھوں گا ۔ یہ پتہ جو ذیل میں لکھتا ہوں، ڈیڑھ سال پیشتر کا ہے ۔ اس پتہ پر خط و کتابت کرنے سے ، اگر صاحب موصوف اب تک زندہ ہیں تو، خط ان کو آسانی سے مل سکتا ہے :

Denndry, Major General Thomas, K.C.I.E. 1896 ; Extra Groom-in-Waiting to the king since 1901 ; Served in Santhal Compaign, 1855-56 ; Indian Mutiny, 1857-58 ; Political Agent Dholepur Raj, 1879-85 ; Extra Groom-in-Waiting the queen since 1888.

Address : 89 Jermyn Street, London, S.W. England.

چاہو تو منشی صاحب موصوف کو یہ پرچہ دکھا دو ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنرل موصوف اگر زندہ ہیں تو اس وقت لندن میں نہیں ہیں لیکن پتہ بالا پر لکھنے سے خط ان کو آسانی سے پہنچ سکتا ہے ۔

جب کبھی تم بنگلے کی طرف نکلو تو منشی شمس الحق صاحب کو میرا سلام کہہ دینا ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۶)

18 Sinclair Road,
Kensington W
London

۳۰ ۔ اگست سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خاں

بعد ضروریات واجب مطالعہ کریں کہ میں اور مشہود دونوں فضل الٰہی سے

خیریت سے ہیں اور تمہاری سب کی خیریت مطلوب - پچاس پونڈ تمہارے فرستادہ گذشتہ ہفتہ پہنچے - ان کی رسید لو - اس سے پیشتر الور والوں کی بابت تم کو لکھ چکا ہوں کہ وہ روانہ ہندوستان ہو گئے ہیں - اس ہفتہ بندر سعید[1] سے ٹھاکر گوبند سنگھ کا خط آیا تھا - ن کے کچھ کپڑے یہاں لندن میں ہوٹل میں رہ گئے ہیں ، ان کی بابت لکھا تھا - ان کے متعلق میں نے تلاش کی لیکن یہاں ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا - بہر حال میں اس کے متعلق ان کو بعد تحقیق کامل لکھوں گا -

تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری سفارش کہیں کر دوں جہاں تمہیں سو دو سو روپیوں کی نوکری مل جاوے - میں نہیں سمجھ سکتا ، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے - تم اول اپنی اس قدر لیاقت تو پیدا کر لو - اب تم ہی سوچو کہ اول تو نوکری میں کچھ ہے نہیں اور بعد میں نوکری ایسی مفت کہاں پڑی ہیں جو آسانی سے مل جاویں گی ، اور وہ بھی ایک دم سے سو دو سو کی - میں تم کو لکھ چکا ہوں اور پھر لکھتا ہوں کہ اول تو نوکری کے لیے کوئی انگریز سفارش نہیں کرنے کا اور جو کرے بھی تو کس سے کرے - میرے خیال میں تو یہی تجویز [ہے] کہ تم اس قسم کے خیالات سے باز رہ کر تجارت میں لگو - تم تجارت کے کام کے ہو اور اور اسی میں پھلو گے - نوکری کے لیے تم اور تمہارے قویٰ اور نیز تمہاری لیاقت کافی نہیں - اگر ٹونک میں نہ رہو تو پھر جے پور میں کوئی کام کھولو - وہاں خود بھی کام کرو اور نیز اپنے چھوٹے بھائیوں کو کام میں لگاؤ - اس طرح وہ لڑکے بھی کچھ عرصہ میں سنبھل جاویں گے - تم نوکری کی طرف سے منہ موڑو - کوئی ضرورت نہیں کہ کچھ دے دلا کر نوکری لو اور کچھ دنوں کے بعد بدنامی کے ساتھ اس کو چھوڑنا پڑے - ابراہیم خاں وغیرہ جو کچھ کر رہے ہیں ، میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ کچھ نہیں ہوگا - اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ پانچ روپیہ والد کے پاس تھے اس کا ثبوت سب سے پیشتر ان کو دینا ہوگا - اگر یہ کہتے ہیں کہ پنچایت ناجائز ہے اس کا بھی ثبوت ان کے سر ہوگا - اب تک وہ کچھ نہیں کر سکے آیندہ بھی کچھ نہیں ہوگا اور جو تم خواہ مخواہ کا اپنے دل میں خدشہ پیدا کر لو اور پھر اس پر کڑھو اور دوسروں کو کڑھاؤ تو دوسری بات ہے - تم مجھ کو اس ترکیب سے لکھا کرتے ہو کہ وہاں سے سب کچھ کرتے آنا ، گویا تمام تمام ہندوستان پر میرا قبضہ ہے - تم بھی وہیں سے نوکر ہو کر چلے آنا - اب تم یہ سوچو کہ نوکری کیا میرے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہوں گا لے لوں گا - نوکری ملتے ملتے ملتی ہے - کام طریقہ طریقہ سے ہوتا ہے - بہر حال تم مجھ کو اس قسم

---

۱ - اصل خط میں «بندر بور سعید» (کذا) تحریر ہے - (مرتب)

کی ہدایتیں نہ کرو اور اپنے متعلق لکھو کہ آیندہ تمھیں کیا کرنا ہے ۔ اب کیا تم اپنی ساری عمر اس پنچایت کے غم میں گنوا دو گے یا کوئی اور کام بھی کرو گے ۔ اب تک جو تمھارے خطوط پہنچتے رہے ہیں ان میں وہی فقط ایک شکایت ابراہیم خاں اور پنچایت وغیرہ وغیرہ ہوا کرتے ہیں ۔ اب یہ سوچو کہ یوں تو کام کب تک چلے گا آخر تم کو کچھ اور کام بھی دنیا میں کرنا ہے ۔ تم خود نہیں پڑھتے ، مودود اور مقصود نہیں پڑھتے ، پھر کچھ کام کرو اور وہ کام کیا ہے ۔ کو[ئی] دھندا کھولو ۔ سردست چار پیسے اسی ترکیب سے پیدا ہوں گے اور اسی طرح سے تمھارے چھوٹے بگڑنے سے بچیں گے ۔ میں ان دنوں سر توڑ کوشش کر رہا ہوں ۔ امتحان بہت قریب ہے اور پڑھائی اس قدر ہے کہ کبھی جی چاہتا ہے کہ سب کو چھوڑ چھاڑ دوں ۔ بہر حال ایسے خیالات سے کام نہیں چلتا ، کام کرنا پڑے گا ۔ ایک امتحان اکتوبر میں ہے ۔ خدا کرے اس میں پاس ہو جاؤں تو ایک اور باقی رہ جاوے گا ۔ تم مرد بنو اور ہراساں نہ ہو ۔ خدا سب کام آسان کرے گا ۔ ہر کام میں مصلحت اور دور بینی سے کام لو اور بہت جلد کوئی ایسی ترکیب کرو کہ چار پیسے جس سے گھر میں آویں ۔ اسلامیہ کالج (انجمن حمایت اسلام ۔ لاہور) اکتوبر میں کھلے گا ۔ اگر تم اس پر تلے ہو کہ اس کو[1] وہاں بھیجیں تو میں تمھارے واسطے سہروردی صاحب کے نام خط لکھ دوں گا ۔ لیکن مجھ کو کم امید ہے کہ وہ وہاں علی گڑھ میں رہ کر سنبھلے گا ۔ بہرحال یہ تمھاری مرضی پر منحصر ہے ۔ اس کے متعلق جو مناسب چاہو کرو ۔ اب اس کے لیے صرف دو صورتیں ہیں ۔ ایک تو کام میں لگانا دوسرے لاہور بھیجنا میں پہلی ترکیب کو مناسب سمجھتا ہوں ۔ آگے تم جانو ۔ مشہود بخیریت ہے ۔ سب کو سلام کہتا ہے ۔ ہوا کو میرا اور مشہود کا سلام ۔ تم یہ لکھو کہ آیندہ کیا کرنا چاہتے ہو ۔ کب تک تم اور مودود بے کار رہو گے ۔

فقط

محمود شبرانی

میجر ڈکسن پنشن یافتہ افسر ہیں ۔ وہ ہندوستان اگر آئے تو کسی ملازمت کے سلسلے میں نہیں آویں گے بلکہ بطور سیاحت ۔ وہ ممکن ہے کہ دوستانہ تمھاری سفارش کسی سے کر دیں لیکن ملازمت کے لیے نہیں کریں گے ۔ میں نے تمھاری ملاقات کے لیے ان سے جو کہا ہے تو وہ ملاقات کے لیے کہا تھا ۔ یہ اس غرض سے نہیں تھا کہ تم کو نوکری دلا دیں ۔

۱۔ مقصود خاں مراد ہیں ۔ (مرتب)

(۷)

18 Sinclair Road,
Kensington W.
London
Sept. 6th, 07

عزیزم محمد مسعود خاں

بعد دعا مطالعہ کریں گذشتہ ہفتہ تمہارا کوئی خط نہیں پہنچا - تمہاری خیریت کی طرف سے متفکر ہوں - امید ہے کہ تم خیریت سے ہو -

میں اپنی تعلیم میں مشغول ہوں - امتحان سخت مشکل ہے - پاس ہونے کی امید نہیں - اگر کافی طیار ہوا تو اکتوبر میں جاؤں گا ورنہ دسمبر میں اور آخری امتحان کے لیے مارچ - مشہود سب طرح سے اچھا ہے - اب کچھ کچھ پڑھنے میں دل لگاتا ہے - اکتوبر میں یہاں مدرسے کھلیں گے - اس وقت ان کو مدرسہ میں داخل کر دیا جائے گا - انگریزی میں اچھی طرح چل نکلا ہے - ہوا کو مشہود کی طرف سے تشویش پیدا ہوتی ہوگی لیکن ان سے کہہ دو کہ وہ یہاں نہایت ہی آرام سے ہے- سب لوگ اس کو پیار کرتے ہیں - کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے - نہ ہی تو وہ حافظ جی کی مار ہے جیسی بچے ہندوستان میں برداشت کرتے ہیں اور نہ ہی ہر وقت کی بندش ہے جیسی وہاں رہتی ہے - تاہم اس کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے شوق سے پڑھ لیتا ہے - ذہن البتہ نہایت خراب ہے لیکن اس کا کیا [کیا] جاوے - اس وقت میرے پاس کھڑا ہے - میں نے کہا ، ہوا کو کیا لکھواؤ گے - کہا ، کہ پیار لکھ دو اور داؤد[۱] کو بھی پیار لکھ دو - پھر مجھ سے کہا کہ داؤد کو یہاں سے انگریزی کھیل کھلونے بھیجوں گا - کس قدر خرچ ہوگا - میں نے کہا ، بہت صرفہ ہوگا اس لیے ایسی تکلیف نہ کرو - مشہود اب اردو قریباً بھول گیا ہے - میں ہر چند تاکید کروں گا کہ اردو میں بول تاہم وہ انگریزی ہی میں بولے گا - میں ہمیشہ اردو میں اس سے بولتا ہوں لیکن وہ نہیں بولتا - خیر کچھ دنوں کے عرصہ میں جو کچھ بھولا ہے سیکھ لے گا -

تم اپنی بابت کہو کیا ارادے ہیں - مقدمات وغیرہ تو ہوتے ہی رہیں گے - اب تم ان کی زیادہ فکر نہ کرو بلکہ اپنے کام میں مشغول ہوؤ - اگر تم کو ٹونک میں اقامت اختیار کرنا ہے تو وہاں ہی کوئی کاروبار کھولو ، اور جو ایسا نہ کرو تو

۱- مکتوب نگار کے صاحب زادے محمد داؤد خاں (اختر شیرانی) جو اس وقت ڈیڑھ برس کے تھے (مرتب)

جے پور یا کسی اور جگہ - لیکن اب تم وقت ضائع نہ کرو - چھوٹے بھائی بھی بےکاری سے خراب ہو جاویں گے - کچھ نہ کچھ حیلہ بہانہ اوقات بسری کے لیے ضرور چاہیے - میں تم تینوں بھائیوں کے لیے یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ تجارت لو - اسی میں تم کچھ کر سکو گے - تم نوکری کا خیال دل سے نکال ڈالو - اول تو نوکری کے لیے اعلیٰ درجہ کی لیاقت ضروری ہے - اس قابلیت کی غیر حاضری تم سے موجود ہے - دوسرے نوکری میں اس قدر آمد نہیں - تیسرے تمہارا ارادہ مصاحبت کرنے کا ہے- اور اس کے متعلق تم یہ سمجھ لو کہ مصاحبتیں دو قسم کی ہیں - ایک تو پرانی مصاحبت جس کی جھلک تم ٹونک میں دیکھتے ہو - اس قسم کی دربار داری اگرچہ ہندوستان میں مرسوم ہے لیکن وہ ابتدا ہی میں اصولاً غلط ہے اور اس قسم کی اغلاط کی ترویج ملک اور قوم دونوں کے لیے لے انتہا ضرر رساں ہے - بہر حال میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میرے بھائیوں میں سے بھی کوئی اس غلط پیشگی کو اپنا شیوہ بناوے - تم خواہ کچھ بھی مصاحبت پیشگی کے حق میں عمدہ رائے رکھتے ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اس ذلیل پیشہ نے تمام دنیائے اسلام کو تباہ کر دیا ہے - ان خوشامد پیشہ لوگوں کی بدولت سلطنتیں برباد ہو گئی ہیں اور ملک چھن گئے ہیں بھی نہیں ، اس پیشہ نے ملک کو اور مذہب کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور ذلت اور دروغ گوئی ہزار دوسرے عیبوں کا منبع ہے - بہر حال ''مصاحبت'' اس وقت معرض زوال میں ہے - وہ مر رہی ہے اور یہ چند نسلیں جو اس وقت تم ہندوستان میں دیکھ رہے ہو ، ان کی بدولت اس میں کچھ سانس باقی ہے - ان کے مرنے پر اس رسم قبیح کا خاتمہ ہو جاوے گا -

رہی دوسری مصاحبت پیشگی ، دوسرے الفاظ میں کہو ''جواں مصاحبت'' - اس کے متعلق تم یہ سن لو کہ یہ بھی اصالتاً اسی قدر فضول ہے جس قدر ''پرانی مصاحبت'' تاہم وہ حسب زمانہ ہے اس لیے اس قدر معیوب نظر نہیں آتی جس قدر اس کو ہونا چاہیے - ایسا شخص جو اس میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کو مندرجہ اوصاف سے موصوف ہونا چاہیے -

یہ کہ وہ باخبر ہو یعنی وسیع معلومات رکھتا ہو ، حاضر دماغ ہو ، ہر ایک صحبت کے کام کا ہو - خوبصورت طاقت ور وغیرہ ہو کرکٹ خوب جانتا ہو ، پولو کھیلتا ہو ، گھوڑے کا خوب سوار ہو ، فیشن ایبل ہو اور انگریزی بھی جانتا ہو - باقی اور جس قدر کھیل ہیں ان میں بھی مشاق ہو وغیرہ وغیرہ - اب تم سوچ لو اگر تم میں یہ اوصاف مذکورہ اور باقی اور مثلاً شکار اور نشانہ بازی [ہیں] تو تم اس سلسلہ میں جانے کا ارادہ کرو - اس کے علاوہ ایک اور بات سن لو کہ انگریز اس مصاحبی کے سخت خلاف ہے - اس کا جہاں تک بس چلے گا وہ اس گروہ

کو برباد کرے گا - ہندوستان میں انگریزوں کو ابھی اور زیادہ عروج ہوگا - اس لیے بہتر ہے کہ تم پہلے ہی سے ایسے سلسلے میں جانے سے پرہیز کرو اور اگر میرے دل کی بات پوچھو تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم کہیں دس روپیہ کی حلال ملازمت میں گھسو تو میرے نزدیک ہزار درجہ بہتر ہے بہ نسبت اسی مصاحبی کے جس میں تم چار سو پانسو ماہوار کما سکتے ہو - اسلام کی نگاہ میں مصاحب پیشگی حرام ہے - اس یہ تمہارے لیے کافی ہے - مجھ کو امیری پسند نہیں ہے - اسلام غریب ہے اور غریبی ہی ہمارا فخر ہے - ہماری خوبی یہی ہے کہ ہم میں جوہر اخلاق ہو اور جوہر علم - اس کے علاوہ اگر ہم سے ہو سکے تو بنی نوع انسان کی خدمت کریں - اگر میں اور تم ان تین فرائض میں سے ایک بھی ادا سکے تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے اپنی زندگی کا جواب دے دیا ہے جس کے لیے خدا نے ہمیں پیدا کیا تھا - ہوا کو میرا اور مشہود کا سلام -

محمود شیرانی

(۸)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
N
۱۱- اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خان

میں بخیریت ہوں - تمہارا خط پہنچا - حالات معلوم ہوئے - مشہود خاں مدرسہ جانے لگے ہیں - مدرسہ گھر کے قریب ہی ہے - صبح نو بجے سے جاتے ہیں - بارہ بجے آ جاتے ہیں - دوبارہ دو بجے جاتے ہیں اور پانچ بجے آ جاتے ہیں - پہلے تین دن تک تو بڑے شوق سے جاتے رہے لیکن کل ذرا برخاستہ خاطر تھے کیونکہ معلم نے مشکل مشکل الفاظ یاد کرنے کو دیئے - کہتے ہیں اب میں بڑا آدمی ہوگیا ہوں کیونکہ مدرسہ جاتا ہوں - میں نے کہا ، اس میں ذرا بھی شک نہیں لیکن تم اب محنت کیا کرو ورنہ ایسا نہ ہو کہ انگریز بچوں میں تمہاری بے آبروئی ہو اور استاد سزا کے لیے تمہیں کونے میں کھڑا کر دے - بولے ، باہو دادا ایسا نہیں ہوگا - میں نے کہا ، تم انگریزوں کے بچوں سے لڑنا مت - بولے ، نہیں میں نہیں لڑوں گا - میں نے کہا ، کبھی کبھی چھیڑنے کی خاطر وہ تمہیں کالا کلوٹا کہا کریں گے - تم برا مت ماننا اور ٹال جانا - بولے ، اگر وہ مجھ کو دھکا دیں تو کیا کروں - میں نے کہا ، مرد آدمی تم ایسی نوبت ہی کیوں آنے دو -

مسعود تم ٹونک کی کیفیت دیکھ رہے ہو اور پھر ملازمت کے خواب دیکھ

رہے ہو ۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ تم ان خیالات کو اپنے دل سے دور کرو اور تجارت میں پڑو ۔ تم اسی سلسلے میں پھولو گے پھلو گے ۔ مقصود کو میں کچھ دنوں کے لیے باہر جانے میں کوئی خرابی نہیں دیکھتا ۔ اس کو بھیج دو ۔ لیکن لاہور سے میرے دوست عبداللہ المامون سہروردی استعفیٰ دے چکے ہیں ۔ گذشتہ ہفتہ اس کی اطلاع مجھ کو ملی ہے ۔ نہیں معلوم اس کی کیا وجہ ہے ۔ بہرحال اگر اس کو لاہور بھیجتے ہو تو جس کسی کی نگرانی میں رکھو اس کو مقصود کے حالات اور عادات سے مفصل اطلاع دے دو تاکہ سعید الدین خان صاحب کی طرح بعد میں تم کو کوئی الزام نہ دے ۔ اس کے متعلق تم مفتی عبداللہ صاحب سے ملنا ۔ وہ انجمن حمایت اسلام کے پریذیڈنٹ ہیں ۔ لیکن ان سے یہ نہ کہنا کہ وہ اس کو اپنے گھر رکھیں ۔ وہ انجمن حمایت اسلام کے بورڈنگ ہاؤس میں رکھ کر وہیں اس پر نگراں ہو سکتے ہیں ۔ یہ کام تم کو گذشتہ سال کرنا چاہیے تھا ۔

ٹونک میں پنجابی کیسے ۔ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا ۔ تم ان لوگوں پر بھروسہ کر سکتے ہو ۔ ٹونک والوں کی بہ نسبت یہ لوگ زیادہ مردانہ اور قابل اعتبار ہیں ۔ شیخ محمد اقبال[1] کا اب تک پتہ نہیں ۔ جب وہ آویں گے میں تمہاری بابت ان سے کہوں گا ۔ میجر جنرل[2] ڈکسن کی بابت کہہ چکا ہوں کہ وہ ہندوستان بطور سیاحت آویں گے نہ کہ ملازمت کے سلسلے میں ۔ تم ان سے ملاقات کی امید رکھو ۔ وہ آج کل میں لندن آنے والے ہیں اور میں آئندہ ہفتہ ان سے دریافت کرکے لکھوں گا کہ کب وہ ہندوستان جاویں گے ۔ ممکن ہے کہ اس عرصہ میں انھوں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو ۔ تم نے یہ نہیں لکھا شیخ عبدالقادر[3] آج کل کہاں ہیں ۔ آیا وہ آئندہ دہلی ہی میں قیام رکھیں گے یا لاہور رہیں گے ۔ اعتماد اور مشورے کے قابل صرف شیخ عبدالقادر ہیں ۔ تم ان سے مشورہ لے کر دہلی میں کوئی کام شروع کیوں [نہیں] کرتے ، اگر اس کو مناسب جانو ، یا لاہور میں ۔ وہاں مفتی عبداللہ تم کو مشورہ دے سکتے ہیں ، یا جے پور میں ۔ الور والے راجپوت ہیں پرانے خیال کے لوگ ۔ تم ان پر بھروسہ نہ کرو ۔ ان کو ایسا ہی خیال کرو جیسے ٹونک والے ۔ ان سے زیادہ پنجابی لوگ قابل اعتبار ہیں ۔ تم اگر شیخ عبدالقادر صاحب کے

۱۔ حضرت علامہ اقبال مراد ہیں جن سے شیرانی صاحب کے قیام لندن میں دوستانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے ۔ (مرتب)

۲۔ ایک گزشتہ خط میں ان کو شاید غلطی سے میجر ڈکسن لکھا گیا تھا ۔ یہاں ان کا عہدہ میجر جنرل کا درج ہوا ہے ۔ (مرتب)

۳۔ شیخ صاحب ان دنوں دہلی میں پریکٹس کرتے تھے اپریل سنہ ۱۹۰۹ء سے لاہور میں پریکٹس شروع کی ۔ (مرتب)

صحیح پتہ سے واقف ہو تو ان کو میرا حال کا پتہ بھیج کر لکھو کہ میں ان سے چند ضروری[1] معاملات کے متعلق خط و کتابت کرنے والا ہوں - اس لیے مہربانی کرکے اپنا پتہ مجھ کو لندن بھیج دیں -

ہوا کی خدمت میں میرا اور مشہود کا آداب -

والتسلیم
محمود شیرانی

(۹)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
N. London

۲۵- اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خاں بعافیت باشند

تمہارا خط پہنچا - کیفیت معلوم ہوئی - میں اسی ڈاک سے سید اسد علی کو لکھوں گا - وہ آدمی کام کا ہے اور قابل اعتبار - تم اس کے ذریعہ سے یا اس کے مشورہ سے کوئی کام کی بات کر سکتے ہو - میں یہ سن کر بہت خوش ہوں کہ اسد علی کو ارجن سنگھ جی کے ہاں ڈیڑھ سو کی ملازمت مل گئی ہے - بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا - میں اس خبر سے بہت ہی خوش ہوں -

مسعود میں ہر مرتبہ تم کو لکھتا رہا ہوں کہ تاوقتیکہ تمام طرف سے تم اپنے خیال کو سمیٹ کر ایک طرف نہ جموگے کام نہیں چلے گا - تم اور تمام خیالات کو دور کرو صرف تجارت کو لو اور اسی میں خدا تم کو کامیابی دے گا - میں علم کا جویا ہوں اور تم کو خوش حالی کی ضرورت ہے - خدا ہمیں دونوں کو کامیاب کرے - تمہارے اس خط کے پڑھنے سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی کہ تمہارے فضول وسواس اور وہم دور ہوتے جاتے ہیں اور اس خط میں کسی قدر طمانیت برستی ہے - یہ بالکل سچ ہے کہ یہ جھگڑے اور ایسے جھگڑے ہمیشہ ساتھ رہیں گے - انسان کو ان سے نجات نہیں اور تم اگر ان کی طرف سے ہمیشہ ایک قسم کا غیر ضروری خطرہ اپنے دل میں رکھو تو اس میں شک نہیں کہ وہ تم کو بہت تکلیف دے گا - لیکن انسان تکلیف میں، مصیبت میں، خطرہ میں ہمت نہیں ہارتا اور ان پر غالب آتا ہے - تم بھی مرد ہو - باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے - اور مضبوط بنو، اور استقلال سے کام لو - جب زیادہ مصیبت ہو تو زیادہ مستقل مزاج بنو اور صرف اسی مستقل مزاجی سے کام چلے گا -

---

۱- اصل خط میں ''ضروری چند'' لکھا ہے - (مرتب)

میں اور ایک بات تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم جن لوگوں کو اپنی دوستی کے لیے انتخاب کرو وہ دغا پیشہ اور غرض کے یار نہ ہوں بلکہ سچے دوست، دوستی کی خاطر (کذا) اور جو کہ وقت پر کام آویں۔ بہرحال تم کو اس کے متعلق کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور ہوگا اور محتاط رہنا تم نے سیکھ لیا ہوگا۔ صاحب زادہ ایوب خاں اور ان کا قرض[1]۔ بھئی میں نہیں سمجھتا۔ اس کی کیا ترکیب کی جاوے۔ ممکن ہے میری تحریر دیکھ کر وہ بالکل ہی منکر ہو جاویں۔ نیز تم نے مجھ کو اس کے متعلق پوری کیفیت نہیں لکھی کہ آیا کوئی تمسک یا چٹھی انہوں نے اس کی بابت دی ہے یا نہیں تم اس کے متعلق مجھ کو اطلاع دو۔ بہرحال یہ امر کہ اس قرض کا مجھ کو علم ہے یا والدہ کو۔ صاحب زادہ ایوب خان پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر ان کی نیت میں فساد ہے تو میرا اور والدہ کا علم کیا کر سکتا ہے۔ بہرحال تم نے آدھی بات لکھی ہے اور اس سے میں کوئی پوری رائے قائم نہیں کر سکتا۔ تم ان دوستانہ قرضوں سے برائے خدا بچو۔ ممبر صاحب کے صاحب زادے عنایت اللہ خاں کو میرا سلام اور شکریہ کہہ دو۔ جس ذریعہ سے کوئی پیغام آوے اسی ذریعہ سے مجھ کو جواب دینا چاہیے۔ تم خواہ مخواہ کی یہ زڑ کیوں لگا دیتے ہو کہ جس کسی سے تمہارا میل ہو میں اس کو پہلے خط لکھوں۔ وہ اگر مجھ کو لکھیں گے، میں جواب دوں گا ورنہ تمہارے اور ان کے تعلقات اور رسم تمہارے لیے کافی ہیں۔ تم مجھ کو بیچ میں کیوں ڈالتے ہو۔

گذشتہ ہفتوں سے میں صاحب زادگان عبدالسمیع خاں اور عبدالرحیم خاں صاحب کی خدمت میں خطوط لکھتا رہا ہوں اور ان خطوں میں میں نے زور بھی دیا ہے کہ صاحب زادہ عبدالسمیع خاں لندن برائے تعلیم قانون تشریف لاویں۔ بہرحال تم بھی اگر ممکن ہو تو باپ بیٹوں کو اسی خیال پر آمادہ کرو کیونکہ یہ تجویز سب کے حق میں مفید ہوگی۔ ٹونک کے لوگ جہالت اور غفلت میں پڑے ہیں۔ ان کی بیداری کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔

مشہود خاں مزے میں ہیں۔ روزمرہ مدرسہ جانا ہوتا ہے۔ کند ذہن بہت ہے، اس کا کوئی علاج نہیں اور اس لحاظ سے اس میں (سے؟) میں مایوس ہوں۔ اس کا لندن آنا شاید اس قدر مفید نہ ہو جیسا میں نے تجویز کیا تھا۔ بہرحال ٹونک کی گنوار بنانے والی آب و ہوا سے بچا ہے، یہ سب میں بڑا فائدہ ہے جو میں مشاہدہ

۱۔ مسعود خاں کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ صاحب زادہ ایوب خاں، ان کے والد مرحوم کے مقروض ہیں لیکن کوئی تحریری ثبوت نہ تھا۔ اسی سلسلے میں انہوں نے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ حافظ صاحب براہ راست صاحب زادہ صاحب کو لکھیں۔ اس کے جواب میں یہ سطور تحریر ہوئیں۔ (مرتب)

کرتا ہوں - ہوا کی خدمت میں میرا اور مشہود کا آداب - والسلام

محمود شیرانی

(۱۰)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
London

۶- دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم مسعود خاں

میں خیریت سے ہوں اور تمہاری خیریت کا طالب - گذشتہ ہفتہ تمہارا خط نہیں پہنچا کیا وجہ ہے - میں اپنی تعلیم میں مشغول ہوں - امتحان دسمبر میں ۱۷- کو ہوگا - یہاں سردی شدت سے پڑ رہی ہے، دو چار مرتبہ گھپ کہر بھی -

میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ عطا محمد صاحب[1] انجینیر جو ٹونک میں آئے ہیں شیخ محمد اقبال کے بھائی نہیں ہیں - تمہارے تجارتی معاملات کی نسبت میں بعد میں دریافت کرکے لکھوں گا - اس میں ذرا دیر لگے گی - خط و کتابت کرنا ہوگی - بالفعل میں امتحان میں مصروف ہوں - مشہود خیریت سے ہے - ہوا کی خدمت میں میرا اور مشہود کا سلام -

محمود شیرانی

(۱۱)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
3rd Jan. 08

عزیزم محمد مسعود خاں

بعد دعا مطالعہ کریں، خط پہنچا، حالات معلوم ہوئے - ان دنوں میں بیمار ہوں کبھی زکام کبھی سردی کبھی سر درد غرض ناک میں دم ہے - سردی بے انتہا پڑ رہی ہے ایسی سردی پہلے دیکھنے میں نہیں آئی - مشہود[2] کی طبیعت بھی خراب ہے - آج کل وہ مدرسہ نہیں جاتا - کرسمس کی چھٹیاں ہیں - ہوا[3] کی اور تمہاری شکایتوں کے

۱- یہاں پھر حضرت علامہ اقبال مراد ہیں جن کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد بھی انجنیئر تھے - (مرتب)

۲- اصل خط میں یہاں غلطی سے مقصود لکھا دیا ہے - (مرتب)

۳- مسعود خاں کیونکہ بھائی کے اخراجات سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے اس لیے اپنے خط میں لکھ دیا تھا کہ ''والدہ کہتی ہیں کہ یہ پیسے آخر کب تک بھیجے جاتے رہیں گے'' اور ان کی طرف سے فرضی شکایتیں بھی لکھی تھیں - (مرتب)

جواب کیا دوں - تم لوگ اگر سوچو تو ان کا خود ہی جواب پیدا کر سکتے ہو - اگر نہ سوچو اور سمجھو تو میرے جوابات بھی تم کو تشفی نہیں دے سکیں گے - تمہاری اور بوا کی بے آرامی اور تفکرات، اس کا میں جواب کیا دوں - تم کو اگر غیروں نے فرضاً تکلیفیں دی ہیں تو ان کی اس میں غرض تھی یا فائدہ تھا لیکن تم نے مجھ کو جو پریشانیاں دیں اس کا کیا جواب ہے - طرفین میں سے اس میں کسی کا نفع بھی متصور نہیں بلکہ دونوں طرف نقصان متصور ہے - جب میں ہندوستان تھا تو تم اس قدر فیاض بن گئے کہ میرے اخراجات کا بوجھ خواہ مخواہ اپنے سر لے لیا اور اس کے بعد جس طرح تم نے اپنا وعدہ نبھایا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے - تم پر جو بلائیں آئیں وہ تمہارے نامہربان بھائیوں[۱] کے طفیل لیکن میری مصیبتیں میرے مہربان بھائیوں کی وجہ سے ہیں - بہرحال میری وہی کیفیت ہے مردہ بدست زندہ - جب تمہارا جی چاہے مجھ کو خرچ بھیج دو اور پھر لطف یہ کہ احسان کا احسان، شکایت کی شکایت - ''تم ۱۹۰۴ء میں گئے تھے''[۲] لیکن تم یہ بھول گئے کہ میں یہاں اکتوبر میں پہنچا تھا اور دسمبر میں بیمار ہوگیا تھا - اگر تمہارے دل ہوتا اور آنکھیں ہوتیں تو معلوم کر لیتے کہ آخر اس ڈیڑھ مہینہ میں میں کیا کیا کر لیتا - اس کے بعد میں نے بیماری سہی - خیر اس وقت اگر تمہیں یقین نہیں آیا تو نہ آیا لیکن جب تم نے اپنی آنکھوں سے اور بوا نے میری کیفیت[۳] دیکھ لی تو تم کو یقین آنا چاہیے تھا - اس کے بعد سنہ ۰۶ء میں میں ہندوستان آیا - یہ مانا کہ میں نے حماقت کی لیکن وقت تو اس میں ضائع گیا - ہندوستان جب میں آیا تو میری آٹھ ٹرمیں پوری ہوئی تھیں - چار اور باقی تھیں اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اکتوبر ۰۶ کی ٹرم ضائع گئی - آخر میں مارچ سنہ ۰۷ء کی ٹرم میں شریک ہوا - تو بہرحال مجھ کو مارچ سنہ ۰۸ء تک ٹھہرنا چاہیے - یہ باتیں تو معمولی عقل کی ہیں، ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے - لیکن خدا نے تم کو عقل دی ہوتی تو یہ باتیں کاہے کو ہوتیں - تمہیں اگر باپ کے کفن کی شرم ہوتی، تمہیں اگر بھائی کا درد ہوتا تو تم سمجھتے کہ آخر میں جو رلا رلا کر خرچ بھیج رہا ہوں تو وہ کم بخت لندن میں کس طرح گذارہ کر رہا ہوگا - وہ اکیلا ہی نہیں ہے اس کے ساتھ ایک اور تحفۂ علت بھی ہے - آخرکار اس پر کچھ نہ کچھ خرچ ضرور آتا ہے - تمہاری اس دیدہ دلیری کا کیا علاج کہ میں جو تم کو لکھوں اس کو جھوٹ مانو، بیہودہ

۱- مراد سوتیلے بھائی ہیں - (مرتب)

۲- یہ فقرہ مسعود خاں کے خط سے نقل کیا ہے - (مرتب)

۳- حافظ صاحب کے دونوں کانوں کے پیچھے آپریشن کے نشانات تھے - جب والد کے انتقال پر کچھ عرصے کے لیے وطن آئے تو والدہ اور بھائی کو دکھائے ہوں گے - (مرتب)

سمجھو اور پھر کہے جاؤ کہ اس قدر خرچ ہوگیا ۔ آپ کو اپنی سعادت مندی اور ہوا کی تابعداری کا خیال میرے ہی معاملہ میں آتا ہے ۔ والد کے انتقال کے بعد اب تک آپ نے جو فیاضی میرے ساتھ کی ہے وہ میرے حق سے زیادہ نہیں کی ہے ۔ اس قدر تو میرے حصہ ہی میں غالباً آ جاتا اور ساتھ ہی مشہود کا بوجھ میں نے اپنے سر لیا ۔ تمہارا صرف ایک اصول ہے کہ روپیہ کمایا جاوے، لیکن کس طرح اور کیونکر اس سے بحث نہیں ۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے لیے بھی لیاقت ذاتی اور لیاقت علمی درکار ہے ۔ تمہیں اگر علم اور لیاقت سے نفرت ہے تو ہو لیکن دوسرے جو اس طرف متوجہ ہیں ان کو کیوں روکتے ہو ۔ خالی روپیہ کسی کام کا نہیں ۔ تمہارے اپنے گھر میں تمہارے دو بڑے اور دو چھوٹے موجود ہیں ۔ ان کی مثال سے تم بہت کچھ نصیحت لے سکتے ہو ۔ تم کو اگر مشہود کی تعلیم میں دلچسپی نہیں تو مجھے تو ہے ۔ ٹونک میں رہ کر وہ بھی تباہ ہوتا ۔ اس کے واسطے تمہیں اور ہوا کو دو پونڈ ماہوار بھی گراں گزرتے ہیں اگرچہ یہ لندن ہی کا خرچ کیوں نہ ہو ۔ مجھے لندن پہنچے تیرھواں مہینہ گزر رہا ہے، یاد رکھو تیرھواں مہینہ[1]۔ اب سولہ کو تیرہ میں ضرب دے کر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے، دو سو آٹھ پونڈ ۔ من جملہ ازیں تم نے مجھے بھیجے ہیں ماہواری خرچ کے لیے ۔ آتے وقت ستر پونڈ دیے جن میں سے صرف ۳۵ پونڈ مجھ کو لندن کے مصارف کے لیے بچے ۔ الغرض جنوری سنہ ۷ میں ۳۵، مئی میں ۶۵، اگست میں ۵۰ ۔ جن کی کل میزان ہوتی ہے ۱۵۰ پونڈ ۔ جب یہ رقم ۲۰۸ پونڈ میں سے تفریق کی جاتی ہے تو باقی نکلتے ہیں ۵۸ پونڈ اور میں اس وقت تک ۷۰ پونڈ کا قرض دار ہوں ۔ اس کے علاوہ تین ماہ اور مجھ کو اپنے امتحان میں لگیں گے ۔ ان تین مہینوں کا خرچ ۳۸ پونڈ[2] ہوگا ۔ علاوہ ازیں ۶۰ پونڈ مجھ کو بیرسٹر کی ڈگری ملنے پر ادا کرنا ہوں گے ۔ الغرض کلہم بیرسٹر ہونے تک مجھ کو ۱۷۸ پونڈ پہنچنا چاہییں، یاد رکھو ایک سو اٹھہتر پونڈ ۔ اس رقم سے گریز نہیں خواہ میں روؤں اور خواہ تم ۔ یہ رقمیں ضروری ہیں تمہیں بھیجنا ہوں گی ۔ اور اگر نہیں بھیجو تو ہمیں اپنی تقدیروں پر چھوڑ دو اور جواب جلد دو ۔ والسلام

محمود شیرانی

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والد کے انتقال کے بعد حافظ صاحب دوبارہ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء میں لندن پہنچے تھے ۔

۲۔ اصل خط میں یہاں غلطی سے ''روپیہ'' لکھا گیا ہے ۔ (مرتب)

بنام سید حسن مجتبیٰ صاحب

(محلہ قافلہ ۔ ٹونک)

(۱)

16 Kildare Terrace,
Bayswater W,
3-2-1905

ڈیر سید حسن مجتبیٰ صاحب زاد عنایتکم

تسلیم ۔ دو ہفتہ پہلے اب سے آپ کا عنایت نامہ پہنچا ۔ میں مشکور ہوں ۔ بالخصوص آپ کے کتاب بھیجنے کے ذکر کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ ذکر کیوں ، اس لیے کہ اب تک عنایت نامہ وصول ہونے کے بعد دو ہفتہ گذر جانے پر بھی وہ کتاب اب تک مجھے نہیں ملی ہے ۔ میں نے طامس کک کی بابت دریافت کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی پارسل آپ کے نام نہیں آیا ۔ اس لیے میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ پوسٹ آفس ٹونک سے تفتیش کریں ۔ میں نہیں چاہتا کہ اس قدر قیمتی کتاب یوں ضائع ہو جاوے ۔

آپ کو مبارک ہو کہ محمڈن ایسوسی ایشن لندن نے آپ کے علی گڑھ کالج کے لیے ایسا پرنسپل تلاش کیا ہے جس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ تمام گذشتہ پرنسپلوں سے بہتر ثابت ہوگا ۔ ان کا نام W.A. Archbold M.A.[1] ہے ۔ کیمبرج یونیورسٹی کے لیکچرار ہیں اور سول سروس کے بورڈ آف ایگزیمینرز میں بھی ان کا نام ہے ۔ صاحب تصنیف ہیں ۔ اس وقت کیمبرج یونیورسٹی کی ہسٹری لکھ رہے ہیں ۔ اس لیے جولائی سے پیشتر[2] ہندوستان نہیں جا سکتے ۔ اکثر انڈین سی ۔ ایس ۔ ان کے شاگرد ہیں اور سیکریٹری آف گورنر جنرل ان کے بڑے دوست ہیں ۔ یہ شخص ہیں جن کو شیخ عبدالقادر ، سید امیر علی جج اور ڈاکٹر ایس ۔ حسین[3] نے انتخاب کیا ہے ۔ نواب محسن الملک نے انہیں منظور کر لیا ہے ۔ تار آ چکا ہے ۔

۱۔ اتفاق سے مسٹر آرچ بولڈ علی گڑھ کالج کے ناکام پرنسپل ثابت ہوئے ۔ (مرتب)

۲۔ مسٹر آرچ بولڈ نے ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء کو علی گڑھ کالج کے پرنسپل کی ذمہ داری سنبھالی تھی ۔ (مرتب)

۳۔ غالباً نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مراد ہیں ۔ یہ سید علی بلگرامی اور سید حسن بلگرامی کے بڑے بھائی تھے ۔ حیدر آباد دکن میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور خطابات حاصل کیے ۔ ۱۹۲۶ء میں بعمر ۸۳-۸۴ برس ، انتقال کیا ۔ (مرتب)

ان کی تنخواہ بارہ سو ماہوار ہوگی ۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں آداب ۔ فقط
محمود

تینوں چٹھیاں دوسرے لفافے میں روانہ کرتا ہوں ۔ محمود

(۲)

18 Sinclair Road,
Kensington W,
London
April 12th, 1907

ڈیر حسن

عنایت نامہ کی وصولیت کا شکریہ قبول کیجیے ۔ اس کا جواب مجھ کو گذشتہ ہفتہ ہی دینا چاہیے تھا لیکن عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس ہفتہ تک مجھ کو اور آپ کو انتظار کرنا پڑا ۔

آپ کے خط سے مجھ کو بہت سے تفکرات کے رفع کرنے میں مدد ملی ہے ۔ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ کا خیال اس مقدمہ[1] میں اسی طرح آئندہ بھی کچھ نہ کچھ حصہ لیتا رہے گا ۔

سید زبیر[2] کا خط جو گذشتہ ہفتہ موصول ہوا ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیب دشمنان آپ علیل ہیں ۔ گرت درد سرے باشد مرا بر گرد سرگرداں ۔ خدا صحت کامل عطا کرے ۔

آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ میں Constitutional Law اور Legal History میں کامیابی حاصل کر چکا ہوں ۔ گذشتہ دس اپریل کو نتیجہ ٹائمز میں شائع ہوا ۔ اب دو اور امتحان باقی ہیں ۔ خدا کرے ان میں بھی یوں ہی کامیابی حاصل ہو ۔ مجھ کو ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے اور بہت کچھ پڑھنا ہے لیکن جلد ان امتحانات سے فراغت ملے ۔

میں نے آپ کو جو کسی غصہ سے جنوری یا فروری میں ایک خط لکھا تھا جس کو اس وقت A Fanatical Letter کے نام سے یاد کروں گا ، اس میں شک نہیں کہ وہ اسی مزاج کا خط تھا لیکن میں کیا کروں ۔ ٹونک والے کچھ ہیں ہی ایسے مزاج کے ۔ تاوقتیکہ ان کو صاف صاف گالیاں نہ دی جاویں وہ مانتے ہی نہیں ۔ بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ لمبا خط اثر ہے اسی خط کا ورنہ

۱۔ وہی خاندانی مقدمہ مراد ہے ۔ (مرتب)

۲۔ پروفیسر مولانا سید طلحہ حسنی کے برادر بزرگ اور معتمد الملک سید محمد ، ظفر جنگ ناظم پرگنات (کلکٹر) کے صاحب زادے تھے ۔ سید محمد ، حضرت سید احمد شہید کے بڑے بھانجے سید محمد علی صاحب مصنف ''مخزن احمدی'' کے حقیقی پوتے تھے ۔ سید زبیر نے سنہ ۱۹۶۸ء میں کراچی میں انتقال فرمایا ۔ (مرتب)

بھائی سید تو کچھ دوانے ہیں وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں

کا مضمون تھا ۔ مقصد اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر آپ نے آئندہ پھر میرے معاملات سے غفلت کی تو میں پھر اسی تجربہ کے دوہرانے پر طیار ہوں اور اس دفعہ گالیاں دینے سے بھی تامل نہیں کروں گا ۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ آپ اس تکلیف کے بغیر خود ہی سمجھ جاؤ اور بغیر کہے سنے مجھ کو برابر وہاں کے حالات اور مقالات سناتے رہواور مسعود کے معاملات میں دلچسپی لیتے رہو ورنہ یار زندہ و صحبت باقی ۔

حسن ، تم یہ یاد رکھو کہ میں یہاں خوش نہیں ہوں ۔ مشہود کو لے آیا ہوں یہ ایک اور غلطی کی ۔ میرا آنا ہی پہلی غلطی تھی ۔ میں اس وقت قعردریا میں ہوں ۔ ساحل سے دور ۔ نہیں سمجھتا کہ کیا کروں ۔ دونوں ساحل مجھ سے دور ہیں ۔ کبھی سوچتا ہوں کہ واپس لوٹ جاؤں اور کبھی شرم آتی ہے اور سوچتا ہوں کہ اس قدر کیا ہے ، آگے بڑھا چلا جاؤں لیکن میرا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جن کو میرے خیال اور میرے مذاق سے ذرہ بھر بھی آشنائی نہیں ۔ والد مرحوم کو میرے مذاق سے کچھ مذاق تھا لیکن ان کے مٹنے پر وہ بھی مٹ گیا ۔

کس زبان مرا نمی فہمد بعزیزاں چہ التماس کنم

میں خالی خولی سبز باغوں میں یہاں چلا آیا اور شاید وہ دن نہایت قریب ہے جب کہ میں اس بلندی سے گروں ۔ میں ، اگرچہ حالات نہایت ہی بدمزہ اور واقعات ناسازگار ہیں تاہم کوشش میں ہوں کہ اگلے امتحان کے لیے طیاری کروں ۔

میں اس وقت پین اسلامک سوسائٹی کا جائنٹ سیکریٹری ہوں لیکن کچھ ہی عرصہ میں سیکریٹری بن جاؤں گا ۔ اس وقت میرا ارادہ ہے کہ اس کی اشاعت میں از سر نو کوشش کی جاوے اور لیکچروں کا سلسلہ باقاعدہ جاری کیا جاوے ۔ اس میں میں بھی ذاتی طور پر عملاً حصہ لوں گا ۔ اس سوسائٹی کے مقاصد ، آپ کو اگر معلوم نہ ہوں تو یہ ہیں :

۱ ۔ عالم اسلام کی تمدنی اور اخلاقی اور علمی اصلاح ۔ مسلمانوں کے لیے ایک مرکزی طاقت کا قیام ۔ ان میں کل مومن اخوۃ کا عمل ۔

۲ ۔ غیر مسلم اقوام سے اسلام کی بابت غلط فہمی کا رفع کرنا ۔ در پردہ اس میں داخل ہے اشاعت اسلام ۔

الغرض اور بھی اسی قسم کی اغراض ہیں جن سے صرف مفاد اسلامی مقصود ہے ۔ اس سوسائٹی کی بہت سی شاخیں مختلف اسلامی مرکزوں میں قائم ہوگئی ہیں ۔ مثلاً مصر ، شام ، عرب ، مورا کو ، ٹیونس ، الجیریا ، ٹریپولی ، ایران ، مقامات وسط ایشیا ، قسطنطنیہ ، سراندیپ ، برمہا اور ہندوستان کے بعض مقامات میں مثلاً کلکتہ ، اودھ وغیرہ ۔

ٹونک والوں سے سوسائٹی کو امید تو اسی قسم کی تھی لیکن میں ٹونک کے حالات سے واقف ہوں - وہاں ایسی تحریک کا پیش کرنا آئینہ بد ست کوراں دادن ہے - بہرحال یہ خیال تسلی دیتا ہے کہ اسلام کا مولد خوش قسمتی سے ٹونک نہیں تھا بلکہ ریگستان عرب کا مرکز مکہ معظمہ - ٹونک والے کہنے کو مسلمان ہیں اور مسلمان بھی کیسے مجاہد اور مجاہدوں کی اولاد جو سید احمد صاحب کے علم کے نیچے لڑے لیکن ان کے بچوں میں ان کے اجداد کے اوصاف عنقا ہیں اور ان کا اسلامی جوش جو میراث میں انھوں نے اپنے بچوں کو دیا ، نسلوں کے بٹنے اور عمروں کے گذرنے پر مٹ گیا لیکن اس کا بقیہ نقیہ نسلی جہالت کی وجہ سے تعصب کی صورت میں جلوہ گر ہوگیا - اس تعصب کو ان کے گرد و نواح کی ہندو ریاستوں میں رہنے سے اور بھی ترقی ملی اور یہ ترقی اللھم زد فزد امید تو ہے ترقی ہی کرتے جاویں گے -

کچھ دنوں سے سرسید کا کالج پیدا ہوا ہے اور بعض علم دوست والدین اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے لگے ہیں - ٹونک والوں نے بھی اس سے فیض اٹھایا ہے لیکن ان کے کالج سے مجھ کو ہمدردی نہیں - اگرچہ کالج کا تماشائی اس کی لمبی چوڑی عمارت اور مسلمان بچوں کا ایک گروہ کثیر وہاں دیکھ کر خیرہ ہو جاتا ہے لیکن میں اس تعلیم کو Anti-Islamic Movement کے نام سے یاد کروں گا کیونکہ وہ کالج مسلمانوں کو اچھا خاصہ انگریز بنا دیتا ہے اور جب یہ انگریز زیادہ پڑھ لکھ جاتا ہے تو وہ اسلامی علماء ، حکماء اور فلسفیوں کو تو بھول جاتا ہے اور بات بات میں اپنے قول کی تائید میں کسی انگریز کو پیش کرے گا - وہ اگر چاہے تو ابن رشد کو اپنے قول کی تائید میں پیش کر سکتا ہے لیکن نہیں، وہ لارڈ بیکن ہی کو پیش کرے گا - سعدی وہ بھول جاوے گا اور دوڑ کر شیکسپیئر کو لاوے گا - حالانکہ سعدی شیکسپیئر سے ہزار درجہ اور دس ہزار درجہ بڑھا ہوا ہے ، خواہ قبولیت کے لحاظ سے خواہ قابلیت کے لحاظ سے - وہ اگر چاہے تو شہاب الدین مقتول کا حوالہ دے سکتا ہے لیکن نہیں وہ ڈارون کا حوالہ دےگا - الغرض یہ تعلیم اگرچہ علمی لحاظ سے نہایت مفید ہے لیکن ایسی حالت میں وہ اسلامی ہمدردی کا خون کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ہماری ایشیائی ہوا اور ایشیائی تہذیب کے خلاف (کذا) -

میں طول امل سے گھبراتا ہوں اس لیے اس خط کو یہیں تمت بالخیر کہتا ہوں - والتسلیم -

بخدمت قبلہ بخشی[1] صاحب آداب - بی[2] کی خدمت میں تسلیمات - محمود شیرانی

۱- سید حسن مجتبیٰ صاحب کے ماموں سید محمد عثمان ریاست میں بخشی الملک کے عہدے پر فائز تھے - (مرتب)

۲- سید حسن مجتبیٰ صاحب کی والدہ محترمہ - (مرتب)

مجموعۂ خیال

تالیف سید محمد

بنام ڈاکٹر مولوی عبدالحق[1] (بابائے اردو) مرحوم

(۱)

میوہ منڈی[2] ۔ لاہور

بخدمت آنریری سیکرٹیری
انجمن ترقی اردو ۔ اورنگ آباد

مخدومی و محترمی جناب مولوی صاحب

السلام علیکم ۔ میں ان صفحات میں شاہنامۂ فردوسی کے ایک جدید اڈیشن

۱- مولوی صاحب مرحوم کے نام شیرانی صاحب نے یقیناً بڑی تعداد میں خطوط لکھے ہوں گے ۔ افسوس کہ ان میں سے اکثر خطوط میسر نہ آ سکے ۔ خدا جانے سنبھال کر رکھے بھی تھے یا نہیں اور اگر رکھے ہوں تو ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں دہلی میں انجمن کا دفتر نذر آتش ہونے پر یہ بھی ضائع ہو گئے ہوں گے ۔ غرض مجھے صرف تین خط مل سکے ہیں ۔ ان میں پہلا اور تیسرا خط شیرانی صاحب مرحوم کے کاغذات میں اور دوسرا خط محترم سید الطاف بریلوی سے دستیاب ہوا ۔ (مرتب)

۲- یہ طویل خط دس اوراق پر مشتمل تھا جن کے صرف ایک ہی طرف تحریر موجود ہے ۔ ان میں سے پانچواں ورق غائب ہے ۔ اس کا صرف ایک کونہ مل سکا ۔

یہ اصل خط کی نقل بلکہ رف پروف معلوم ہوتا ہے ۔ کاغذ نہایت باریک اور خستہ ہے جس کے سبب جگہ جگہ سے کنارے شکستہ ہو گئے ہیں ۔ اس طرح جو عبارت ضائع ہوئی ہے میں نے قوسین میں اسے مکمل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ البتہ جہاں کوئی اہم چیز غائب تھی وہاں میں نے اس کی تکمیل کی بجائے تین نقطے لگانے پر اکتفا کی ہے ۔

اس خط پر تحریر کی تاریخ موجود نہیں ۔ اوپر میوہ منڈی کا پتہ لکھا ہوا ہے ۔ میوہ منڈی والے مکان میں شیرانی صاحب سنہ ۱۹۲۳ء کے منتصف دوم اور ۱۹۲۴ء کے اوائل میں صرف چند ماہ ٹھہرے تھے ۔ ظاہر ہے کہ خط اسی عرصے میں لکھا گیا ہوگا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں ان کی اسلامیہ کالج لاہور کی ملازمت کسی وجہ سے مخدوش ہو گئی تھی ۔ چنانچہ مولوی صاحب مرحوم کے ایما پر انھوں نے یہ خط نما درخواست نظام حیدر آباد کی خدمت میں روانہ کی ۔ افسوس کہ اس اسکیم پر نظام گورنمنٹ کی جز رسی کے سبب عمل نہ ہو سکا ورنہ شاہنامہ کا ایک مثالی ایڈیشن تیار ہو جاتا ۔ مولوی

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۰)

کی ضرورت کے متعلق آپ کی خدمت میں تصدیعہ پرداز ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ان سطور کو توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرماویں گے اور اگر میری تجویز سے ہمدردی کر سکیں تو مہربانی فرما کر اس کے کامیاب بنانے کی کوشش کریں اور مجھ کو اپنا منت گزار دائمی تصور فرمائیں ۔

میں ایک عرصہ سے شاہنامۂ فردوسی پر کام کر رہا ہوں اور وقتاً فوقتاً اس پر مضامین بھی لکھتا رہا ہوں جن میں سے بعض شائع ہو گئے ہیں اور باقی شائع ہونے کے منتظر ہیں ۔ جہاں میں نے فردوسی کے حالات اور زمانہ کے متعلق کام کیا ہے وہاں شاہنامہ کے متن پر بھی نگاہ ڈالی ہے اور ایک طویل معالعہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ مروجہ شاہنامے چنداں قابل اعتبار نہیں ہیں ۔ ان میں بہت کچھ ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے ۔ مختلف قلمی اور قدیم نسخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اور مطبوعہ شاہناموں میں نمایاں اختلاف ہے ۔

سنہ ۱۸۲۹ء شاہنامہ کی تاریخ میں ایک یادگار سال ہے جب کہ ٹرنر میکن نے سب سے پہلی مرتبہ اس کو مرتب کرکے کلکتہ . . . مصارف طباعت کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ذمہ داری لے لی تھی لیکن جب اڈیٹر اس پر بہت کچھ وقت اور روپیہ ضائع کر چکا ، کمپنی مذکور نے مسٹر برنگٹن کی مخالفت کی بنا پر اخراجات طبع ادائیگی سے صاف انکار کر دیا ۔ اڈیٹر مایوس ہو کر اپنی محنت سے دست کش ہونے والا تھا کہ اعلیٰ حضرت نصیرالدین حیدر فرماں روائے ملک اودھ کو ان واقعات کی اطلاع ملی ۔ شاہ موصوف نے مشرق فیاضی سے کام لیتے ہوئے جملہ مصارف اپنے خزانہ سے عطا کر دیے۔ اس طرح یہ کلکتہ والا نہایت مشہور شاہنامہ طبع ہوا ۔

ٹرنر میکن اور اس کے شریک محنت علمائے ہندوستان نے ، جن کے ناموں سے ہم ناواقف ہیں ، اس میں شک نہیں کہ شاہنامہ کا صحیح متن طیار کرنے کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

صاحب شیرانی صاحب کے نام اپنے ۲- فروری ۱۹۲۵ء کے خط میں لکھتے ہیں :
«جن حالات کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے وہ بہت افسوس ناک ہیں اور ایسی صورت میں آپ کا وہاں رہنا دشوار ہے . . . آپ کی شاہنامہ والی سکیم میں نے تیار کی تھی لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ اس کے بعد ہی سے حضور نظام کے دماغ میں تخفیف کا خیال پیدا ہوا جس کی حالت جنون کی سی ہو گئی ۔ یہ مانیا کم ہو تو آپ کی اسکیم کے لیے کوئی صورت نکالوں»۔ (مرتب)

بے حد جاں فشانی سے کام لیا ہے جس کا اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نسخہ کی طیاری کے وقت ان کے پاس اونیس نسخے شاہنامہ کے موجود تھے جن کی تفصیل یہاں درج ہے :

(۱) شاہنامہ بخط ایران نوشتہ مولانا عبدالرحیم بن مولانا عبداللہ القریشی - سنہ کتابت ۱۰۲۱ھ -

(۲) شاہنامہ نوشتہ محمد حافظ رہتکی سنہ ۱۰۰۸ھ -

(۳) شاہنامہ بخط نسخ نوشتہ ملک عرب سنہ ۸۸۰ھ -

(۴) ایضاً نوشتہ ملک ایران - تاریخ نامعلوم -

(۵) نسخہ سید انعقات حسین نوشتہ حاجی علی المشہور بکاتب سنہ ۸۹۹ھ -

(۶) نسخہ رکنس صاحب نوشتہ عبدالصمد بن علی محمد الحسینی - سنہ ۱۰۲۰ھ -

(۷) نسخہ منتظم‌الدولہ بخط ایران تاریخ نامعلوم -

(۸) نسخہ دیگر مقبوضہ منتظم‌الدولہ نوشتہ ہندوستان سنہ ۱۰۵۲ھ -

(۹) نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - خط ایرانی ، نوشتہ نظام بن محمد شیرازی تاریخ نامعلوم -

(۱۰) نسخہ مڈلٹن صاحب نوشتہ ابن حسن نورالدین اصفہانی ، شیراز ، سنہ ۱۰۱۶ھ -

(۱۱) نسخہ کہنہ و پوسیدہ ، خط ہندوستان ، سنہ ۱۰۰۳ھ -

(۱۲) نسخہ بخط ہندوستان نوشتہ عبدالکریم بن عبدالغنی جونپوری ، سنہ ۱۰۲۰ھ -

(۱۳) نسخہ لسٹر صاحب ، تاریخ نامعلوم -

(۱۴) نسخہ ببر جنگ متوفی ، خط ایران ، نوشتہ سنہ ۸۲۱ھ -

(۱۵) نسخہ ٹرنر میکن ، نوشتہ ۹۴۹ھ -

(۱۶) نسخہ ٹرنر میکن نوشتہ محمد خان قزوینی -

(۱۷) نسخہ ایرانی پدیہ خلد مکان شاہ اودھ -

(۱۸) نسخہ ایرانی از ابتدائے داستان کیکاؤس تا بر تخت نشستن لہراسپ -

(۱۹) نسخہ فرستادۂ میرزا علی بخط غیر ایران -

اس قدر نسخوں سے مقابلہ ہونے کے بعد خیال کیا جا سکتا ہے جو نسخہ طیار ہوا ہوگا مستند اور لاثانی ہوگا چنانچہ میکن کے نسخہ کے متعلق اب تک یہی رائے قائم ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹرنر میکن نے شاہنامہ کے نسخوں کے انتخاب میں محققانہ سلیقہ سے کام نہیں لیا - ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کتاب جس قدر پرانی ہوگی

اسی قدر صحیح اور مستند ہوگی اور یہی اصول ہے جس پر میکن کاربند نہیں ہوا۔

سنہ ۸۲۹ھ میں شاہزادۂ بایسنغر میرزا کے حکم سے شاہنامہ کا ایک نیا اڈیشن طیار ہوا جس کے لیے اسی شاہزادہ کے حکم سے ایک طویل و بسیط دیباچہ لکھا گیا اور اس عہد کے بعد یہی اڈیشن مقبول عام ہوا۔ چنانچہ ٹرنر میکن نے اسی نسخہ پر اپنے نسخہ کی بنیاد رکھ دی۔ قصہ مختصر اس کے اکثر نسخے جو گیارھویں اور نویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں، نسخہ بالیسنغری سے منقول ہے ورنہ میکن کے عہد میں اس سے بہتر نسخے آسانی کے ساتھ دستیاب ہو سکتے تھے۔ اس زمانہ میں تین چار ایسے زبردست کتب خانے موجود تھے جو آج مفقود ہیں [یعنی] نوابان اودھ کا کتب خانہ، حافظ رحمت خاں کا کتب خانہ اور دہلی میں شاہان مغلیہ کا کتب خانہ۔

علاوہ بریں ٹرنر میکن کو قلمی نسخوں کی شناخت میں زیادہ ملکہ معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جہاں وہ کوئی زیادہ خوش خط نسخہ دیکھتا ہے اس کو بالعموم ایرانی کہہ دیتا ہے حالانکہ اکبر اور جہانگیر و شاہجہاں کے زمانوں میں اچھے اچھے ہندوستانی کاتب ملتے ہیں جو ہر لحاظ سے ایرنی خوش نویسوں کے ہم پلہ مانے جا سکتے ہیں۔ مثلاً فہرست بالا میں نسخہ نمبر اول کو میکن ایرانی بیان کرتا ہے حالانکہ اس کے کاتب مولانا عبدالرحیم اکبر و جہانگیر کے دوسرے درجہ کے کاتبوں میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم کا ذکر آئین اکبری میں ملتا ہے۔ اسی طرح نمبر دوم نسخہ محمد حافظ اپنے آپ کو رہتک کا باشندہ کہہ رہا ہے جو دہلی کے قریب ایک شہر ہے۔

میری رائے میں میکن کے شاہنامہ میں کئی نقص موجود ہیں۔ پہلا یہ کہ اس نے مختلف نسخوں میں جو اہم اختلافات تھے ان کو نہیں دکھایا۔ دوسرا یہ کہ اپنے نسخہ کی اساس قدیم نسخوں پر نہیں رکھی اور نہ شاہنامہ کے پورے اشعار کے حاصل کرنے کی کوشش کی چنانچہ اس کے ہاں پچپن ہزار اشعار ہیں حالانکہ در اصل اصلی اشعار کی تعداد ساٹھ ہزار ہے۔

مروجہ شاہنامے، جس قدر ہیں، قریب قریب سب کے سب میکن کے اڈیشن کے مقلد ہیں۔ بمبئی میں سنہ ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۷۵ھ میں شاہنامہ طبع ہوا۔ اسی طرح چند سال ہوئے ہمارے پارسی ہم وطنوں نے ایک نیا اڈیشن نکالا ہے، لیکن یہ تینوں نسخے کلکتہ والے نسخہ کے خوشہ چین ہیں۔ نول کشور پریس میں کئی مرتبہ شاہنامہ چھاپا گیا ہے لیکن وہ نہایت غلط ہے اس لیے قابل ذکر نہیں۔ میکن کے نسخہ کے بعد یورپ میں مول کا نسخہ قابل اعتبار ہے لیکن میکن کی جزوی فروگذاشتوں

کی ترمیم کے سوا مول کوئی نمایاں اضافہ شاہنامہ کے متن میں نہیں کرتا ۔ اس کے ہاں اشعار کی تعداد میکن سے بھی کم ہے ۔

یہاں میں میکن کے نسخہ کے بعض خصوصی نقائص کا ذکر کرتا ہوں اس لیے کہ یہی نسخہ ہمارے ہاں رائج ہے ۔ اس نسخہ میں مختلف نوع کے سقم موجود ہیں :

(۱) الحاقی : اس سے میرا یہ مقصد ہے کہ اس میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جو فردوسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ۔

(۲) منسوخ : اس سے میری یہ مراد ہے کہ مختلف موقعوں پر فردوسی کے اصلی اشعار خارج کر دیے گئے ہیں ۔

(۳) اختلافی : اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ فردوسی کے اصل کلام میں جا و بے جا حک و اصلاح کی گئی ہے ۔

(۴) بے ربطی : یعنی اشعار میں مختلف مقامات پر ربط بیان میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے ۔ جو شعر پہلے آنا چاہیے بعد میں لکھا گیا ہے اور جو بعد میں لایا جاتا پہلے آ گیا ہے ۔

ان امور کے متعلق ذیل میں بعض امثال پیش کرتا ہوں جو شاہنامہ طبع بمبئی سنہ ۲۶۲ ھ سے منقول ہیں ۔ اس کا ایک نسخہ آپ کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے اسی لیے میں نے اس کو اور نسخوں پر ترجیح دی ہے تاکہ آپ کو مقابلہ میں آسانی رہے :

(۱) جلد اول شاہنامہ ، صفحہ ۱۱۲ پر ایک غزل ملتی ہے جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

سرایندۂ این غزل ساز کرد دف و چنگ و نی راهم آواز کرد

اس غزل میں کل چودہ شعر ہیں اور فردوسی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے ۔ میکن مانتا ہے کہ وہ الحاقی ہیں لیکن اس نے بعض وجوہ کی بنا پر اس غزل کو شاہنامہ میں داخل کر لیا ۔

(۲) جلد اول ، صفحہ ۱۷۳ پر اٹھاون اشعار کا ایک قطعہ آتا ہے جس میں سہراب کے عشقیہ جذبات کا ماہ آفریں سے اظہار مذکور ہے ۔ اس قطعہ سے علامہ شبلی نے بھی (شعرالعجم صفحہ ۱۵۱-۱۴۹ ، طبع سوم) بعض اشعار فردوسی کی عشقیہ شاعری کی مثالوں کے تحت میں درج کیے ہیں لیکن یہ تمام قطعہ الحاقی ہے اور میکن کو اعتراف ہے ۔

(۳) جلد چہارم ، صفحہ ۹۴۱ پر علیحدہ سرخی کے ذیل میں نوشیرواں کے

ایک خواب کا ذکر ہے جس کی تعبیر کے مطابق یہ خواب رسول مقبول کی بعثت اور مذہب اسلام کی اشاعت سے تعلق رکھتا ہے - پینتالیس ابیات میں اس خواب کا مذکور ہے لیکن وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم نسخوں میں یہ ابیات موجود نہیں -

(۴) جلد اول ، صفحہ ۹۲ - منوچہر کی وفات کے موقعہ پر یہ اشعار آتے ہیں :

جہان کشت زاریست با رنگ وبو   درو مرگ وعمر آب و ما کشت او
چنانچون درو راست هموار گشت   همه مرگ را ایم ما خوب و زشت
بجائیم همواره تازه براه   بدین دو نوند سپید و سیاه
چنین کاروانے کزین شہر بر   بود شاں گزر سوے شہر دگر
یکے پیش و دیگر ز پس مانده باز   بنوبت رسیده بمنزل فراز

یہ قطعہ در اصل اسدی طوسی کا ہے اور اس کے گرشاسپ نامہ میں ملتا ہے جو اس کے مشہور اور چیدہ اشعار میں ہوتا ہے - اس پر متقدمین اور متاخرین متفق ہیں - میکن نے سہو سے اس قطعہ کو شاہنامہ میں داخل کر لیا ہے -

(۵) جلد اول ، صفحہ ۱۰۹ پر یہ دو شعر ملتے ہیں :

چه برآب دیدے چه برخشک راه   بروز از خورافزون بدو شب ز ماه
بے مورچه بر پلاس سیاه   شب تیره دیدے دو فرسنگ راه

یہ اشعار قدیم شاہناموں میں نہیں ملتے البتہ گرشاسپ نامہ اسدی میں ملتے ہیں - آخری شعر اسدی کے مشہور اشعار سے ہے -

(۶) جلد اول ، صفحہ ۱۷۷ :

فرا زندهٔ طاق فیروزه فام   بر ارندهٔ صبح ز ایوان شام
شب عنبرین هندوے بام او   شفق دردی آ شام از جام او
خور از راه جوئی چو خوبان چین   پرستارهٔ چار بالش زمین
مه نو زراه سر افگندگی   بگوش اندرون حلقه بندگی

قدیم شاہناموں میں ان اشعار کا سراغ نہیں چلتا اور نہ فردوسی کے رنگ میں ہیں -

میں الحاق اشعار کی اسی قدر امثال پر قناعت کرتا ہوں ورنہ اور صدہا ایسے موقعے ہیں جہاں جعلی اشعار داخل کیے گئے ہیں -

(ب) فردوسی نے جیسا کہ شاہنامہ میں آتا ہے :

بود بیت شش بار بیور هزار   سخن هاے شایسته غم گسار

(صفحہ ۵۱ ، جلد)

در اصل ساٹھ ہزار اشعار لکھے تھے لیکن میکن کو ان کی تعداد مختلف نسخوں میں چھیالیس سے چھپن ہزار تک ملی ہے ۔ اس بنا پر وہ فردوسی پر اعتراض کرتا ہے کہ شاعر اپنے بیانات میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر جاتا ہے لیکن فردوسی پر میکن کا یہ اعتراض ، اس کے بعض اور اعتراضوں کی طرح غلط فہمی پر مبنی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ قریباً پانچ چھ ہزار اشعار شاہنامہ سے خارج کر دیے گئے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہنامہ زیادہ تر قصہ خوانوں اور داستان گوؤں کے قبضہ میں رہا ہے ۔ انہوں نے درحقیقت ایسے اشعار کو نکال دیا ہے جو نفس قصہ سے غیر متعلق تھے ۔ بات یہ ہے کہ فردوسی نے اخلاق پند و نصائح [کے علاوہ خود اپنے] متعلق بھی شاہنامہ میں بہت کچھ کہا تھا ۔ اگر آج یہ تمام مواد محفوظ ہوتا تو شاعر کے حالات سے ہم کو صحیح واقفیت ہوتی اور اس کے متعلق غلط فہمیاں نہ پیدا ہوتیں ۔ قصہ کے ضمن میں ان امور سے برہمی پیدا ہو جاتی تھی اس لیے قصہ خوانوں کو یہ باتیں ناگوار تھیں ۔ اس لیے انہوں نے اس غیر ضروری مواد کو شاہنامہ سے خارج کر دیا ۔ صرف داستانوں کی تمہید اور خاتمہ کے اشعار کو سلامت چھوڑا ہے ۔ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ متعدد موقعوں پر . . . ابیات خارج کر دیے گئے ہیں ۔ جب ہم قدیمی شاہناموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں ایسے اشعار کثرت سے نظر آتے ہیں جو مروجہ شاہناموں [میں نہیں ملتے] ۔

نصف دوم شاہنامہ نوشتہ سنہ ۷۵۲ھ چند سال ہوئے میری نظر سے گذرا ہے ۔ اس میں کثرت سے ایسے اشعار میری نظر میں آئے ہیں [جو میکن کے مرتبہ شاہنامہ] میں نہیں ملتے ۔ یہ امر یاد رہے کہ [یہ نسخہ] میکن کے قدیم سے قدیم نسخہ سے قریباً ستر سال بڑا ہے ۔ بدقسمتی سے اس وقت یہ نسخہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی مثالیں نقل کرتا تاہم اور ضروریات سے میں نے اس سے جو کسی قدر امداد لی تھی اس میں سے بعض اشعار نقل کرتا ہوں :

(۱) اشکانیوں کے ذکر میں ساسان و بابک کے ذکر میں یہ شعر آتا ہے :

زساسان و بابک چہ داری خبر   بخواں ھیں بشہ برھمہ سر بسر

میکن اس شعر سے بالکل بے خبر ہے حالانکہ فردوسی کے حالات کے سلسلہ میں یہ ایک نہایت اہم شعر ہے جس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ داستان اردشیر [سلطان محمود کے] سامنے سنائی گئی ہے ۔

(۲) باربد رامش گر کی داستان کے خاتمہ میں (صفحہ ۱۰۵۷) یہ ابیات مطبوعہ شاہناموں میں ملتے ہیں :

سر آمد کنوں روز بر باربد — مبادا کہ باشد ترا یار بد
کہ روز کیہان و مہان بگذرد — خرد مند مردم چرا غمْ خورد

ان اشعار کے درمیان نسخہٗ سنہ ۷۵۲ھ میں ابیات ذیل آتے ہیں :

کہ شاہ جہانی و امید ما — شب تیرہ را همچو خورشید ما
بمحمودیان روز محمود گشت — ز فرش مرا بخت مسعود گشت
مکن جفت دل ناتوانی نو اشک — کہ آن‌در دل مرگ‌باشد پز شک
تو چون خویشتن‌دیگران را مخواہ — از اندوہ بیشی مکن جان تباہ
مگو راز دل خیرہ با هر کسی — کہ شایستہ مردم نیابی بسی
ز رنجش فزونی نیابی مپوی — چو گفتن شود راست خیرہ مگوی
همہ بودنی خواست یزدان بود — ہماں بہ کہ بندہ بفرماں بود
بداد و دهش کوشئی بہ بود — همیں رای بر رایہامہ بود[1]

فردوسی نے داستان باربد اپنی عمر کے چھپاسٹھویں سال میں لکھی (یعنی سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی کے سال) :

هر آنکہ کہ شد سال بر شصت و شش
نہ نیکو بود مردم کینہ کش

محمود کی تخت نشینی کا واقعہ سنہ ۳۸۸ھ میں رونما ہوتا ہے - ناصرالدین سبکتگین ۳۸۷ھ میں وفات پاتا ہے اور اس کی وصیت کے مطابق امیر اسماعیل تخت نشین ہوتا ہے غزنیں پر اسماعیل کا قبضہ تھا - محمود چاہتا تھا کہ غزنیں پر خود قابض ہو جائے اور اسماعیل کو اس کے عوض میں نیشاپور دے دے - اسماعیل کو یہ مقاسمہ منظور نہ تھا - اس پر بھائیوں میں جنگ ہوئی - اب محمود کے طرف دار محمودی کہلائے اور اسماعیل کے ہوا خواہ اسماعیلی - چونکہ محمود کی فتح ہوئی تھی اس لیے شاعر کہتا ہے کہ محمودی ظفریاب ہوئے - اس قدر بیان سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہ شعر کس قدر اہم ہے جو ایک تاریخی واقعہ پر روشنی ڈالتا ہے لیکن بدقسمتی سے مروجہ شاہناموں سے خارج کر دیا گیا ہے -

(۲) خسرو پرویز کی گرفتاری کے حالات ، فردوسی نے جب کہ وہ بلخ میں تھا کسی موبد سے سن کر لکھے ہیں - چنانچہ قلمی نسخہ سنہ ۷۵۲ھ کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

چنیں یادارم ز موبد بلخ — بخسرو چو شد ایں جہاں تا رو تلخ

مگر افسوس سے کہا جاتا ہے کہ مطبوعہ شاہناموں میں یہ شعر نہیں ملتا -

---

۱- اس مقام سے اس طویل خط کا ایک ورق غائب ہے - (مرتب)

(۳) اسی نسخہ سنہ ۷۵۲ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے اپنا یہ مشہور شعر :

بسے رنج بردم دریں سال سی عجم گرم کردم بدیں پارسی

(ہمارے ہاں «عجم زندہ کردم» رائج ہے) در حقیقت خاتمہ شاہنامہ میں لکھا تھا لیکن متاخرین نے شاہنامہ سے خارج کر کے ہجو میں داخل کر دیا ہے چنانچہ اب صرف ہجو میں [ملتا ہے] -

(۴) داستان یزد جرد ، خاتم تاجداران عجم ، مروجہ شاہناموں میں ایک ابتر حالت میں ملتی ہے جس سے گمان گذرتا ہے کہ فردوسی [نے شاہنامہ نامکمل حالت] میں چھوڑا ہے اور شاید اسی قسم کے خیالات کے زیر اثر ہمارے ہاں وہ نظریہ قائم ہوا ہے جس کا ذکر دولت شاہ نے اپنے [تذکرے میں کیا ہے] کہ داستان یزد جرد فردوسی نے نہیں لکھی ہے بلکہ اس کی درخواست پر اس کے استاد اسدی طوسی نے نظم کی ہے - اگرچہ ہم کو [یقین ہے کہ اس] داستان کا ناظم بھی فردوسی ہے لیکن عربوں کے خلاف اس کے دوران میں صریح معاندانہ جوش اور ساسانیوں کے لیے جنبہ داری کی زبردست لہر سے [اندازہ ہوتا ہے] کہ اس میں تحریف ضرور ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر قدیم شاہناموں کی طرف رجوع کی جائے تو اس داستان کے متعلق عجیب [و غریب انکشافات کی] توقع ہو سکتی ہے - مثلاً راقم کے پاس جو شاہنامہ ہے اس سے تمام ایسے اشعار ، جو اعراب اور مذہب اسلام کے خلاف ہیں ، مطلق غیر حاضر ہیں - چونکہ یہ نسخہ میکن کے تمام نسخوں سے قدیم ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے -

اسی شاہنامہ سنہ ۷۵۲ھ سے ، جس کا کئی بار ذکر آ چکا ہے ، کم از کم ایک بات تو معلوم ہوئی یعنے اس میں قریباً [ڈھائی سو؟] اشعار ایسے موجود ہیں جو مطبوعہ شاہناموں سے غیر حاضر ہیں - ان اشعار میں اس جنگ کے واقعات کی تفصیل ہے جو سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اور رستم سپہدار یزد جرد میں رونما ہوئی - موجودہ شاہناموں میں یہ جنگ ، جو اگرچہ غیرتاریخی صورت میں بیان کی گئی ہے ، صرف چند اشعار میں ختم کر دی گئی ہے لیکن اس نسخہ میں تمام واقعات بالتفصیل موجود ہیں جن کا مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے :

«حسب معمول دونوں سپہ سالاروں میں جنگ ہوتی ہے - رستم حضرت سعد کے گھوڑے کو قتل کر دیتا ہے - آپ گر جاتے ہیں - رستم چھا جاتا ہے اور گرفتار کر لیتا ہے - قتل کے ارادہ سے تلوار نیام سے نکالتا ہے - اس کی چمک دمک سے رستم کا گھوڑا چمک جاتا ہے - حضرت سعد اس طرح رہائی پا جاتے ہیں - آپ

رستم پر تلوار کا وار کرتے ہیں - وہ زخمی ہو جاتا ہے - ایرانی لشکر اپنے سپہ سالار کے قتل کے واقعہ سے بے خبر برابر مصروف جنگ ہے - آخر شدت تشنگی سے وہ مجبور ہو جاتے ہیں (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے ایرانیوں پر پانی بند کر دیا تھا) - جب ایرانیوں کو رستم کے مارے جانے کی اطلاع ملتی ہے، وہ ایک زبردست حملہ کر دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوتا ہے - آخر پیاس نے ان کو اور ان کے جانوروں کو بے تاب کر دیا - پیاس کی شدت سے وہ عاجز آ گئے - ادھر عربوں نے زور کیا اور ایرانی بھاگ نکلے - طیسفون تک عربوں نے تعاقب کیا - یزد جرد اس وقت بغداد میں موجود تھا - فرخ زاد بن ہرمز نے کرخ سے نکل کر [عربوں کا راستہ روکا] تب کہیں وہ رکے اور واپس لوٹ گئے - فرخ زاد لوٹ کر یزد جرد کے پاس آتا ہے اور تسلی اور دلاسا دیتا ہے - [مجلس مشاورت منعقد ہوتی] ہے - فرخ زاد مشورہ دیتا ہے کہ آمل اور ساری کی طرف کوچ کیا جائے اور تازہ دم فوجیں لے کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے - [رائے یہ] قرار پائی کہ ایک مرتبہ اور جنگ کی جائے - دوسرے روز لڑائی ہوتی ہے اور بڑے گھمسان کا رن پڑتا ہے - بارہ ہزار عرب اور [ایک لاکھ؟] ایرانی قتل ہوتے ہیں - ایرانی صرف چھ ہزار بچتے ہیں - یہ بقیتہ السیف قسم کھاتے ہیں کہ ہم کل پھر جنگ کریں گے - فرخ زاد اس فوج کا [سالار ہے] - یزد جرد تاج پہن کر بہ سواری فیل رزم گاہ میں آتا ہے - اس روز بھی معرکہ خیز جنگ ہوتی ہے - عرب بڑی تعداد میں قتل ہوتے ہیں اور ان کا زور کم ہو جاتا ہے -

یزد جرد سو جاتا ہے - خواب میں دیکھتا ہے کہ درگاہ الٰہی میں حاضر ہے - یہاں وہ عربوں کی یورش اور [زیادتی کی] شکایت کرتا ہے اور اپنے لیے رحم اور معافی گناہاں کا ملتجی ہے - وہ التماس کرتا ہے کہ ایران میرے ہی قبضہ میں رکھا جائے اور سلطنت ساسان کو مزید ایام حیات مل جائیں - خدائے غفورالرحیم کی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے - اس کی درخواست منظور ہونے والی ہے کہ اتنے میں کوئی موبد آ کر اور بادشاہ کو سوتا دیکھ کر کسی ضرورت سے جگا دیتا ہے - یزد جرد بیدار ہو جاتا ہے - اپنا خواب [بیان] کرتا ہے اور موبد پر بے حد ناراض ہوتا ہے اور سخت و سست کہتا ہے -

حضرت سعد مدینہ خط لکھتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں - خلیفۂ ثانی عمر بن معدی کرب کو معہ فوج امدادی روانہ کرتے ہیں - تین دن میں دو جنگیں ہوتی ہیں - چوتھے روز یزد جرد خاقان چین سے امداد طلب کرنے کے خیال سے خراسان کی طرف روانہ ہو جاتا ہے» -

اب یہ تمام تفصیل میکن کے شاہنامہ سے غیر حاضر ہے - ممکن ہے کہ یہ

اشعار فردوسی کے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہوں لیکن میرا دعویٰ ہے کہ موجودہ شاہناموں کا متن اتنا قابل اعتبار نہیں ہے کہ ہم قدیم نسخوں کے دعوے سے قطع نظر کر لیں ۔ آخر یہ بیان ایک ایسے نسخہ میں [ملتا ہے جو] بایسنغری ایڈیشن سے بھی ستر سال بڑا ہے ۔

(۶) پروفیسر نولد یکے نے ایک اور شعر کا ذکر کیا ہے جس میں فردوسی کی عمر کے چھہترویں سال کی طرف تلمیح ہے ۔ یہ شعر میکن کے شاہنامہ سے غیر حاضر ہے :

کنوں سالم آمد بہ ہفتاد و شش غنودہ ہمی چشم منشار فش

(۷) اس شاہنامہ سنہ ۷۵۲ھ کے خاتمہ پر سلطان محمود غزنوی کے حق میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر کے اگرچہ ایک عرصہ ہوا کہ سلطان سے تعلقات ختم ہو چکے ہیں تاہم وہ اس کی مدح کر رہا ہے جس سے ہجو کا احتمال بہت کچھ ضعیف ہو جاتا ہے ۔ بد قسمتی سے یہ شاہنامہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے ۔ صرف ایک شعر مجھ کو یاد ہے جو یہاں لکھ دیتا ہوں :

ہمش جاہ و ہم دولت و ہم نسب چراغ عجم آفتاب عرب

(ج) اختلافی اشعار کی امثال کا نقل کرنا ایک طول امل ہے ۔ اس کے متعلق میں آذر صاحب آتش کدہ کی رائے لکھ دیتا ہوں ۔ ان کا بیان ہے کہ «شاہنامہ میں اس قدر تبدیلیاں اور تصرفات ہوئے ہیں کہ اب ایک شعر بھی فردوسی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا» ۔ یہ بیان اگرچہ اصلیت سے دور ہے اور مبالغہ سے خالی نہیں تاہم اس میں شک نہیں کہ تغیرات و تصرفات و الحاقات سے شاہنامہ [میں بے انتہا] تصرف کیا گیا ہے اور فردوسی کے اصل کلام کی بے اندازہ ترمیم و تحریف کی گئی ہے ۔ میں بخوف طوالت صرف ایک شعر پر کفایت کرتا ہوں :

جلد چہارم ، صفحہ ۷۵۳ ۔ ذکر بہرام اور مزد کے موقعہ پر ایک شعر یوں ملتا ہے :

یکی سرو قدی و سمیں بدن دلارام و خوش خوی و شیریں سخن

لیکن شاہنامہ قلمی ۷۵۲ھ میں یہی شعر یوں آتا ہے :

یکی پور ترکی چو گوری بتن کہی بر کہن ہنگ او شصت من

. . . کے دور میں مثنوی کی زبان خالص فارسی میں لکھی جاتی تھی اور عربی الفاظ . . . کی دستبرد کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اب شاہنامہ میں سات فی صدی . . . ان الفاظ سے علاوہ ہیں جن کو فردوسی نے استعمال کیا ہے ۔

(د) شاہنامہ میں سلسلہ کلام میں بے ربطی اور تقدیم و تاخیر اکثر مقامات

پر مشاہدہ کی جاتی ہے - تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں - آپ اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ خود شاہنامہ کے افتتاحیہ اشعار [تک اس سقم] سے خالی نہیں - شاعر ادراک وجود باری کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عقل انسانی انھی اشیاء کے وجود کو تسلیم کرتی ہے جو مشاہدہ میں آ جائیں لیکن ذات باری کا ادراک حواس کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی ذات پاک ہمارے تخیلات سے بھی بالا ہے - اس مقصد کو اس نے تین مسلسل ابیات میں یوں ادا کیا ہے :

خرد گر سخن برگزیند که بیند همی　　هماں را گزیند که بیند همی
به بینندگان آفریننده را　　نه بینی مرنجاں دو بیننده را
نیابد بدو نیز اندیشه راه　　که او برتر از نام و از جای گاه

بدقسمتی سے مطبوعہ شاہناموں میں ان اشعار کا تسلسل بالکل توڑ دیا گیا ہے -

اسی طرح دیباچہ شاہنامہ میں ، ذکر آسمان میں ، ایک غیر ضروری شعر ، جو فردوسی کے قلم کا نہیں ہے ، داخل کر لیا گیا ہے ، جس سے بیان میں بے ربطی پیدا ہو جاتی ہے - وہ شعر یہ ہے :

ز یاقوت سرخ است چرخ کبود　　نه از باد و آب و نه از گرد و دود

یہ شعر درحقیقت فردوسی کے بیان افلاک کے خلاف ایک اعتراض ہے جو کسی معترض نے کیا ہے - یہ اعتراض حاشیہ پر [ہونا چاہیے تھا] لیکن بدقسمتی سے اس کو متن میں جگہ مل گئی ہے جس سے سلسلہ کلام میں بالکل بے ربطی پیدا ہو گئی ہے -

یہ جو کچھ میں نے اوپر عرض کیا ہے آپ اس کو مشتے نمونہ از خروارے سمجھیں - اس میں شک نہیں کہ شاہنامہ میں بے حد [تغیرات و تصرفات] ہوئے ہیں - اگرچہ میکن نے صحیح متن کے حاصل کرنے میں ہر قسم کی کوشش کی ہے اور ہم کو اس کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اس نے [اپنی دست رس کے مطابق] ایک ایسا اعلیٰ نسخہ شاہنامہ کا طیار کر دیا تاہم یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اس کا نسخہ ہر قسم کے سقم سے پاک ہے - اس پر بہت [کچھ اصلاح و اضافہ کی گنجائش باقی] ہے - شاہنامہ کی جو اہمیت ہے وہ بھی ظاہر ہے - ایران ، ہندوستان ، ٹرکی اور ممالک مغرب میں اس کی مقبولیت . . . اور ہر ملک میں ایک خاص جماعت شاہنامہ میں دلچسپی لیتی ہے - ہندوستان میں اگرچہ فارسی کا کافی رواج ہے اور [متعدد علم دوست اصحاب فارسی] ادبیات کی خدمت پر مامور ہیں تاہم بیرونی ممالک میں ہماری خدمات کا سرد مہری کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے -

ان خیالات کے زیر اثر میرا ایک عرصہ سے ارادہ ہو رہا ہے کہ شاہنامہ کا ایک نیا اڈیشن نکالا جائے جس میں مسطور ذیل کا [اضافہ] ہو :

(۱) شاہنامہ کے حالات اور فردوسی کے پیش رو - فردوسی کے حالات موجودہ تحقیقات پر مبنی ہوں -

(۲) دیباچۂ قدیم - دیباچۂ بایسنغر خانی -

(۳) . . . کی محنت کے بعد مختلف شاہناموں سے مقابلہ کر کے مرتب کیا تھا[۱] - اس کا بیان ہے کہ ابتدا میں شاہنامہ میں ساٹھ [ہزار اشعار تھے لیکن] موجودہ زمانوں میں پچاس ہزار سے زیادہ اشعار نہیں ملتے - اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہنامہ کے نسخے زیادہ تر بے پروا اشخاص کے . . . ہیں - اس لیے میں نے مختلف نسخوں کو جمع کر کے اس کی تعداد ساٹھ ہزار اشعار حاصل کر لی ہے اور یہ نسخہ مرتب کیا ہے -

حمداللہ متوفی اپنے عہد کا مشہور اور معتبر مورخ اور شاعر ہے اور جو نسخہ اس نے طیار کیا ہے بہت کچھ قابل اعتبار مانا جا سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے اس تالیف نے زیادہ رواج نہیں پایا اور معرض گمنامی میں رہی - چنانچہ میکن اور مول بھی اس نسخہ سے بے خبر رہے ہیں -

آٹھویں ساتویں قرون کے نسخے اب بھی ہندوستان میں مل سکتے ہیں چنانچہ صرف ٹونک اور جے پور میں تین ایسے نسخے موجود ہیں - اگر تلاش کی جائے تو حیدرآباد ، رام پور وغیرہ میں اور قابل اعتبار نسخے دستیاب ہو سکتے ہیں -

(۴) فرہنگ شاہنامہ - شاہنامہ کی کئی فرہنگیں ہیں لیکن وہ اکثر پرانی طرز کی ہیں - میں چاہتا ہوں کہ جدید طرز میں ایک طیار کی جائے جس میں پہلوی ذخیرہ سے بھی امداد لی جائے - شاہنامہ کی لغوی حیثیت ، آپ خیال کر سکتے ہیں ، نہایت ضروری اور بلند پایہ ہے -

(۵) انڈکس - اس کے بغیر شاہنامہ ایک مقفل چیز ہے - ایرانی تاریخ قدیم کے علاوہ شاہنامہ ضمناً خود فردوسی کے ایام کے رسوم و رواج پر بھی روشنی ڈالتا ہے - انڈکس ان سب امور کی توضیح کر سکتا ہے -

(۶) فردوسی کے حالات کا ذخیرہ ، جو متقدمین نے چھوڑا ہے ، اس کو آخر میں اضافہ کر دیا جائے -

---

۱- یہ غالباً بایسنغری ایڈیشن کا ذکر ہے - سنہ ۸۲۹ھ میں شاہزادہ بایسنغر میرزا کے حکم سے شاہ نامہ کا ایک نیا ایڈیشن تیار ہوتا ہے - (مرتب)

اس قسم کا نسخہ ، اس میں شک نہیں ، بے حد تلاش ، تحقیق اور صرف زر کے بعد طیار ہو سکتا ہے ، جس کے لیے کئی سال [کی مدت درکار ہے] - میں سات آٹھ سال سے فردوسی پر مصروف ہوں اور اس عرصہ میں میں نے بہت کچھ نئی روشنی فردوسی کے حالات پر ڈالی ہے :

''کہ فردوسی نے تفریحاً داستان بیژن سنہ ۳۶۵ھ میں اپنی بیوی کی فرمائش سے نظم کر دی - اس نظم نے عوام پر [اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کا سکہ] جما دیا - دوستوں کی تحریک و تحریص پر [وہ] سنہ ۳۷۰ھ سے شاہنامہ کی نظم پر کام کرنے لگا - بیس یا اٹھارہ سال طوس میں . . . میں اس کے فرزند کا انتقال ہوا اور افلاس زیادہ دامن گیر ہوا ، غزنین چلا آیا - اس وقت امیر محمود اور اس کے بھائی امیر اسمعیل [میں مقابلہ کے بعد محمود] فتح یاب ہو گیا تھا - غزنین [میں] فردوسی سب سے پہلے خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اور سلطان کے بھائی امیر نصر سے اپنے تعلقات [استوار کرتا ہے] اور خواجہ ابوالعباس کے وسیلہ سے دربار سلطانی میں باریاب ہوتا ہے - سب سے پیشتر داستان کیخسرو دربار میں سناتا ہے اور تازہ جوش کے ساتھ شاہنامہ کی نظم پر مصروف ہو جاتا ہے اور برابر چھ سال تک سنہ ۳۸۸ھ سے ۳۹۴ھ تک سلطان سے اس کے تعلقات بہت اچھے اور خوش گوار رہتے ہیں اور سلطان سے اس کا رسوخ اس قدر ہو جاتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر بعض اوقات فردوسی سلطان کو پند و نصیحت بھی کرتا ہے - وہ سلطان کو اردشیر بابکان اور کسریٰ انوشیرواں کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کرتا ہے - اس عرصہ میں جو سیاسی اور اہم واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں ، ان کا بھی ذکر کرتا ہے مثلاً تاج پوشی کے پہلے سال سلطان کا رعیت کو ایک سال کا خراج معاف کر دینا - جلوس کے پانچویں سال سیستان کے علاقہ میں کان طلا کا دریافت ہونا وغیرہ - اس چھ سال کے عرصہ میں سرتوڑ محنت کے بعد وہ شاہنامہ کو قریب قریب ختم کر دیتا ہے - اب فردوسی کی عمر کا سب سے زیادہ تلخ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے - یعنی اس کے دشمنوں کی بدگوئی کی بنا پر سلطان محمود فردوسی اور اس کے شاہنامہ میں کوئی دلچسپی نہیں . . . کی کوشش بار آور ہوئی یا نہیں - اس وقت شاہنامہ کا قلیل حصہ باقی رہ گیا تھا - وہ اس کو غالباً طوس میں ختم کرتا ہے . . . بن خنسب ، جو عربی النسل اور ہاشمی ہے ، اس کی سرپرستی اور خبرگیری کرتا ہے - اس طرح سنہ ۴۰۰ھ میں شاہنامہ ختم ہو جاتا ہے - ہجو فردوسی نے لکھی اور اگر فرض کر لیا جائے کہ لکھی تھی تو وہ بالکل برباد کر دی گئی - موجودہ ہجو ایک مجعول دستاویز ہے - اس کے نصف سے زیادہ اشعار شاہنامہ سے سرقہ کیے گئے ہیں ، باقی نصف اور ذرائع سے لیے گئے ہیں - موجودہ شکل میں یعنے پورے سو بیت تک اس ہجو کو پہونچا دینے کے ذمہ دار اڈیٹران نسخہ' بایسنغری

ہیں - مذہبی بنا پر سلطان اور فردوسی کے درمیان عداوت کا قصہ غالباً بے سروپا ہے اس لیے کہ فردوسی بھی اسی مذہب کا مقلد تھا جو سلطان کا مذہب تھا - یوسف زلیخا ، جو فردوسی کی طرف منسوب ہے ، فردوسی کے قلم سے نہیں نکلی ہے کیونکہ نہ فردوسی کا اہواز جانا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی بغداد جانا ثابت ہوتا -

یہ خلاصہ ہے میری تحقیقات کا جو زیادہ تر فردوسی کے بیانات یا اس کے معلومہ حالات کے استدلال پر مبنی ہے - یورپ میں [میرے اخذ کردہ نتائج] کا اکثر حصہ نامعلوم ہے - میرا اس سے اسی قدر مقصد ہے کہ جب میں اس قدر وقت اور محنت فردوسی پر صرف کر چکا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں شاہنامہ کے مرتب کرنے کا بالکل اہل ہوں - مجھ کو فردوسی اور اس کے شاہنامہ کے ساتھ ایک قدرتی شغف ہے اور میں چاہتا ہوں کہ . . . شاہنامہ پر صرف کرکے اس ضروری اور اہم کام کو انجام تک پہونچا دوں لیکن میں ایک معمولی پروفیسر ہوں اور پروفیسر جس قدر . . . ہوتے ہیں وہ بھی ظاہر ہے - میرا تمام وقت کالج کے کاموں میں صرف ہو جاتا ہے - میں دیکھ رہا ہوں کہ وقت گذرتا جا رہا ہے اور اس کام کے لیے ہنوز روز اول ہے - لہذا میں آپ سے ملتجی ہوں کہ یہ ایک علمی تحریک ہے - ہندوستان نے فارسی زبان کی خدمت گذاری میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور اگر دیکھا جائے تو ہمارا تمام تمدن اور تہذیب قریب قریب ماوراالنہری ہے اور اسلامی ہندوستان بلحاظ زبان بھی فارسی زبان کی ایک نو آبادی رہا ہے - در حقیقت ہماری زبان فارسی ہے اور اس سے [ہمارے تعلقات] دائمی ہیں - اس کی خدمت کرنا ہمارا فرض عین ہے - اس لیے اس تحریک کو کامیاب کرنا بہت بڑی علمی خدمت کرنا ہے -

شاہنامہ کے پہلے اڈیٹر ٹرنرمیکن کے اخراجات حضرت نصیرالدین فرمان روائے ملک اودھ نے اپنے خزانہ سے عطا کیے تھے - کیا میں توقع کر سکتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت . . . شہر یار دکن خلد اللہ ملکہ میری اس تجویز سے ہمدردی . . . اور دست گیری فرما سکتے ہیں تاکہ میں اپنا تمام وقت اس پر صرف کر سکوں - خسرو دکن اپنی شاہانہ فیاضی اور علمی سرپرستی کے لیے تمام اکناف ہند میں ضرب المثل ہیں اور اس لیے مجھ کو جرأت ہوئی ہے کہ اپنی درخواست آپ کی وساطت سے بادشاہ دکن کی . . . تک پہونچانے کی کوشش کروں - میرا وسیلہ آپ ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ میری تجویز کو تقویت دینے اور اس کی معاونت کرنے میں ہر قسم کی کوشش سے دریغ نہ فرماویں گے - اب میں اپنا عریضہ حافظ کے اشعار میں کسی قدر تصرف کے ساتھ ختم کرتا ہوں :

اے صبا با ہم صفیران دکن از ما بگو — کاے سر نا حق شناساں گوے میدان شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست — بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

(۲)

۱۸ فلیمنگ روڈ
لاہور

میرے پیر و مرشد سلامت

نوازش نامہ کا شکریہ۔ میں نے آپ کا جواب مسٹر اقبال تک پہنچا دیا ہے۔

۱۔ یہ خط جس پر کوئی تاریخ نہیں دی گئی سید الطاف علی بریلوی صاحب کے رسالہ ''رسالہ العلم'' کراچی کے شمارۂ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں چھپا تھا۔ اصل خط سید صاحب موصوف کی ملک ہے انہیں یہ خط بعض دیگر مشاہیر کے خطوط کے ساتھ، دہلی سے انجمن کی نیم سوختہ کتابوں اور کاغذات کے انبار سے جو بذریعہ ٹرک علی گڑھ پہنچا تھا، دستیاب ہوا تھا۔ محبی مشفق خواجہ صاحب کی وساطت سے میری درخواست پر سید صاحب نے اس خط کی ایک مصدقہ نقل دسمبر ۱۹۶۶ء میں مجھے عنایت کی تھی۔

یہ خط غالباً کیا یقیناً سنہ ۱۹۳۴ء کے موسم گرما کا تحریر کردہ ہے اور میرے اندازے کے مطابق یہ ماہ اگست میں لکھا گیا ہوگا۔ کیونکہ اس میں محترم عبداللہ چغتائی صاحب کی انبہ خوری کا تذکرہ ہے۔

۱۹۳۴ء میں انجمن ترقی اردو نے پنجاب میں جائزۂ زبان اردو کا کام شروع کیا تھا جس کا تذکرہ زیر نظر خط میں موجود ہے۔ اس غرض سے ۱۹ جون ۱۹۳۴ء کو سر شیخ عبدالقادر مرحوم کے مکان پر انجمن ترقی اردو پنجاب کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں یہ عہدیدار منتخب کیے گئے تھے:

صدر : شمس العلماء سید ممتاز علی
نائب صدر : حافظ محمود شیرانی
نائب صدر دوم : پروفیسر احمد شاہ بخاری
معتمد : خواجہ عبدالوحید
خزانچی : مولوی ظفر اقبال

مجلس منتظمہ کے اراکین میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، حفیظ جالندھری، صوفی تبسم، منوہر سہائے انور اور مولانا غلام رسول مہر شامل تھے۔

اسی اجلاس میں جائزہ زبان اردو کے مختلف سوالوں سے متعلق کمیٹی بنائی گئی تھی۔ متفرق امور سے متعلق کمیٹی کے کنوینر شیرانی صاحب تھے اور ڈاکٹر یسین خاں نیازی، فیض احمد فیض، منوہر سہائے انور اور سردار عبدالحمید

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۵)

جواب میں وہ آپ کے نیک ارادے اور شریف جذبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں - میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس کوشش میں کامیاب کرے -

میں نے آپ کی ذات گرامی کے متعلق جو کچھ عرض کیا تھا معاف کیجیے وہ حسن ظن نہیں تھا بلکہ میرا ذاتی عقیدہ اور آپ جانتے ہیں کہ عقائد میں بحث و مباحثہ کرنا بالکل بے کار ہے - لیکن خوشی قسمتی سے میرا اعتقاد حجت و دلیل پر مبنی ہے - میں جذباتی انسان نہیں ، واقعات سے تعلق رکھتا ہوں اور یہ بڑا ظلم ہے کہ ہم گاہے ماہے اپنے ایک محترم بزرگ کی نسبت جو خیالات رکھتے ہیں ان کا اظہار بھی نہ کر سکیں - آپ اردو کے جاں باز سپاہی ہیں - آپ نے ہماری قدیم زبان کی حفاظت کی ہے اور جدید زبان کی حفاظت میں سعی مجاہدانہ کی ہے اور مشعل لے کر ہمیں راستہ دکھایا ہے - اردو کے ساتھ آپ کی وفاداری اور وفا شعاری درحقیقت قابل صد ہزار تحسین ہے - ہم لوگ انسان ہیں ، اگرچہ مسلمان ہیں ، اتنے اندھے نہیں کہ ایک شخص بلا اجرت و معاوضہ بغیر پروائے تحسین و نکوہش ، اپنی دھن میں پکا ، راحت و آرام سے دست کش ہو کر ، استقلال و ثابت قدمی کے ساتھ رات دن ہماری زبان کی خدمت میں مصروف ہے - ہم اس کی قربانی دیکھیں ، اس کی جاں بازی دیکھیں اور پھر ٹس سے مس نہ ہوں -

جائزہ کے متعلق آپ اس قدر مایوس نہ ہوجیے - یہ لوگ اہل پنجاب ہیں - انہیں گرمانے اور جوش دلانے کی ضرورت ہے - آخر آپ کے آنے سے بڑا فائدہ یہ تو ہوا کہ جائزہ کمیٹی کی بنیاد پڑ گئی - باقی کام بھی ہوتا رہے گا - آپ ایک کام یہ کیجیے کہ اکتوبر میں جب لوگ واپس آ جائیں آپ ماسٹر[1] کو اپنا ایجنٹ بنا کر یہاں بھیج دیں لیکن صاف صاف ہدایتوں کے ساتھ اور اچھی طرح سے کان کھول کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴)

اس کے اراکین تھے -

اسی جائزہ کے ضمن میں شیرانی صاحب نے پنجاب میں اردو تصنیف و تالیف کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا جو مرحوم خواجہ عبدالوحید صاحب کی معرفت کراچی کے رسالہ ''سات رنگ'' کے شمارۂ نومبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا - مشفق خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق یہ مضمون ۱۹۳۵ء کے آغاز میں لکھا گیا تھا -

یہ تفصیلات مجھے مشفق خواجہ صاحب کے ایک خط بنام خورشید احمد خاں صاحب مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء سے ملی ہیں - (مرتب)

۱- ماسٹر سے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب مراد ہیں - شیرانی صاحب اور حضرت علامہ اقبال دونوں چغتائی صاحب کو اس لفظ سے مخاطب کرتے تھے - (مرتب)

بلکہ سارے کام کا ذمہ دار بنا کر ۔ کم از کم ایک شخص تو ایسا ہو جو اپنا پورا وقت اس کام میں دے سکے ۔ میرے خیال میں ماسٹر اس کام کے لیے موزوں ہیں ۔ وہ ہر شخص سے واقف ہیں اور ہر شخص ان سے واقف ہے اور ہر جگہ آ جا سکتے ہیں ۔ اس طرح سے کام کا سلسلہ جاری رہے گا ۔ آپ کے آنے کی اگر ضرورت محسوس ہوگی آپ کو بروقت اطلاع دے دی جائے گی ۔ یہ میری تجویز ہے اگر آپ اس کو پسند فرمائیں ۔

کمیٹی نے چندہ پانچ روپیہ سالانہ تجویز کیا ہے ۔ آپ پانسو کا اندازہ کرتے ہیں ۔ یہ چندہ بہت کم ہے ۔ اب یا تو یہ صورت ہو کہ ایسے سو آدمی تلاش کیے جائیں جو پانچ روپئے دے سکیں ۔ یا یہ صورت ہو کہ عطیے بھی وصول کیے جائیں ۔ میرے خیال میں عطیے وصول کرنا آسان ہوگا لیکن عطیوں کی وصولی ہر شخص کا کام نہیں ۔ ماسٹر اس کام کے لیے بھی موزوں رہیں گے اور جب آپ نے انہیں اس قدر آم کھلائے ہیں تو دام بھی وصول کیجیے ۔ خدا کی شان ہم یہاں آموں کو ترسیں اور ماسٹر وہاں مزے اڑائیں ۔

وہ کار ثواب جس کے لیے میں نے آپ کو تکلیف دی تھی راست ہوگیا ہے ۔ اس سلسلہ میں آپ کا اور ماسٹر کا شکریہ ۔ داؤد[3] سلام نیازمندانہ عرض کرتا ہے جس میں میں بھی شریک ہوں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۳)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۱۹ اپریل ۱۹۴۳ء

حضرت مولینا بالفضل اولنا

عرصہ سے میرا دہلی آنا نہ ہوا ۔ آپ کی خیریت بھی معلوم نہیں ہوئی ۔ یہ عریضہ مجھے جناب ڈاکٹر اظہر[2] بالقابہ کی خدمت میں ارسال کرنا چاہیے تھا لیکن ان کے

۱- اختر شیرانی مرحوم ۔ (مرتب)

۲- ڈاکٹر اظہر صاحب نے اس خط کے ایک کونے پر بطور جواب چند سطور تحریر فرمائی تھیں جو یہ ہیں :

''اس معاملے میں میرا ذاتی خیال کچھ ایسا ہے کہ شیرانی صاحب خود اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کریں کہ چونکہ مجھے ان دونوں ایڈیشن کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور نادانستہ یہ غلطی ہوگئی ہے اس لیے میں کلکتہ والے منتخبات کو حذف کرتا اور کل نمبر جید پریس والے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۷)

بدلے جواب کون دیتا اس لیے آپ کو تصدیعہ دے رہا ہوں یا یوں سمجھ لیجیے کہ لکھ آپ کو رہا ہوں اور مخاطب ڈاکٹر صاحب ہیں ۔ 'بیک گز دو فاختہ' اسی موقعہ کے لیے کہا گیا ہے ۔

گذارش یہ ہے کہ جناب رجسٹرار صاحب دہلی یونیورسٹی کے نوازش نامہ سے معلوم ہوا کہ پرچہ بناتے وقت میں ایک عجیب حماقت کا مرتکب ہوا ہوں یعنی بجائے انتخاب کلیات خاقانی طبع کلکتہ و قصائد خاقانی طبع جید پریس دہلی کے میں نے پرچہ صرف اول الذکر سے بنا دیا اور آخرالذکر کو ترک کر دیا حالانکہ دونوں سے پرچہ بننا چاہیے تھے ۔ لیکن کورسز آف ریڈنگ ۴۴-۱۹۴۳ء ، صفحہ ۱۲ کی عبارت یہ ہے :

3. Intikhab-i-Kulliyat-i-Khaqani (Haji Mohd Said and Sons, 85 Wellesly Street, P.O. Box No. 8904. Calcutta)

Or

Qasaid-i-Khaqani (Jayyad Press, Delhi Edition).

اس عبارت سے میں یہی سمجھا کہ دونوں اشاعتیں ایک ہی ہیں ۔ چونکہ سابق الذکر کے نسخے کم دستیاب ہوتے ہیں اس لیے کسی نے دہلی میں جید پریس والا نسخہ طیار کر لیا ۔ سیاق عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ میرے پاس کلکتہ کیا بلکہ اس سے بھی قدیم اشاعت کانپور والی موجود تھی اس سے پرچہ بنا دیتا جیسا گذشتہ سالوں میں کرتا آیا ہوں ۔ پروفیسر موسوی کو شکایت ہے کہ ان کے طلبہ نے جید پریس والے نسخہ سے طیاری کی ہے اور ممتحن نے پرچہ کلکتہ والے نسخے سے بنایا ہے ۔ مجھے اب پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ خاقانی کے دو انتخاب دہلی یونیورسٹی میں بیک وقت جاری ہیں اور کہ پرچہ مجھے دونوں سے بنانا چاہیے تھا ۔ مہربانی فرما کر آپ میری دست گیری کیجیے اور بتائیے کہ اب کیا کیا جائے اور غلطی کا ازالہ کیونکر کیا جائے ۔

میں نے اس جیدی اشاعت کے بھیجنے کے واسطے رجسٹرار صاحب کی خدمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶)

انتخاب کو دیتا ہوں بشرطیکہ یونیورسٹی اس کو منظور کر لے ۔ یہاں پر ان کی اس تجویز کی مخالفت ہوگی نہیں ۔ اس میں اور کوئی قباحت نہ ہو تو ان کو اسی طرح تحریر فرما دیجیے ۔ فقط خاکسار اظہر"

قبلہ مولوی صاحب نے یہ خط واپس شیرانی صاحب کو ارسال کر دیا جو مجھے ان کے پرانے کاغذات میں مل گیا ۔ (مرتب)

میں تار دے دیا ہے - مجھے ابھی تک اپنی حماقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے - اس اشاعت کے دیکھنے کے بعد کوئی رائے قائم کر سکتا ہوں تاہم اللہ کے واسطے کوئی مشورہ دیجیے -

پروفیسر موسوی کے بیان سے ، جیسا کہ ہیڈ صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے دو پیرے کلکتہ اڈیشن سے لیے اور ایک پیرا جیدی اڈیشن سے لیا - اگر میں ایک پیرا اور اسی اڈیشن سے لے لیتا تو ان کو جائے شکایت نہ ہوتی - اس حساب سے میں نے ایک پیرے بھر کی حماقت کی ہے اور بس - اچھا اب آپ کی رائے کیا ہے :

تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

پرچے میں نے دیکھے دا کھے رکھ چھوڑے ہیں - جب تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا میں اپنے 'جوڑی دار' کو نہیں بھیج سکتا ، جو اتفاق سے موسوی صاحب ہی ہیں -

آپ جے پور تک تو آتے رہتے ہیں - ٹونک نے کیا قصور کیا ہے - اس مرتبہ اگر آپ کی بوڑھی ہڈیاں سفر کی صعوبت برداشت کر سکیں تو اس دارالاسلام کی بھی زیارت کریں - مجھے ابھی جلدی نہیں ہے - خربوزے چل گئے ہیں لیکن اگلے مہینے سے کام کے ہوں گے - اس وقت تشریف لائیے تاکہ آپ یہ بہشتی میوہ جس قدر کھا سکیں فالیز پر کھائیں اور اس امید میں نہ رہیں کہ آپ کا حصہ گھر بیٹھے آپ کو پہونچ جائے گا[1] - اب حالات بالکل مختلف ہیں - ماہ آئندہ میں تشریف لائیے - اگر استاد اور شاگرد[2] دونوں آ جائیں تو سبحان اللہ نور علی نور ہوگا اور میرا شکریہ دوہرا ہوگا -

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مضمون واحد ہے - جواب کا بے تابی سے انتظار ہے - والسلام مع الاکرام -

محمود شیرانی

۱- اس دعوت کے جواب میں قبلہ مولوی صاحب مئی ۱۹۴۳ء کے آخری ہفتے میں ٹونک تشریف لا کر شیرانی صاحب کے مہمان ہوئے اور تین روز مقیم رہے - اس سفر کا مختصر حال انجمن کے پرچے ''ہماری زبان'' (دہلی) کے یکم جون ۱۹۴۳ء کے شمارے میں ''سفر ٹونک'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا - (مرتب)

۲- ممکن ہے 'شاگرد' سے مراد سید ہاشمی صاحب فرید آبادی مرحوم ہوں کیونکہ وہ بھی مولوی صاحب کے ہمراہ ٹونک آئے تھے - (مرتب)

بنام پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب[1] مرحوم

(۱)

دریا گنج - دہلی
یکم مئی ۱۹۴۲ء

مائی ڈیر ڈاکٹر صاحب !

دونوں عنایت ناموں کا شکریہ ، میں دو مرتبہ آپ کی تعطیلیں ختم ہونے کے متعلق مولانا کی ہدایت کے مطابق آپ سے دریافت کر چکا ہوں اور آپ یہ جواب دے کر خاموش ہوگئے کہ میری تعطیلیں تو ۱۵ اپریل کو ختم ہوگئیں - سنیے حضرت ہمارے مولانا عبدالحق اپنی طرز کے میرزا غالب ہیں - جس طرح میرزا موصوف اپنے اشعار میں اپنا اصلی مطلب چھپا دیا کرتے تھے اسی طرح ہمارے مولانا اپنا مطلب اپنے فقروں میں چھپا دیا کرتے ہیں اور مسئول عنہ کا فرض ہے کہ جواب دینے سے پیشتر سوال کنندہ کا مقصد سمجھ لے اور پھر جواب دے - مولانا کا آپ سے سوال تھا کہ ''آپ کی تعطیلیں ختم ہوئیں یا نہیں ؟'' اس کا اصلی مقصد تھا کہ آپ اپنے پہلے خطوں میں لکھ چکے ہیں کہ دیوان فغاں کے روٹو کالج کھلنے پر بھجوا دوں گا اور اسی وقت انسائیکلوپیڈیا کے متعلق جواب دوں گا - اب کالج کھلے عرصہ ہوگیا ہے اس لیے قدرتاً مولانا نے وہ سوال کیا جس کا آپ نے غلط جواب دیا - مہربانی کرکے بواپسی دونوں باتوں ، روٹو و انسائیکلوپیڈیا کے متعلق جواب دیجیے -

---

۱- پروفیسر اقبال صاحب مرحوم کے نام شیرانی صاحب کے یہ خطوط ڈاکٹر داؤد رہبر نے مختصر حواشی کے ساتھ ''اورینٹل کالج میگزین'' کے نومبر ۱۹۵۱ء کے شمارے (اقبال نمبر) میں شائع کرائے تھے پروفیسر شیخ محمد اقبال صاحب ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے - ان کے والد قصور کے رہنے والے تھے - ۱۹۱۸ء میں علی گڑھ سے ایم - اے (عربی) کرنے کے بعد وظیفہ حاصل کرکے انگلستان گئے - چار سال تک پروفیسر براؤن کی زیر نگرانی تحقیق کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر ۱۹۲۲ء میں واپس آئے اور اورینٹل کالج میں صدر شعبۂ فارسی مقرر ہوئے - قیام انگلستان کے دوران میں عبرانی ، سریانی ، جرمن اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں -
تقسیم ملک کے بعد اورینٹل کالج کے پرنسپل بنے - ۲۱ مئی ۱۹۴۸ء کو بعارضۂ قلب وفات پائی - شیرانی صاحب ان سے مذاقاً کہا کرتے تھے کہ ''میں براؤن کی خبر لوں لیکن آپ کے استاد جی ہیں اس لیے جانے دیتا ہوں -'' (مرتب)

ابھی ابھی جناب رہبر کا تلطف نامہ شرف ورود لایا ۔ ان سے کہہ دیجیے کہ آج کل لفافہ اور اس کے ٹکٹوں کا بھاؤ اور بھی بڑھ گیا ہے یعنی ایک لفافہ کے چھ پیسے لگتے ہیں ۔ اس لیے حضرت اگر تمہیں علیحدہ خط لکھتا ہوں تو مجھے مبلغ ایک آنے اور دو پیسے سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے لہذا اندریں صورت حالات یہ مناسب سمجھا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کے خط میں ان کو جواب دیا جائے ۔ وہ جواب یہ ہے کہ میں نے پنڈت کیفی[1] سے دریافت کیا وہ بولے کہ میں نے تو لاہور کے نیچرل شاعری کے پہلے مشاعرے پر ، جو انجمن پنجاب کی سرپرستی میں ہوا تھا ، اپنی تالیف منشورات میں لکھا ہے ، مشاعرہ کی قدیم تاریخ یا قدیم مشاعروں پر کچھ نہیں لکھا ۔ اب میرا جواب شروع ہوتا ہے ، وہ یہ ہے کہ حضرت ! رہبر آپ ہیں یا ہم ؟ رہبری کا دعویٰ تو آپ کو ہے اور توقع ہم سے رکھی جاتی ہے ۔ ہم کیوں آپ کے رہبر بنیں اور کیوں بتائیں ۔ ہم تو راہرو ہیں راہرو ۔ ایسے راہ رو جو رہبر سے بھی ناواقف ہیں ۔ میرزا غالب فرماتے ہیں :

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مشاعرے اگرچہ ایران سے آئے ہیں مگر ہندوستان میں اکبر کے عہد سے تو یقیناً پتہ چلنا چاہیے ، جس کے لیے تذکروں کی اوراق گردانی کی ضرورت ہے ۔ اردو میں تو میر صاحب کے تذکرۂ میر و ذکر میر اور مجموعۂ نغز سے کچھ کام نکل آئے گا ۔ مصحفی کے تذکرے دیکھیے ، پھر آب حیات و گل رعنا ۔

رسالہ اردو میں دہلی کا آخری مشاعرہ از فرحت اللہ بیگ دیکھ لیجیے ۔ اگرچہ مشاعروں کی قدامت پر روشنی نہیں ڈالی ہے ۔ بہرحال مختلف کتابوں میں تلاش کرنے سے قطرہ قطرہ دریا ہوگا ۔ اردو اور فارسی کے سارے تذکرے دیکھنے چاہییں ۔ ماما نچتڑیاں[2] تو ملنے سے رہیں ! باقی خیریت ہے ۔

والسلام و الدعا
محمود شیرانی

۱۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی مراد ہیں جو اردو زبان کے پرستار تھے ۔ ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں ۸۹ برس کی عمر میں وفات پائی ۔ (مرتب)

۲۔ ماما نچتڑیاں ان روٹیوں کو کہتے ہیں جو ملازمہ عورتیں امیروں کے گھروں سے اپنے بچوں کو بھیجتی ہیں یعنی بے مشقت ہاتھ آئی ہوئی روٹیاں ، مفت کی روٹیاں ۔ (مرتب)

(۲)

مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ
۲۹ اگست ۱۹۴۳ء

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب !

شفقت نامہ عین انتظار میں پہنچا ۔ جب میں نے لاہور کا ارادہ کیا تھا وہ وقت کچھ اور ہی تھا ۔ اتنے میں سامی نامہ شرف ورود لے آیا اور میری تشویش رفع ہو گئی ۔ اب میں کیا دیوانہ تھا جو لاہور آنے کا قصد کرتا ۔ آپ فرماتے ہیں کہ لاہور آج کل جہنم کا نمونہ بن رہا ہے ۔ تو آپ کیوں پڑے ہیں ۔ یہاں تشریف لے آئیے ۔ یہاں حالت یہ ہے کہ گرمیاں اس سال میں نے ندی میں گزاریں ۔ بڑے لطف سے گذریں ۔ راتوں کو نہایت پرلطف موسم ہوتا تھا اور چادر اور دلائی اوڑھنی پڑتی تھی ۔ گرمی کے چند دن میں نے وہی دیکھے جب میں دہلی اور رامپور میں تھا ۔ ٹونک میں ایک رات بھی گرم مجھے یاد نہیں ۔ دہلی سے واپسی کے بعد میں مستقلاً گیارہ بارہ بجے دن کے ندی آ جاتا ہوں ۔ یہاں دریا کے کنارے کے قریب پھوس کا ایک جھونپڑا ڈلوا لیا ہے ۔ آس پاس کھیت ہیں اور بیچ میں مابدولت کا جھونپڑا ، ہم جس میں فرعون بے سامان بنے پیٹھے ہیں ۔ دل میں آئی سو گئے ورنہ کتاب دیکھتے رہے یا اپنا کام کرتے رہے ۔ برسات کی وجہ سے منظر نہایت پرلطف ہے ۔ ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو سرتاپا سبز ہے ۔ دوسری طرف ندی ہے جو جنوبی سمت سے آ کر موڑ کھاتی ہوئی شمالی رخ سے ہوتی ہوئی مشرق میں نکل گئی ہے ۔ تازہ ہوائیں ہر وقت چل رہی ہیں ۔ عصر سے خنکی ہو جاتی ہے ۔ رات کو معلوم نہیں کیا حالت رہتی ہے ۔ میں تو مغرب کے وقت یہاں سے رخصت ہو جاتا ہوں اور گھر پہنچ جاتا ہوں ۔ پچھلے چار پانچ روز سے پھر بارش شروع ہو گئی ہے ۔ سورج مہاراج گاہے ماہے گھنٹے دو گھنٹے کے واسطے وہ بھی حاضری دینے کی غرض سے آ جاتے ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ ندی کے پانی اور اس کی ہوا نے میری صحت میں بڑا فرق پیدا کر دیا ہے ۔

انڈکس کے واسطے جناب برخوردار داؤد[1] کا شکریہ ۔ لیکن اب میں ان کا شکریہ کیونکر ادا کروں ۔ کتاب میرے پاس تو شاید اسی وقت آئے گی جب چھپ جائے گی خدا کرے آپ نے کچھ لکھ دیا ہو ۔

میں نے گلاب سنگھ کے متعلق خصوصاً مینجر کی بابت آں حضرت سے عرض کر دیا تھا لیکن بڑی سرکار[2] میں کچھ شنوائی نہیں ہوئی ۔ اب ان کو خود تجربہ ہو

۱۔ تنقید شعرالعجم مطبوعہ انجمن ترقی اردو کا انڈکس میں نے تیار کیا تھا ۔ (داؤد)
۲۔ مولوی عبدالحق صاحب ۔

گیا ہوگا - آں حضرت نے چند مسلمانوں کی روٹی ان سے چھین کر ہندوؤں کے حوالے کی ہے -

گاموں[1] کا بے حد افسوس ہے - آپ میری طرف سے بھی پرسش کیجیےگا - داؤد[2] اسی حال میں ہے - ٹونک ہی میں ہے - اس دفعہ اس نے ہز ہائی نس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو اس نے اورینٹل کالج کے مشاعرے میں کیا تھا -

مولانا[3] کے متعلق میں سن چکا ہوں - میں نے خط بھی عیادت کا بھیجا تھا - ہاشمی صاحب نے جواب دیا - سر کی پٹی ابھی نہیں کھلی - ڈاکٹر نے کام کرنے سے بھی روک رکھا ہے - ویسے حالت اچھی ہے - آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ میں استعفا دے آیا ہوں - برخوردار داؤد کی خدمت میں بابت تیاری انڈکس بہت بہت شکریہ - دیگر مشائخ[4] کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام و دعا - والتسلیم

محمود شیرانی

(۳)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ
۱۳ فروری ۱۹۴۴ء

برخوردار داؤد[5]

آپ کے دونوں خط مجھ کو خیریت سے پہنچ گئے - میں ان کا جواب دینا چاہتا تھا - مجھے جے پور سے آئے چار پانچ روز ہوئے تھے - وہاں دمے کے دورے بالکل بند ہوگئے تھے - بد قسمتی سے کل رات ساڑھے بارہ بجے رات کے پھر دورہ پڑ گیا - ڈیڑھ دو گھنٹے سخت تکلیف رہی - ڈاکٹر نے بیس منٹ کے فاصلے سے دو مرتبہ انجکشن کیا تب کہیں تکلیف میں تخفیف ہوئی - سارا جسم پسینہ میں شرابور تھا اور لرزہ جسم

۱- ہمارا دیرینہ ملازم جو ان دنوں بیمار ہو گیا تھا - (داؤد)
۲- اختر شیرانی مرحوم کا نام بھی داؤد تھا - (داؤد)
۳- مولوی عبدالحق صاحب -
۴- یہاں پروفیسر اقبال صاحب کے صاحبزادگان کو از راہ مذاق ''مشائخ'' لکھا ہے - اسی طرح آیندہ خطوں میں کہیں ''۱۳۷- جی' کے شیوخ'' اور کہیں ''شیوخ ماڈل ٹاؤن'' لکھتے ہیں - (مرتب)
۵- یہ خط گو میرے نام ہے مگر میں نے اس کے آخری پیراگراف کی وجہ سے شامل کر دیا ہے - ''فردوسی پر چار مقالے'' کی پروف خوانی کرتے ہوئے ابا جان نے وہ پرچہ اس میں سے نکال دیا تھا جس میں یہ جلد شیرانی صاحب نے ابا جان کے نام سے معنون کی تھی - (داؤد)

پر الگ چھا گیا - چنانچہ آج بھی ایک دن گزر جانے کے بعد لرزہ جسم پر موجود ہے - میں یہ خط آپ کو بڑی تکلیف میں لکھ رہا ہوں اس لیے خطوں کا جواب ابھی ملتوی رکھتا ہوں -

فی الوقت آپ اردو کے امتحان ادیب کے لیے تین چار داخلہ کی فارمیں بواپسی ڈاک مجھ کو بھجوا دیجئے، ضرورت ہے - بھولیے نہیں - سخت تاکید ہے - ابا جی کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا - باقی پھر - ایک سو سینتیس جی کے شیوخ کی خدمت میں دعا اور سلام - سارہ بیٹی کو دعا -

والدعا

تنقید شعرالعجم کے اشارے کی طیاری کا شکریہ - مولوی صاحب نے بطور سجدۂ سہو اس کو ادا کیا ہے -

ابا جی سے دریافت کرنا کہ ''فردوسی پر چار مقالے'' مجھے یاد پڑتا ہے میں نے ایک صاحب کے نام پر معنون کئے تھے - تعجب ہے کہ یہ انتسابی پرچہ اس تالیف میں سے غائب ہے - میں خیال کرتا ہوں کہ یہ انجمن ترقی اردو کا قصور نہیں ہے بلکہ ان مقالوں کے پروف خواں کا - اس کے متعلق آپ کا (ڈاکٹر صاحب کا) کیا ارشاد ہے ؟

محمود شیرانی

(۴)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

مخدومی محترمی جناب ڈاکٹر صاحب !

میرے ایک عریضہ کا جواب آپ پر قرض ہے - اور یہ اس پر بھی فاضل ہے - دیر سے معلوم نہ ہوا کہ شیوخ ماڈل ٹاؤن کا کیا حال ہے - میں نے لائبریرین کو بھی لکھا ہے اور آپ کی خدمت میں بھی عرض کی ہے کہ میری اشیاء جو کچھ لائبریری میں ہوں آپ اپنی تحویل میں لے لیں - لیکن اس کا جواب نہ لائبریرین نے دیا ، نہ آپ نے دیا - اگر یہ خیال ہے کہ آپ کے پاس سے میری چیزیں گم ہو جائیں گی تو میری گمیں گی نہ آپ کی - پھر آپ کو ان کے رکھنے میں کیا تشویش ہے -

خدا جانے آج کل کے ایڈیٹر کیسے ہیں کہ لوگوں سے مضمون مانگنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں - بے چارے مضمون نگار مضمون لیے اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی کہیں سے مضمون مانگے تو بھیجیں - مثلاً میں ہی ہوں - اب تک منتظر رہا کہ جناب ایڈیٹر صاحب اورینٹل کالج میگزین مضمون طلب کریں مگر ان کو پروا بھی

نہیں - مجبوراً خود ہی ذریعہ ہذا بھیج رہا ہوں[1]- خدا کرے پسند خاطر عاطر ہو -

سارہ[2] بیگم کی خدمت میں ہدیہ دعا - مشائخ کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام و دعا - عبداللہ پونوی[3] (معلوم نہیں پونا کی نسبت کیا ہوتی ہے) کے خط سے جو حال میں آیا تھا معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اسحاق[4] انہی اطراف میں ہیں - پونوی نے کچھ اور بھی لکھا تھا مگر وہ جنی خط میں مرقوم تھا اس لیے میں پڑھ نہ سکا -

زیادہ تر وجہ عریضہ لکھنے کی آپ کی خدمت میں یہ اطلاع دینی ہے کہ اگرچہ نصف دسمبر گزر چکا ہے صحت کی حالت میں ہوں - اس کا ثبوت یہ مضمون ہے - اس سے قبل ذوق و آزاد پر تین قسطیں ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں - جون سے اب تک کوئی دورہ نہیں ہوا - نومبر میں البتہ بخار آیا تھا - ورنہ میری صحت عام طور سے اب اچھی رہی - اگر میری صحت کی یہی حالت رہی تو ایک اور مضمون آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا - کرسمس کا زمانہ میرے لیے بھاری ہوتا ہے - اپنی اور بچوں کی خیریت سے جلد اطلاع بخشیے - والتسلیم

محمود شیرانی

مکرر آنکہ مضمون ہذا کے صفحہ ۴ پر میں نے ایک حاشیہ شیر افگن خان عزت‌الدولہ پر اپنی یاد داشت سے لکھ دیا ہے - ان کے حالات شفیق نے گل رعنا میں دیے ہیں - گل رعنا کا نسخہ میرے مجموعہ مخطوطات میں ہے - اگر آپ خود یا ذریعہ جناب رہبر وہ حالات گل رعنا سے لے کر میرے حاشیے کے ساتھ میری طرف سے یا ایڈیٹر صاحب کی طرف سے اضافہ کر دیں تو بہت ممنون ہوں گا - یہ بھی یاد رہے کہ روشن‌الدولہ ظفر خاں پر بھی حاشیہ کی ضرورت ہے - والسلام

محمود شیرانی

(۵)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۱۵ اپریل ۱۹۳۵ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب!

عنایت نامے کا جواب جلد دے رہا ہوں - میری خرابی صحت بڑھتی جاتی ہے -

---

۱- یہ مضمون ''محمد شاہ کے عہد میں پنجابی جفت فروشوں کے فساد پر بے‌ڈوا سنامی کا مخمس'' کے موضوع پر تھا جو ''اورینٹل کالج میگزین'' میں اگست ۱۹۳۵ء کے شمارے میں چھپا - (مرتب)

۲- ڈاکٹر اقبال صاحب کی صاحبزادی - (مرتب)

۳- ڈاکٹر عبداللہ چغتائی جو ان دنوں پونا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ کرتے تھے - (داؤد)

۴- ہمارے سب سے بڑے بھائی - (داؤد)

رات کو بارہ بجے کھانسی اور زکام کا حملہ ہو گیا - دو گھنٹے کے بعد نیند آ سکی - صبح آٹھ بجے سے دل پر درد شروع ہوا ، خاصہ تیز ہو گیا اور اب تک ہے (یہ چار بجے کا وقت ہے - پرانا وقت) کوئی دو گھنٹے سے تخفیف ہے - اب صرف گھرے سانس کے ساتھ معلوم ہوتا ہے - آج ہی بارہ بجے دن کو پھر زکام اور کھانسی شروع ہو گئے - ساتھ ہی بخار ہو گیا ، لیکن ہلکا - اب آپ ہی دیکھیں میری صحت اگر تماشا نہیں تو کیا ہے - اس وقت دل میں یہی سما رہا ہے کہ آپ کی خدمت میں عریضہ لکھوں - اس لیے لکھ رہا ہوں - داؤد آئیں، میری آنکھوں اور سر پر آئیں - میرے لیے تو یہ بڑی نوید ہے مگر میں کیا کروں - وہ آئے اور میرے ضعف صحت کی بنا پر ان کو تکلیف ہوئی تو میں آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا اور اب مجھ میں برداشت کی طاقت نہیں رہی - ادنیٰ سی تشویش اور خیالی تکلیف مجھ کو بہت پریشان رکھتی ہے - اگر وہ آئیں تو پتھر کا دل لے کر آئیں ورنہ میں درخواست کروں گا نہ آئیں - اگر کبھی تقدیر میں ہوگا مل لیں گے ورنہ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

راستہ تو لاہور، دہلی، جے پور، نوائی - نوائی سے ٹونک تک موٹر لاری چلتی ہے - اگر وہ ہر قسم کی مصیبت جھیلنے کے لیے تیار ہو کر آئیں تو مہربانی فرما کر ان کی آمد نوائی کی تاریخ سے مجھے مطلع فرما دیں کہ میں کسی کو بھیج دوں تاکہ راستے میں کسٹم کی زحمت سے کسی قدر مامون ہو جائیں - میں سنتا ہوں آج کل وہ اور بھی سخت ہو گئے ہیں - جب تین سال پیشتر آپ تشریف لائے تھے ہم تین شخص، فضل، میں خود اور منصور، آپ کو لانے کے لیے جے پور پہنچ گئے تھے - آج یہ حالت ہے کہ تینوں میں سے کوئی بھی نہیں آ سکتا - اگر رہبر صاحب آنے کے لیے تیار ہوں تو انہیں اس ماہ کے آخری ہفتے میں آ جانا چاہیے -

میری اشیاء کے متعلق عرض ہے کہ آپ لائبریرین سے دریافت کر لیں - اسناد و دستاویزات قدیم (عہد مغل) لائبریری کے کام کی ہیں - اگر وہ ایک روپیہ فی سند دینے کے لیے طیار ہوں تو آپ لائبریری کو دے دیں لیکن نمبر ۸۱ فرمان محمد شاہ بن فرید شاہ بابتہ سی و چہل بیگہ زمین عشری مورخہ ۴ ذی الحجہ ۹۴۸ھ کی قیمت اسی روپے ہے - یہ فرمان معلومہ فرامین میں سب سے قدیم ہے اور جس قیمت پر میں نے خریدا ہے اسی قیمت پر دیتا ہوں - اسی طرح نمبر ۸۹ فتح نامہ یعنی اشتہار گورنر جنرل اشرف الامرا جارج آکلینڈ ناظم اعظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی مورخہ ۱۲۵۱ھ فرستادہ ۲۷ اگست ۱۸۳۹ء بنام رنجیت سنگھ ایک تاریخی دستاویز ہے اور میں نے اس کو چالیس روپے میں خریدا ہے - لائبریری اگر یہی قیمت دے، رکھ لے ورنہ یہ چیزیں آپ داؤد میاں کے ہاتھ میرے پاس بھجوا دیں - ان دستاویزات قدیم کی فہرست

نمبر ۱ سے نمبر ۹۱ تک ہے - اسی طرح سکھوں کے دربار کے مکاتیب ہیں جو نمبر ۱ سے نمبر ۱۸۱ تک ہیں - یہ کاغذات سکھوں کی تاریخ میں ایک حد تک اہم ہیں - ان کی قیمت دو روپے فی کاغذ ہے - اگر لائبریری تمام کے تمام لے، دے دیں - یہ نہیں کہ چھانٹ کر لے -

خطاطی کے نمونے اور مرقع تصاویر اگر راہبر صاحب لا سکیں لے آئیں ورنہ میں اور انتظام کر دوں گا -

پتھر لائبریری میں رہنے دیں اگر رکھنا چاہیں ورنہ اپنے پاس منگوا لیں - میں نہیں چاہتا کہ شیخ لدے پھندے آئیں - میں اگر کوئی چیز رہبر صاحب سے منگواتا تو چاول منگواتا لیکن آج کل ان کا لانا لے جانا نہایت خطرناک ہے - اس لیے میں ان سے آپ کی وساطت سے استدعا کرتا ہوں کہ تاحین قیام ٹونک چاول کھانے سے پرہیز کریں - اور کھانے کی اشیاء میں سے کوئی چیز نہ لائیں -

پیر جی[1] کا تلطف نامہ آپ کے ملا خطے کے واسطے ملفوف ہے - دیکھ کر واپس کر دیجیے - میں نے پانچ ہزار چاندی کے سکوں اور تین ہزار تانبے کے سکوں کے دس ہزار مانگے تھے اور یہ موجودہ بازار کے دیکھتے ہوئے سستی قیمت ہے - لیکن انھوں نے اس رقم کا نصف دینا منظور کیا ہے - ایک ادنی امر یہ ہے کہ ٹونک کا روپیہ جسے ریاست ٹونک نے تین سال ہوئے بند کر دیا ہے اور جو انگریزی سکے کے مقابلے میں ہمیشہ پانچ آنے کا بٹہ کھاتا تھا ، آج کل بازار میں صرف چاندی کے لحاظ سے اس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ انگریزی ہے - مغلوں اور مغل سکوں کی قیمت تو اس سے بہت زیادہ ہے - میں اس بارے میں پیر جی سے بحث کرنی خلاف ادب سمجھتا تھا - دل کڑا کرکے اور ڈھیٹ بن کر انکار تو کر دیا ہے مگر بے حد شرمندہ ہوں اور میں بھی کیا کروں - میری یہ روبہ مزاجی بربنائے احتیاج ہے - چند یوم میں صرف انہی سکوں پر میرے اخراجات کا دار و مدار ہوگا - پرووِیڈنٹ فنڈ تو نصف سے زیادہ لاہور ہی میں ختم ہو چکا تھا - باقی کتابوں کی قیمت سے یہ چار سال گذارے - اب خرچ بڑھ رہا ہے ، صحت تباہ ہو رہی ہے - اب جب ناداری بالکل قریب آ رہی ہے مجبوراً بخیل بن رہا ہوں - اسی کا مجھ کو افسوس ہے اور شرم بھی ہے -

ہاں ہاں خوب یاد آیا - میں نے بے نوا شاعر پر ایک مضمون پچھلے سال آپ کی خدمت میں بھیج دیا تھا - اس میں میں نے اس بیاض کا نمبر ، جس سے میں نے مخمس بے نوا نقل کیا ہے ، غلط دے دیا ہے یعنی بجائے نمبر ۲۱۶۴ کے میں نے جموں کی بیاض کا نمبر ۱۴۷۸ دے دیا ہے - اس لیے آپ میری اس حماقت کی تصحیح کر

۱- خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب (داؤد)

لیں یعنی نمبر ۱۴۷۸ کاٹ دیں اور نمبر ۲۱۶۴ لکھ لیں - اسی طرح تمام وہ عبارت جو اس بیاض کی صراحت کی حامل ہے کاٹ دیں - بلکہ مجھ کو اس میں بھی شبہ ہے کہ نمبر ۲۱۶۴ کوئی بیاض ہو - میرے خیال میں وہ منظوم قصہ ہے جس کے آخر میں کاتب نے بعض نظمیں شامل کر لی ہیں - انہی میں مخمس بے نوا شامل ہے - یہ مخطوطہ آپ کی لائبریری میں موجود ہے -

عبداللہ[1] کا بے حد افسوس ہے - مجھ کو صرف مولانا عبدالحق کے خط سے معلوم ہوا - ابراہیم صاحب نے اب سے بہت قبل ایسے الفاظ میں لکھا تھا جس سے عبداللہ کے لیے بہت کم امید ہو سکتی تھی - معلوم ہوتا ہے وہ ایک خاص ٹرم کے لیے رکھے گئے تھے ، اس مدت کے ختم پر انھوں نے ان کو رکھنا منظور نہیں کیا -

مجھے ریل گاڑی اور اس کے اوقات سے اب کوئی واسطہ نہیں رہا - اس شرابی سے اوقات ریل لکھوا کر بھیج رہا ہوں - اس داؤد اور اس داؤد میں کس قدر فرق ہے - لیجیے آداب عرض ہے - والسلام

محمود شیرانی

(۶)

مہندی باغ ، ٹونک ، راجپوتانہ

۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب !

تلطف نامے کا جواب دیر میں دے رہا ہوں - سردوں کی کاشت[2] کا طریقہ سیکھنے کے لیے کابل کیوں جائیں - لاہور میں معلوم ہو سکتا ہے - یہاں کابلی کیا کم ہیں؟ شاگردوں میں کوئی پٹھان کام کا نکل آئے گا - جوینده یابنده - لاہور میں باغبانی پر بہت کتابیں ملتی ہیں ان سے پتہ چل سکتا ہے - ہیچ بے شک آپ بھیج دیجیے میں مقامی خربوزوں کی طرح ان کی کاشت کراؤں گا - اگر موٹی موٹی باتیں معلوم ہو جائیں تو وہی بہت ہیں - مثلاً کاشت کا موسم (میرے خیال میں برسات کے آغاز میں

۱- ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب

۲- شیرانی صاحب اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں دل بہلانے کے لیے زرعی تجربے کرنے لگے تھے - انہیں خیال ہوا کہ جب ٹونک میں دریائے بناس کی ریتی کے خربوزے اتنے اچھے ہوتے ہیں تو کیوں نہ یہاں سردوں کی کاشت کر کے دیکھا جائے - اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو بیجوں اور طریقہ کاشت کی بابت لکھا تھا (مرتب)

لگائے جاتے ہوں گے) ، کھاد اور پانی دینے کا طریقہ وغیرہ ۔

میگزین کے لیے تبرک کس بھروسے پر بھیجوں ۔ آپ نے میرا چندہ ہی واپس کر دیا ۔ مزید برآں جب دریافت کیا کہ چندہ کیوں واپس کیا گیا تو جواب نہیں دیا ۔ مگر ابھی تو میرا مضمون آپ پر الٹا قرض ہے ، جو پچھلے سال بھیجا تھا ۔ کیا آپ بھول گئے ؟ لطف یہ کہ میں خود بھولا ہوا ہوں کہ وہ مضمون کیا تھا ۔

ہاں اورینٹل کانفرنس جے پور میں ہونے والی تھی لیکن سر مرزا اسمعیل کانفرنس کے لیے دس ہزار کی منظوری نہ دے سکے اس لیے بند کی گئی ۔

اسناد وغیرہ کے سلسلے میں لائبریرین کا خط بھی پہنچ گیا ہے ۔ تصاویر و قطعات وغیرہ ابھی آپ ہی کے پاس رہیں گے ۔ جب ٹونک سے بعض طلبا امتحان کے لیے لاہور جائیں گے میں ان کے ہاتھ منگوا لوں گا ۔

میری صحت جلد جلد گرتی جا رہی ہے ۔ خدا جانے کانوں پر کیا مصیبت آئی ہے ، پچھلے دو ہفتوں سے بہرہ ہو گیا ہوں ۔ کھانے کے واسطے صرف دو ڈاڑھیں رہ گئی تھیں ، اب دونوں نے ایک دام سے جواب دے دیا ہے ۔

داؤد کے نغمے اور گیت آپ کو اور ریڈیو کو مبارک ہوں ۔ آپ تو ہمیں وہ داؤد دیجیے جو اورینٹل کالج میں ایم ۔ اے کی جماعت میں داخل ہے ۔ سارہ بیٹی کو دعا اور ساروں کو سلام ۔ بڑے ڈاکٹر صاحب[1] آج کل کہاں ہیں ؟ ان کی خدمت میں سلام عرض ہے ۔ و التسلیم

محمود شیرانی

۱۔ پروفیسر اقبال صاحب کے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر محمد اسحاق مراد ہیں (مرتب)

بنام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب مرحوم[1]

(۱)

مہندی باغ - علی گنج
ٹونک راجپوتانہ
۱۳ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

جناب ڈاکٹر صاحب

یاد آوری کا شکریہ - جواباً گذارش ہے کہ :

(۱) جس کتاب کے ساتھ وہ مکتوب[2] مجلد ہے اس کا نام دیوان واقف بٹالوی ہے جو سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) کا نوشتہ ہے -

(۲) کتاب کے مالک کا نام منشی رام رائے ہے جو جلد کی پشت پر ٹھپہ شدہ ہے یہ جلد سبز چمڑے کی ہے اور تیس پینتیس سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے -

چونکہ میں نے سر دست اپنا کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی کو مستعار دے دیا ہے - میری فہرست میں اس نسخہ کا نمبر ۱۸۳۶ ہے -

(۳) یہ علمی خدمت ہے آپ شوق سے وہ خط چھاپیں -

اس علاقے میں بارش کم ہے - دو روز سے گرمی بہت بڑھ گئی ہے - باقی خیریت ہے - والتسلیم

کار لائقہ سے یاد و شاد فرمائیے - فقط

محمود شیرانی

۱- ڈاکٹر صدیقی صاحب مرحوم کے نام شیرانی صاحب کے یہ خطوط محترم محمد مسلم صدیقی صاحب نے عکسی صورت میں ارسال فرمائے ہیں - ان میں سے بیس خطوط مرحوم ڈاکٹر صاحب نے یکجا کیے ہوئے تھے - باقی تین یعنی ساتواں ، نواں اور بیسواں خط مسلم صاحب نے خود تلاش کرکے مجموعے میں اضافہ کیا ہے (مرتب)

۲- یہ غالب کے ایک مکتوب کی طرف اشارہ ہے - ڈاکٹر صدیقی صاحب نے اس کے شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا - چنانچہ شیرانی صاحب نے اپنے خط کے ساتھ غالب کے محولہ خط کی نقل بھی انہیں ارسال کی -
اورینٹل کالج میگزین کے شیرانی نمبر میں داؤد رہبر صاحب نے غالب کا یہی خط ''غالب کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب'' کے عنوان سے چھپوایا تھا (مرتب)

نقل مکتوب مرزا غالب

قبلہ آپ سے رخصت ہو کر بھیگتا بھاگتا بھوکا جاڑا کھاتا پرسوں ۱۱ بجے دن کو اپنے گھر پہنچا اقربا و احبا کو زندہ و صحیح و سالم پایا الشکر للہ اب میں تندرست ہوں اس سفر میں برابر خستہ و رنجور رہا اتمام سفر اختتام رنج تھا گویا کیا عرض کروں غازی آباد شہر سے سات کوس ہے شب کو وہاں مقام تھا وہیں سے طبیعت اصلاح پر آنے لگی قبض و انقباض رفع ہو گیا صحت مع اعادۂ طاقت ہے قاطع برہان تم در فش کاویانی کا پارسل پہنچتا ہے خدا کے واسطے اس کو دیکھنا اور غور سے دیکھنا جس طرح لطائف غیبی کو دیکھا ہے اس طرح نہ دیکھنا تم نقاد نقود معنی ہو تم بھی داد نہ دو گے تو کون دے گا یہ کتاب نہیں گنج معنی اسرار حکمت ہے - من قال سے قطع نظر ما قال کو دیکھو - بید سنگاہ

اسداللہ ۱۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء

(۲)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۱۸- دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء

محترمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ گذرا جب سے آپ کا تلطف نامہ شرف ورود لا کر جواب کا منتظر ہے لیکن مجھ کو اب تک جواب کی توفیق نہ ہوئی - پہلے تو بخار ستاتا رہا - میں کیا سارا شہر ٹونک بخارا بنا ہوا تھا - اب بھی سردی کے دو ماہ گذر جانے کے باوجود شہر میں بخاری بکثرت موجود ہیں - اموات بھی کثرت سے ہوئی ہیں لیکن میں تو کھائی سے نکل کر کنویں میں گرا ہوں یعنے ضیق النفس کے دوروں میں مبتلا ہوں - بخار ، کھانسی ، بلغم اور شب بیداری کا دور دورہ ہے دن کو گھنٹے دو گھنٹے کے واسطے سو سکتا ہوں - ابھی سخت دورے شروع نہیں ہوئے لیکن سہا جا رہا ہوں - جس زندگی پر موت کو ترجیح دی جائے وہ یہی زندگی ہے - دم ٹوٹ ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور موت نہیں آتی - گویا عالم نزع کا اشتداد وامتداد بھی ہم غریبوں کی زندگی کا حصہ ہے ورنہ

ع : مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

اب چند روز سے بہرا بن گیا ہوں - معلوم نہیں کہ یہ حالت عارضی ہے یا دائمی ہے -

گرامی نامے کا جواب اگر میں فوراً ہی دے دیتا تو سخی سے بھلا سوم جو ترت دے جواب کا مصداق ہوتا - ظاہر ہے کہ میری حالت اب مضمون لکھنے کے قابل نہیں رہی ہے لیکن مجھ کو شرم آئی کہ آپ کی پہلی فرمائش کا جواب انکار میں

دوں اس لیے میں مضمون سوچتا رہا ہوں - آخر ایک مضمون ہاتھ آیا اور کیا مضمون ہاتھ آیا - خدا کرے بن جائے - آپ کو یاد ہو گا مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے دیوان ذوق ترتیب دیا تھا جو شاید سنہ ۱۸۸۸ء میں پہلی مرتبہ چھپا ہے - میں اس دیوان پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتا ہوں - اس سلسلہ میں بعض غزلیات کے مسودوں کا عکس بھی مضمون کے ساتھ چھپے گا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اس دیوان ذوق میں غزلیات کا جدید ذخیرہ دیا گیا ہے اور جو دیوان ذوق مرتبۂ حافظ ویران (طبع احمدی پریس ، سنہ ۱۲۷۹ھ) میں شامل نہیں - اس کا اکثر حصہ مشتبہ یا کچھ حصہ خود مولانا آزاد کا طبع زاد ہے جس کو استاد ذوق سے کوئی واسطہ نہیں - آپ مہربانی فرما کر مجھ کو وقت کا پابند نہ کیجیے - میری موجودہ صحت کی حالت اس قابل نہیں جس سے ضبط و پابندی کی توقع کی جا سکے - بہر حال مضمون جب طیار ہوگا - خدمت گرامی میں ارسال کروں گا - النکتی کے سلسلہ میں آپ کی تصحیح کا بہت بہت شکریہ - میں بدقسمتی سے اس کو تخلص خیال کرتا رہا - جائے استاد خالیست -

شمس العلما عبدالغنی کی تالیف ''مغلوں کے دربار میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ'' میری نظر سے نہیں گذری - مرحوم قاضی فضل الحق نے اس کا ذکر ضرور کیا تھا - اب آپ کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نور علیٰ نور ہو گی - محترم پروفیسر کی تالیفات نقل محض سہی لیکن دنیا سے خراج تحسین وصول کرنے کا ڈھب ان کو یاد ہے - ہمارے آپ کے باوجود وہ شمس العلما بنا دیئے گئے ہیں - شعر فہمی عالم بالا معلوم - قدر دانی تو ہوئی والتسلیم

محمود شیرانی

(۳)

Room No. 6, Cubical Ward N. W.
Lady Willingdon Hospital,
Jaipur (Raj.)

۲۷- جنوری سنہ ۴۴ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

یہ آپ کے ۲۳- دسمبر کے تلطف نامہ کا جواب ہے - اس اثنا میں مجھ پر جو مصیبت گذری خدا دشمن کو نہ دکھائے - آخر حالت یہ ہوئی کہ روزانہ ضیق النفس کے دورے ہونے لگے اور زندگی دشوار ہو گئی - ۲۱ ماہ حال کو یہاں آیا اور بائیس کو ہسپتال میں داخل ہو گیا - یہاں پہنچنے کے بعد ۲۱ - ۲۲ اور ۲۴ کو فقط دورے ہوئے - جو بیس سے آج ستائیس تک کوئی دورہ نہیں ہوا - ویسے عام حالت اچھی ہے-

آگے خدا مالک ہے - آج اتنی سدھ تو ہوئی کہ خط لکھنے کی ہمت کر سکوں اور یہ پہلی ہمت ہے -

میرے دمہ کو یہاں کے ڈاکٹروں نے Bronchial asthma تجویز کیا ہے - طاقت کے لیے گلوکوس دے رہے ہیں - مرض کی دوا پہلے دو روز میں ہضم نہ کر سکا اور قے کر دی - اب اگرچہ دیر تک مبتلا رہتی ہے لیکن ہضم ہو جاتی ہے - کل N.A.B. 15 gram کا ہاتھ اور ران پر انجکشن کیا ہے - اس سے دو روز قبل ایکس رے کیا گیا - آج کارڈو گرافی ہوا - یہاں آج کل ایک جرمن یہودی ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں - لوگ ہیلک صاحب کہتے ہیں - وہ بھی ہماری وارڈ کے ڈاکٹر راج نرائن کے ساتھ منضم کر دیئے گئے ہیں - اس طرح ہیلک صاحب میرے علاج میں شریک غالب ہیں اور باتیں جو میں ان سے پوچھتا ہوں بتاتے نہیں - کہتے ہیں کہ تمھیں اس سے کیا - میرے لیے یہی تسلی ہے کہ آئے دن کے دوروں سے چھوٹا - آگے خدا مالک ہے -

آپ کے دوست نے جو دوا تجویز کی ہے کیا وہ میرے دمہ کے واسطے مفید ہے ؟

گذشتن اور گذاشتن کے واسطے اس قدر عرض ہے کہ اہل ہند غزنہ اور ماوراالنہر کی تقلید میں 'دال' کے ساتھ گد شتن و گداشتن لکھتے اور پڑھتے تھے - اسی طرح اور الفاظ ہیں جو 'دال' کے ساتھ لکھے جاتے تھے - مثلاً نفاذ ، تعویذ وغیرہ - لیجیے آداب عرض ہے - میرا نام اور پتہ انگریزی میں لکھئے گا - والتسلیم

ایچ - ایم شیرانی
H. M. Shairani

(۴)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۲۳- فروری سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

یہ آپ کے تلطف نامہ مورخہ ۳- جنوری کا جواب ہے - میں جے پور سے آٹھ دس یوم ہوئے ٹونک آ گیا ہوں - وہاں طبیعت اچھی رہی - انھوں نے پہلے N.A.B. 15 gr. کا انجکشن کیا - اس کے ایک ہفتہ بعد N.A.B. 30 gr. کا انجکشن دیا جس سے چار روز متواتر بخار آیا - پھر میں ٹونک آ گیا - یہاں آ کر دو تین روز طبیعت درست رہی - اس کے بعد پھر دورہ ہو گیا - یہ دورہ نہایت سخت تھا - تین گھنٹے اور دو انجکشن کے بعد کہیں ختم ہوا - تاہم جسم تین چار دن تک کانپتا رہا -

دل پر بہت برا اثر ہوا ۔ تب سے دل پر دورے الگ ہونے لگے ہیں ۔ تین دن تک دل کافی دیر تک ڈوبتا رہا ۔ اب تخفیف ہے ممکن ہے کہ موسم کی تبدیلی کے بعد طبیعت صاف ہو جائے ۔ ایک بات بالکل صاف ہے کہ ان خاص انجکشنوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ مجھے دورے بھی پڑتے ہیں ۔ ایک امید ہے کہ سردی کے موسم میں ایسے مقام پر ہوں جہاں کہ سردی نہ پڑتی ہو جیسے بمبئی ہونا وغیرہ تو شاید میں ان دوروں سے محفوظ رہوں آگے خدا کی مرضی ۔ ہاں وہ کھیر والا نسخہ بھی استعمال کروں گا ۔ کھیر کھانا تو میرا حق ہے کیونکہ میں حافظ ہوں مگر شرط یہ ہے کہ ٹیڑھی کھیر نہ ہو بلکہ اگر ضرورت ہو تو میں آپ کے دوست کی خدمت میں مع کھیر حاضر ہونے کو طیار ہوں ۔ سنتا ہوں کہ مہاراجہ ریوا [ن] بھی دمہ کے مریضوں کو ایک خاص تاریخ میں جمع کرکے کسی دوا کے ساتھ کھیر کھلایا کرتے ہیں بلکہ لاہور میں بھی مجھ کو وہاں جانے کے واسطے کسی نے مشورہ دیا تھا ۔

اسدی کی فرہنگ کے کسی مخطوطہ کا ذکر نہ تو میں نے اپنے کسی مضمون میں کیا ہے ، نہ ہی میں کسی عمدہ مخطوطہ سے واقف ہوں ۔ البتہ بعض کتب خانوں کی فہرست میں شاید اس کا بیان دیکھا ہے ۔ اب وہ بھی یاد نہیں کہ کونسی فہرست میں دیکھا تھا ۔ میں آپ کے ساتھ اس کے نئے مرتبے کے واسطے متفق ہوں ۔ یہاں کے کتب خانوں میں اگر کوئی نسخہ ہوا تو میں آپ کی خدمت میں اطلاع بھیج دوں گا ۔

ایک قابل گذارش ضروری امر یہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی کی لائبریری میں ، ممکن ہے غدر سے قبل کی اردو کی ایسی بیاضیں موجود ہوں جن میں استاد ذوق کا کلام درج ہو ۔ اگر ایسا ہے تو میں ذوق کے ایسے کلام سے واقف ہونا چاہتا ہوں ۔ خصوصاً اس حصہ کلام سے جو ان کے دیوان میں درج نہیں ۔ میرا خیال ہے کہ مولانا آزاد نے ذوق کا کلام جمع کرنے میں زیادہ محنت سے کام نہیں لیا ہے اور ابھی ایسے ذرائع موجود ہیں جن میں ان کا غیر مطبوعہ کلام دستیاب ہو سکے گا ۔ مثلاً اس عہد کے اخبارات ، تذکرے اور بیاضیں وغیرہ ۔ اس کے لیے آپ اپنے کسی شاگرد کو لگا دیں تو بہت اچھا ہوگا ۔ مولانا طفیل احمد صاحب کے کتب خانہ سے کچھ کچھ امداد ضرور ملے گی ۔

لیجیے آداب عرض ۔ میں بالکل تھک گیا ہوں ۔ لکھنے سے انگلیاں دکھنے لگتی ہیں اور آنکھیں پتھرانے لگتی ہیں ۔ والتسلیم

آپ کا نیاز مند
محمود شیرانی

(۵)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۱۲- مارچ سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں - اب بفضلہ تعالی میری طبیعت بالکل درست ہے - یہ موسم کی تبدیلی کا اثر ہے - پچیس چھبیس روز سے کوئی دورہ نہیں پڑا - البتہ ہاتھ تحریر کے وقت کانپنے لگتا ہے - میں نے کام تو شروع کر دیا ہے لیکن صبح اور شام دو دو گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتا -

ذوق کے سلسلہ میں عرض ہے کہ میں نے قبل از سنہ ۵۷ء کی تالیفات و مطبوعات کے سلسلہ میں مجموعۂ نغز قدرت اللہ خان قاسم تالیف سنہ ۱۳۲۱ھ، گلشن بے خار، طبع دوم ۱۲۵۹ھ، طبع اردو اخبار دہلی، آثار الصنادید سید احمد خان بہادر طبع ۱۸۴۷ء، طبقات الشعرا از کریم الدین ۱۸۴۷ء وغیرہ کو دیکھ لیا ہے - ان میں بعض ایسا کلام ذوق کا ملا ہے جو آزاد کے دیوان ذوق میں شامل نہیں - اسی طرح حدائق البلاغت کے اردو ترجمہ میں صہبائی نے ذوق کا ایک قطعہ ایسا دیا ہے جو موجودہ دیوان میں درج نہیں - میرا خیال ہے کہ اس بارہ میں بیاضیں زیادہ مفید ثابت ہوں گی -

ایک تکلیف اور دینا چاہتا ہوں یعنے لفظ ''پنڈارہ'' کی تحقیق کی ضرورت ہے - یہاں میں ہر قسم کی کتابوں سے دور ہوں - انگریزی تاریخیں یہاں نہیں ملتیں - وہاں شاید یونیورسٹی لائبریری میں امیر نامہ انگریزی مل جائے - اس کا مترجم غالباً پرنسیپ؟ ہے اور غالباً اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ میں شائع ہوا ہے - بساون لال اس کا مصنف ہے - اس ترجمہ میں شاید پرنسیپ نے دیباچہ میں 'پنڈارہ' کی اصل پر کچھ روشنی ڈالی ہو - اس کے علاوہ ہابسن جانسن ملاحظہ فرما لیجیے - باقی انگریزی تاریخوں میں پنڈاروں کا ذکر کافی آتا ہے - مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک پنڈاروں میں شمار ہوتے ہیں؟ اگر مرہٹوں کے تابعین پنڈارے کہلاتے ہیں تو پھر وہ تمام فرنگی جو ان کے ملازم تھے پنڈاروں میں کیوں نہیں شمار کیے جاتے، جن میں فرانسیسی اور انگریز بھی شامل ہیں - مجھے یہاں کے بعض مصنفین سے معلوم ہوا ہے کہ کمپنی نے جو عہد نامہ امیر خاں کے ساتھ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یا شق میں درج ہے کہ نواب امیر خاں آئندہ پنڈاروں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں - لیجیے آداب عرض -

والتسلیم

محمود شیرانی

(۶)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۳۱- مارچ سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

ہوبسن جوبسن کے شذرہ کے واسطے میری دلی ممنونیت قبول فرمائیے - مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کام خود آپ کو کرنا پڑے گا - میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ کسی شاگرد سے فرماویں گے - آپ کا وقت نہایت قیمتی ہے ، ان کاموں میں ضائع نہیں ہونا چاہیے -

یہ شذرہ اگرچہ نواب امیر خاں کے متعلق خاموش ہے مگر ایسٹرن راجپوتانہ گزیٹیر اور امپیریل گزیٹیر میں بڑے شد و مد کے ساتھ ان کو پنڈارہ بلکہ سخت قسم کا پنڈارہ بیان کیا ہے - میں نے پرنسیپ کا امیر نامہ انگلستان میں پڑھا تھا پر یہ یاد نہیں رہا کہ انہیں اس میں پنڈاری کہا ہے یا کیا ؟ پرنسیپ تو تقریباً امیر خاں کا ہمعصر ہے - عہد نامہ کی روایت تو قطعاً درست ہے - وہ کئی تاریخوں میں ملتا ہے - اس میں صاف لکھا ہے کہ امیر خاں پنڈاروں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں - ہابسن جابسن کے مطابق تو امیر خاں پنڈارہ نہیں کہے جا سکتے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اہل ہند انہیں پنڈارہ کہتے ہیں اور اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے - یہی نہیں بلکہ والیان ٹونک کی خاندانی روایت بھی اس عقیدہ کو مضبوط کرتی ہے - میں جب سنہ ۱۹۱۳ء میں لندن سے واپس ٹونک آیا تو کسی بنا پر مجھے محمد ابراہیم علی خاں مرحوم کی ، جو اس وقت والی ٹونک تھے ، دعوت کرنی پڑی - دعوت کے موقع پر نواب موصوف کے مصاحبین خاص میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم سرکار (H. M.) سے یہ بات ضرور کہنا کہ انگریز لوگ حضور سے بہت ڈرتے ہیں اور ڈاکو صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں - سرکار اس ذکر سے بہت خوش ہوں گے - میں تو خاموش رہا لیکن جس وقت سرکار کھانا کھا رہے تھے ، ان کے مصاحب نے میری طرف اشارہ کر کے عرض کی کہ حضور ! یہ کہتے ہیں کہ انگریز لوگ حضور سے بہت ڈرتے ہیں اور آپ کو ''ڈاکو صاحب'' کہتے ہیں - یہ فقرہ سن کر نواب بہت خوش ہوئے اور مجھے پوچھنے لگے کیوں جی ! ہمیں ڈاکو صاحب کہتے ہیں - میں اس زٹل کا کیا جواب دیتا - مسکرا کر خاموش ہو گیا—یہاں کئی امیر نامے ملتے ہیں - آپ کے ہاں جو امیر نامہ ہوگا ، بساون لال شاداں کا ہوگا جو امیر خاں کا مورخ خاص ہے - اس میں امیر خاں کے پنڈارہ کہلائے جانے کی بابتہ کوئی روایت نہیں -

یہاں آج کل موسم نہایت غیر معمولی ہے - برسات اور سردی مل کر آ گئے ہیں -

بارش ایک ہفتہ سے تقریباً روزانہ ہو رہی ہے - آندھیاں بھی آ رہی ہیں - دو مرتبہ اولے پڑ چکے ہیں - رات کو سردی بے حد ہو جاتی ہے - اس ہفتے میں تین رات متواتر رات کے دو بجے میرا سانس اٹھتا رہا - رات کو بھی بری حالت تھی مگر غنیمت ہے کہ دورہ تک نوبت نہ آئی - ان راتوں کو میں نہ بیٹھ سکتا تھا اور نہ سو سکتا تھا بلکہ سانس ابھی تک درست نہیں ہوا -

میں آپ کی خدمت میں مولانا آزاد کے وہ اصل مسودے ، جن کی تعداد نو عدد ہے ، ذریعہ' ہذا ارسال کر رہا ہوں - یہ تقریباً چودہ غزلوں کے مسودے ہیں ، جو سوائے ایک کے جو ردیف نون سے تعلق رکھتی ہے ، سب کی سب ردیف 'یا' میں شامل ہیں اور دیوان ذوق مرتبہ مولانا آزاد میں ص ۲۲۶ سے ص ۲۳۵ تک ملتی ہیں - انکی فہرست حسب ذیل ہے :

صفحہ ۲۲۶ : خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے
صفحہ ۲۲۶ : مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے
صفحہ ۲۲۷ : چشم قاتل ہمیں کیونکر نہ بھلا یاد رہے
صفحہ ۲۲۸ : تدبیر نہ کر فائدہ تدبیر میں کیا ہے
صفحہ ۲۲۹ : پریرو کیا ستمگر پیش تر ایسے نہوتے تھے
صفحہ ۲۲۹ : نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے
صفحہ ۲۳۰ : برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی
صفحہ ۲۳۱ : حد رقم سے وصف جبین ہے صنم ، پرے
صفحہ ۲۳۲ : ذکر مژگاں تیرا جس کے رو برو نکلا کرے
صفحہ ۲۳۲ : خم ابرو ترا جب یار نظر آتا ہے
صفحہ ۳۳۴ : دکھلا نہ خال ناف تو اے گلبدن مجھے
صفحہ ۳۳۵ : مار کر تیر جووہ دلبر جانی مانگے
صفحہ ۳۳۵ : ندیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے
اور صفحہ ۱۳۷ پر ردیف نون کی غزل : ع
ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارت گر کے جھگڑے ہیں

ان غزلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہی پختگی اور صفائی ، جو ذوق کے کلام کی خصوصیت ہے ، موجود نہیں - نہ ان میں سے کوئی غزل حافظ ویران کے دیوان ذوق طبع ۱۲۷۹ھ میں ملتی ہے - نہ ان مآخذ اور تذکروں میں ان کا کوئی شعر ملتا جن میں ذوق کا کلام درج ہے—ردیف نون کی غزل مذکورہ بالا پر آزاد نے لمبا چوڑا حاشیہ بھی لکھا ہے جس کا مقصد ہے کہ یہ غزل بادشاہ کو

بے حد پسند تھی - بہت زور لگایا کہ چھین لیں مگر استاد نے نہیں چھوڑی نہیں چھوڑی۔ اس کا مقطع بھی بے چارے ظفر کو ، جن کے چاروں دیوان آزاد نے استاد کے حوالے کر دیئے ہیں ، رسوا کر رہا ہے - وہ مقطع ہے :

ذوق مرتب کیونکہ ہو دیوان شکوۂ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے میں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

لیکن یہی مقطع جس طرح بار بار کاٹ چھانٹ کر بنایا گیا ہے ، کچھ اور ہی قصہ کہہ رہا ہے جیسا کہ آپ اس غزل کے مسودہ میں دیکھیں گے -

حافظ ویران کے دیوان میں ایک غزل کا صرف مطلع اور مقطع دیا ہے - آزاد کے دیوان میں مطلع اور مقطع کے درمیان سات اور شعر ملتے ہیں جن میں سے ایک شعر کو ، جو صفحہ ۲۱۱ کی ابتدا میں آتا ہے ، آزاد نے درست کیا ہے و ہوا ہذا :

تیغ قاتل سے رہے جو قتل کے دن بے نصیب
عید کے دن کو نہ کیوں عاشورہ کا وہ دن کرے

آپ انہی مسودوں میں یہ شعر دیکھ سکیں گے - ان غزلوں کی جو آزاد نے ذوق کو ہدیہ کی ہیں ، خاصی تعداد ہے ان کے متعلق خود آزاد کو اقرار ہے کہ عالم شباب کا کلام ، نظر ثانی نہیں ہوئی - یہ یا اور ایسے ریمارک والی غزلیں میرے نزدیک مشتبہ ضرور ہیں والعلم عنداللہ -

یہ یاد رہے کہ یہ مسودے مولانا آزاد کے قلم میں ہیں اور میرے پاس ان کے نبیرہ آغا باقر سلمانی ایم - اے کے ذیعہ سے آئے ہیں - باقر میرے شاگرد ہوتے ہیں - پچھلی دفعہ سنہ ۶۲ء میں جب میں لاہور گیا ، ایک روز چاء کے بہانے سے وہ مجھے اپنے ہاں لے گئے اور مولانا آزاد کے وقت کی پرانی ردی ، جس کے تین چار ڈھیر لگے ہوئے تھے ، مجھے دکھائی - پانی دھوپں اور گرد سے یہ کاغذات بالکل سیاہ ہو رہے تھے - میری ہمت نہ ہوئی کہ اس ردی کے ورق ورق کا جائزہ لوں لیکن ان کے اصرار پر کہ جو کاغذ چاہوں لے سکتا ہوں ، اور میں انہی دنوں آب حیات پر تنقید کی دو تین قسطیں لکھ چکا تھا ، اس لیے آب حیات کی وجہ سے مجھے ان کاغذات میں دلچسپی پیدا ہوئی کہ شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو - لہذا تلاش شروع کر دی اور مجھے چند ایسے خط بھی ملے جو آب حیات کے متعلق تھے - میں نے انہیں چھانٹ کر الگ رکھنا شروع کیا - اتنے میں آغا صاحب کی نیت میں فتور آ گیا چنانچہ انہوں نے ان خطوط کو پڑھ کر واپس لے لیا - بولے کہ تنقید آب حیات میں آپ نے کونسی کسر اٹھا رکھی ہے ، اگر یہ خطوط بھی آپ کے پاس پہنچ گئے تو خدا جانے کیا قہر ڈھائیں گے - میں نے کہا بھائی نہ دو ، رکھ لو میرا مقصد تو علمی خدمت ہے

اور بس - اب میں جو کاغذ نکالتا ، وہ نہایت غور سے دیکھتے- اکثر کو واپس لے لیتے اور بعض کو ردی سمجھ کر مجھے دے دیتے- چنانچہ اکثر ردی ہی میرے ہاتھ لگی - مثلاً بعض مطابع کی یک ورق فہرستیں ، ترکستان خیوا تاشقند وغیرہ کے کاغذات - ایسے کاغذات میرے پاس پہلے بھی بہت سے تھے جو منشی من پھول میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے گھر سے آئے تھے - اس لیے اس قسم کے کاغذوں میں بھی مجھے دلچسپی ہوئی - فہرستوں میں ایک دلچسپی کا امر یہ ہے کہ بلاک مین آنجہانی کے کتب خانہ کی فہرست ہے جو قلمی اور مطبوعہ کتابوں پر شامل ہے - کتابوں کی تعداد پانسو سات سو کے قریب ہوگی - بلاک مین کی جائیداد کا ایڈمنسٹریٹر انہیں فروخت کرنا چاہتا تھا ، مولانا آزاد خریدنا چاہتے تھے لیکن روپوں کی جگہ پیسے دام لگائے اس لیے سودا نہ پٹا - بہر حال بلاخمین کے کتب خانہ کی فہرست قابل قدر ہے - معلوم نہیں وہ مکمل بھی ہے یا نہیں لیکن مولانا کے اپنے قلم کی بنی ہوئی ہے اور قیمتیں بھی اس پر چڑھیں ہوئی ہیں - یہ امر شاید عام طور پر معلوم نہیں کہ آزاد کتابوں کی خصوصاً قلمی کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے -

آمدم برسر قصہ اس وقت نہ آغا باقر نے اور نہ میں نے ان کاغذات کی اہمیت کو سمجھا شروع میں یہی خیال رہا کہ استاد ذوق کے مسودے ہیں ، لیکن سیاہی اور کاغذ نے اس خیال کی مخالف کی - ایک دن میں نے آزاد کے مرتبہ اڈیشن دیوان ذوق کے ساتھ ان غزلوں کا مقابلہ کیا اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ ذوق کی غزلیں اور ان کا مسودہ مولانا آزاد سنہ ۱۸۸۷ء میں طیار کر رہے ہیں -

ع : بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

اب اس قیاس پر پہنچا کہ آزاد نے ، جو خود بھی شاعر تھے ، استاد کے دیوان کی ناقص حالت دیکھ کر اپنی غزلیں استاد کے حوالے کر دیں - استاد نوازی اور استاد پرستی کی اس سے بہتر کیا مثال ہو سکتی ہے - چونکہ یہ غزلیں ذوق کی شاعری کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں اس لیے بطور دفع دخل مقدر کہہ دیا کہ بچپن کا کلام ہے ، نظر ثانی سے محروم ہے وغیرہ وغیرہ -

ان غزلوں کے عنوان میں بجائے 'بسم اللہ' آپ 'اللہ وعلی' لکھا ہوا دیکھیں گے - یہ اس بنا پر ہے کہ وہ شیعہ عقائد کے جوشیلے پیرو ہیں - ان کے والد مولانا محمد باقر شیعہ اور سنیوں میں رواداری کی بنا پر شیعہ حلقوں میں نہایت مطعون تھے - یہاں تک کہ شعیوں نے ان کو اپنے مذہب اور برادری سے خارج کر دیا تھا بلکہ غدر کے زمانہ میں انگریزوں کے ہاتھوں سے ان کا قتل بھی بقصاص پرنسپل دہلی کالج اسی منافرت کا ایک شاخسانہ ہے - مولانا آزاد اس بارہ میں اپنے والد کے بالکل برخلاف

ہیں ۔ باوجودیکہ ادبیات میں ان کا درجہ بہت بلند ہے ، وہ اپنا مذہب کبھی نہیں بھولتے ۔ اسی اثر میں انہوں نے اپنی مشہور تالیف آب حیات میں کسی سنی کو فروغ پانے نہ دیا ۔ بہترین نشستیں شیعوں کو دی ہیں ۔ اگر مجبوراً کسی سنی کا مذکور لانا پڑا ہے تو اس سے مقصد اس کی تضحیک و توہین ہے مثلاً مرزا جانجاں مظہر ، شاہ مبارک آبرو اور مصحفی کے نام سرداستان لیے جا سکتے ہیں ۔ پہلے اڈیشن میں مومن خاں کو جگہ نہ دی ، اور جب سب طرف سے مولانا پر لے دے ہوئی تو عذر گناہ بدتراز گناہ کہا کہ آدمی کسی مجلس میں بیٹھا ہوا اسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہے جب وہ اس مجلس کا اہل ہو ۔ گویا آزاد کے نزدیک مومن خاں آب حیات کے مشاہیر کی صف میں جگہ پانے کے قابل نہ تھے ۔ لیکن یہی آزاد میر حسن کے والد میر ضاحک کو اپنی تصنیف میں قابل عزت جگہ دیتے ہیں حالانکہ ضاحک کے متعلق ان کو کوئی معلومات نہیں ۔ نہ ان کے کلام سے واقف ہیں لیکن سادات پرستی کے جوش میں مومن خاں سے اعراض کرتے ہیں اور ضاحک کو اچھالتے ہیں ۔ میاں ابراہیم ذوق کا ، جو بظاہر سنی معلوم ہوتے ہیں ، ہمارے مولانا مذہب چھپا گئے اور کہہ دیا کہ ان کے مذہب کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوا ۔

میں یہ کاغذات شاید قبل از وقت بھیج رہا ہوں ۔ اس سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ آپ ان میں سے جس جس کا عکس لینا چاہیں ، لے لیں ۔ دوسرا یہ ہے ، اور اس کے ساتھ میری درخواست بھی شامل ہے کہ آپ ان کاغذات کو ملاحظہ فرما کر اور آزاد کے دیوان ذوق کے ساتھ مقابلہ کرکے بذات خود کوئی رائے قائم کریں ۔ ممکن ہے کہ میری رائے غلط ہو ۔ اب مجھ کو افسوس آتا ہے کہ میں نے اور ایسے کاغذات کیوں نہ اکٹھے کر لیے ۔

آپ مہربانی فرما کر جب ان کے مطالعہ سے فارغ ہو جائیں ان کو واپس کر دیجیے تاکہ ان کی بنیاد پر میں اپنا مضمون طیار کر لوں ۔ طوالت کی معافی مانگ کر رخصت ہوتا ہوں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۷)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۱۵ ۔ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

مرحمت نامہ شرف صدور لا کر موجب سرفرازی ہوا ۔ آزاد کے مسودوں کے متعلق عرض ہے کہ جہاں تک مجھے علم ہے یہ کاغذات خود مولانا کے اپنے قلم

میں ہیں ۔ ان کے طرف دار ، جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ، کچھ اسی قسم کے عذر تراشیں گے مگر ایسا روکھا پھیکا کلام ذوق کی طرف کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے ۔ اس میں مولوی مدن والی بات کہاں ، خالی ڈاڑھی بڑھا لینے سے کیا ہوتا ہے ۔ ذوق جس چیز کے لیے مشہور ہے وہ یہاں بالکل مفقود ہے ۔ حضرت نے کمال یہ کیا ہے کہ بطور دخل[1] مقدر ایسی غزلوں کو بچپن کا کلام بیان کیا ہے ۔ گویا جب فتح مند لشکر کے سپاہی ان کے بھرے گھر میں گھسے ہیں ، اس وقت آزاد نے استاد کی غزلوں کا وہی جنگ اٹھایا جس میں ان کے بچنے کا کلام تھا ۔ لیکن یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ ایسا بے ذوق اور غیر دلچسپ کلام خود حضرت مولانا کی ملک معلوم ہوتا ہے ۔ آخر وہ خود بھی شاعر تھے آزاد تخلص کرتے تھے اور ذوق کے شاگرد رشید تھے ۔ بلکہ ان کا جس قدر کلام معلوم ہے اور جو نیچرل شاعری کی بنا پر پنجاب میں دیر تک داخل نصاب رہا ہے وہ بھی اسی قدر بے مزہ ، خشک اور غیر شگفتہ ہے جس قدر یہ غزلیں ہیں ۔ بہر حال آزاد کا یہ تبرک ، دیوان ذوق کی ردیف 'الف' و 'نون' و 'یا' میں تو قطعاً موجود ہے ۔

مولانا آزاد کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنی تحریر کی نظم ایک طرف نثر میں بھی پوری پوری قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کیا کرتے تھے ۔ میں نے جو نمونے دیکھے ہیں ان میں ایک ایک فقرہ پر پانچ پانچ مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عمل جراحی کیا گیا ہے ۔ یہی کیفیت ان غزلوں کے مسودوں کی ہے ۔ ایک ایک مصرع کو کئی کئی بار بنایا ہے پھر بھی اطمینان نہ ہوا تو پریس کی کاپی میں درست کیا ہے ۔

عکس کے واسطے گذارش ہے کہ ردیف نون کی غزل تو بے حد ضروری ہے ۔ اس پر ہمارے مولانا نے کسی قدر حاشیہ آرائی بھی کی ہے جو مزیدار ہے ۔ ''اس غزل کے واسطے بادشاہ میں اور استاد میں خوب خوب رسہ کشی ہوئی مگر استاد نے بھی نہیں چھوڑی نہیں چھوڑی ۔ حکیم احسن اللہ خاں طبیب شاہی تھے ۔ دیوان ظفر مرتب کرکے چھپواتے تھے ۔ مطبع سلطانی انہی کے اہتمام میں تھا ۔ وغیرہ وغیرہ میرے پاس دیوان دوم ظفر مطبع سلطانی (سنہ ۱۲۶۶ھ مطابق سنہ ۱۳ جلوس معلے ۔ سنہ ۱۸۵۰ء) کا چھپا موجود ہے ۔ خاتمہ میں دیوان کا کاتب نثار علی نثار لکھتا ہے:

''ہر چند جناب عضدالدولہ بہادر حکیم غلام نجف خان در تصحیح این دیوان کمر ہمت برمیان بستند و شہباز نظر را برصید الفاظ بر گماشتند . . . الخ'' جس سے تو

۱۔ غالباً بطور دفع دخل مقدر لکھنا مقصود ہوگا ۔ سہواً ''دفع'' کا لفظ لکھنے سے رہ گیا (ع ص)
(یہ عبارت خط کے حاشیے پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم نے پنسل سے تحریر فرمائی ہے (مرتب)

معلوم ہوتا ہے کہ دیوان ظفر حکیم غلام نجف خاں کے زیر اہتمام چھپ رہا تھا - بہر حال مولانا کے حاشیے پر حاشیہ کا موقعہ نکل آئے گا - آپ کے پاس مطبع سلطانی کی مطبوعہ کتابیں شاید لائبریری میں نکل آئیں جن سے مہتمم مطبع سلطانی کا نام معلوم ہو سکے -

دوسری غزل دیوان ذوق مرتبہ' آزاد (طبع سنہ ۱۹۲۲ء) میں صفحہ ۲۲۹ پر ملتی ہے - اس کا مطلع ہے :

نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے
نکالے پر ہے مثل ماہی تصویر پہلو سے

آزاد کے مسودوں میں یہ غزل نرنجن داس ، اسکاچ مشن سکول سیالکوٹ ، کے مضمون تعلیم کے تیسرے ورق کی سادہ پشت پر تحریر ہے - اس غزل کا نمبر مولانا نے ششم دیا ہے ، مطلع پر ۱ کا ہندسہ ہے ، جو یوں ہے :

نہ کھینچو عاشق حیرت زدہ کے تیر پہلو سے
نکالے پر ہیں مثل ماہی تصویر پہلو سے

دیوان میں مقطع پر 'پہلو' کے متعلق میں حاشیہ بھی دیا ہے - اتفاق سے اس مسودہ کا مسودہ بھی کاغذ کی پشت پر موجود ہے -

ایک اور غزل دیوان مذکور میں صفحہ ۲۳۴ پر آتی ہے - مطلع ہے :

دکھلا نہ خال ناف تو اے گلبدن مجھے ہر لالہ یاں ہے نافۂ مشک ختن مجھے

آزاد کے مسودہ میں اس کا نمبر غزل دہم ہے - برابر میں دائیں جانب 'اللہ و علی' تحریر ہے - یہ غزل کسی طالب علم نمبر ۱۲۹ کے مضمون کے ایک ورق کی پشت پر لکھی گئی ہے اور ورق کی جانب مسودہ کا جزئی مسودہ موجود ہے -

ایک اور غزل دیوان میں صفحہ ۲۳۵ پر ہے جس کا مطلع ذیل میں تحریر ہوتا ہے :

مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے
کہہ دو ہم سے نہ کوئی دے کے نشانی مانگے

مسودۃ میں 'اللہ علی' کے بعد اس کا نمبر یازدہم ہے - دیوان میں اس کے بعد کی غزل ہے :

نہ دیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے دکھائی کیا مرے داغ کہن نہیں دیتے
(صفحہ ۲۳۵)

اس پر ایک حاشیہ ہے جو مسودہ میں بھی ورق کے گوشہ میں آپ کو نظر آ

جائےگا اور دیوان میں صفحہ ۲۳۶ 'یارو' پر ملتا ہے کہ : ''یہ غزل بھی شاہ نصیر مرحوم کے عہد کی ہے - استاد مرحوم کی آخری عمر میں 'جان من' اور 'یارو -' غزلیت کے دائرہ سے نکل گئے تھے'' -

میں نے تعمیل ارشاد میں یہ بعض غزلیں برائے انتخاب عرض کر دی ہیں لیکن ان میں جو نامناسب معلوم ہوں آپ ترک کر دیجیے اور ان کی جگہ مسودوں سے اور انتخاب کر لیجیے - اسی طرح احتیاطاً میں نے پانچ غزلیں بتائی ہیں لیکن آپ جتنی مناسب سمجھیں پسند کر لیں - مسودے یہاں بھیجنے کی ابھی ضرورت نہیں - والتسلیم

محمود شیرانی

(۸)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۴- جولائی سنہ ۱۹۴۴ء

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامہ مع مسودہ جات غزلیات مولانا آزاد و چہار عکس موصول ہوا - سرفراز کیا - بلاک کسی ایسے شخص نے طیار کیے ہیں جو اردو خط سے ناواقف معلوم ہوتا ہے - اس لیے بعض غلطیاں نظر آتی ہیں - معلوم نہیں یہ پروف ہیں یا فائنل پروف ہیں - اس وقت حالت یہ ہے کہ کہیں نقطے چھوٹ گئے کہیں زیادہ لگ گئے- اسی طرح بعض حروف بھی چھوٹ گئے یا اڑ گئے ہیں - اس کے علاوہ ایک بات یہ ہوئی ہے کہ انتخاب کے وقت پورے پورے شعروں یا ان کی متفرق اصلاح و ترمیم کا لحاظ نہیں کیا گیا - مثلاً غزل نمبر چہارم میں نویں شعر کا پہلا مصرع بلاک سے رہ گیا اور مصرع دوم ع :

مگر ہوتے ہیں جو اب شور و شر ایسے نہ ہوتے

کے اختلافات جو اس صفحہ اور صفحہ کی پشت پر نظر آتے ہیں بلاک میں داخل نہ ہو سکے - البتہ مقطع میں جملہ اختلافات بلاک میں آ گیا ہے - بلاک کی پروف خوانی مشکل ہے - پہلے تو میرا ارادہ ہوا کہ حروف و الفاظ معترضہ پر خط کھینچ دوں تا کہ بلاک والے اصل اور نقل کے فرق کو شناخت کر لیں - پھر میں نے، جیسے کتابوں کے پروف پڑھے جاتے ہیں، اصل غلطی کو نوٹ تو کر دیا لیکن اصل شکل لانا بہت مشکل تھا - مجھے اندیشہ ہے کہ انہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے - مجھے معلوم نہیں کہ اب وہ ان پروفوں کی درستی کے لیے طیار بھی ہوں گے یا نہیں - اگر طیار نہیں تو انہی پر قناعت کرنی پڑے گی - آپ کے تلطف نامہ سے تو میں سمجھتا ہوں کہ سب بلاک چھپ چکے ہیں - خیر ابھی تو ایک مرتبہ ترمیم کی امید میں

چاروں بلاک اور ان کے اصل خدمت میں بھیج رہا ہوں ۔ اگر ان کی درستی ہو سکے تو فہوالمراد ۔ اگر نہ ہو سکے تو واپس مجھے بھیج دیجیے تاکہ ان چاروں غزلوں کی اصلاح و ترمیم نوٹ کر دوں ، اگر آپ کو عجلت ہو ۔ ورنہ اس عرصے میں میں نے مضمون کے احاطے کو زیادہ وسیع کر دیا ہے ۔ سب سے پہلے دیوان ذوق میں آزاد کے بعض بیانات کی تنقید کی ہے جو ذوق کے حالات و دیگر حواشی کتاب پر ہے ۔ اس کے بعد مولانا آزاد کی اصلاحات کے عنوان سے ایک علیحدہ مضمون دیا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مولانا کو اصلاح دینے کا بڑا لپکا تھا بلکہ اس قدر چسکا تھا کہ خود استاد کے کلام میں اصلاح دینے سے نہ چوکے ۔ ثبوت اگرچہ ایک حد تک ظنی ہے ۔ مگر اس کی تردید آسان نہیں بلکہ میرا دعویٰ کامیاب معلوم ہوتا ہے ۔ جب کہ تیسری قسط میں یہ دکھایا جائے گا کہ بعض غزلیں خود مولانا نے لکھ کر استاد کے نذر کر دی ہیں اور استاد ذوق کہہ سکتے ہیں :

هرچه او می نویسد از بد و نیک   جمله را می کنند بنام فقیر

جو شخص اپنی غزلیں بے دریغ اور تذبذب اپنے استاد کے نام سے شائع کر سکتا ہے ۔ اس کو درستی کی امید سے استاد کے کلام میں اصلاح دینے سے کیوں پس و پیش ہونے لگا ۔ ظفر کے ہاں دو تین غزلیں ذوق کی مخمس شدہ ملتی ہیں ۔ یہی غزلیں حافظ ویران کے ہاں بھی موجود ہیں اور دونوں کا متن بالکل مختلف ہے بحالیکہ آزاد کا بعض غزلوں کے متعلق یہ لکھنا کہ نظر ثانی نہیں ہوئی یا اصلاح کی شعاع سے نورانی نہ ہوئی ، یہ بیان بھی بطور دفع دخل مقدر ہے تاکہ کوئی اعتراض نہ کر سکے ۔ خدا کرے ایسی بیاضیں مل جائیں جن میں ذوق کی غزلیات قبل از سنہ ۵۷ء مل جائیں ، اس وقت میرے نظریۂ اصلاح کا ثبوت مل سکتا ہے ۔

مہربانی فرما کر بواپسی اطلاع دیجیے ۔ اگر آپ کو عجلت ہو تو جیسا کہ عرض کر چکا ہوں میں ان چاروں غزلوں کا اختلاف اور مناسب امور درج کر کے جلد آپ کی خدمت میں (بشرط صحت) بھیج دوں ۔ اگر جلدی نہ ہو تو تینوں مضمون قسط وار علیحدہ علیحدہ بھیجتا رہوں ۔ مضمون لمبا ہو جائے گا اور تمام و کمال ساٹھ ستر صفحات پر آئے گا ۔

ذریعہ ہذا چاروں صفحات بلاک مع تین صفحات اصل نوشتۂ آزاد خدمت میں ارسال ہیں ۔ میری صحت کا کچھ نہ پوچھیے ، کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے ۔ دورے گرمی اور برسات میں بھی پڑتے رہے ہیں ۔ اولے پڑے تو دورہ پڑ گیا ،

آندھی جس میں ٹھنڈی ہوا شامل ہو پھر دورہ کی محرک ہے بلکہ خالی آندھی بھی - جتنے دورے سردیوں میں پڑے ان سے زیادہ گرمی میں پڑ چکے ہیں - تاہم زیادہ گرمی میں ہی طبیعت درست رہتی ہے ع :

اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

یہاں دو تین پانی پڑ چکے ہیں (پچھلے ہفتہ سے) ان سے تو طبیعت میں کوئی تغیر نہ آیا - لیکن ان دنوں گرمی بھی انتہا پر تھی - دیکھنا یہ ہے کہ برسات کی ٹھنڈی فضا میں ٹھنڈی ہوا برداشت کر سکوں گا یا نہیں - مئی میں طبیعت بہت زیادہ خراب رہی - میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا بلکہ آپ کی خدمت میں یہ لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا کہ آپ جانئے اور مضمون جانے ، میں اس سلسلے میں قابل خدمت نہیں رہا - دو ہفتوں کے بعد طبیعت سنبھلی اور میں پھر خاموش ہو گیا - اس طرح ان تین مہینوں میں تین چار حملے ہو چکے ہیں اور ہر حملے میں دو دو تین تین مرتبہ دورے پڑے ہیں -

اس وقت بارش کے آثار معلوم ہوتے ہیں - کہیں قریب ہی بادل گرج رہا ہے اور مینہ پڑ رہا ہے - شاید بارش یہاں بھی آ جائے - والتسلیم

محمود شیرانی

(۹)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۱۸- اگست سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

ایک عرصہ ہوا آپ کا نوازش نامہ مع پروف عکس شرف ورود لایا تھا - مجھے افسوس ہے انگریور نے ان عکسوں کی تصحیح نہیں کی -

میں پہلی قسط، تنقیدی حصہ ذریعۂ ہذا خدمت میں ارسال کر رہا ہوں - جہاں جہاں اس تنقید میں آپ اضافہ و اصلاح کرنا چاہیں شوق سے کیجیے ، مجھ کو منظور ہے - یہاں بیٹھ کر کام کرنا بے حد مشکل ہے - ادنیٰ ادنیٰ کتاب کے واسطے ترسنا اور انتظار کرنا پڑتا ہے - اسی بنا پر مجھے کئی موقعے دانستہ چھوڑ کر آگے بڑھنا پڑا - افسوس ہے کہ پنڈاروں پر میں کوئی نوٹ اضافہ نہ کر سکا اور آپ کی محنت رائیگاں گئی - یہاں ٹونک کے وائس پریزیڈنٹ مسٹر اوجیرن کے پاس ، میں سنتا ہوں Prinsep کا امیر نامہ مطبوعۂ کلکتہ ہے - اگر وہ ہاتھ لگ [گیا] تو پھر کوئی امید ہو سکتی ہے - اگرچہ وہ بھی بساون لال کا ترجمہ بتایا جاتا ہے -

میں ابتدا سے مولانا آزاد کا بے حد معتقد تھا - اب یہ اعتقاد غائب ہوتا جا رہا

ہے - جوں جوں میں نے زیادہ غور سے ان کی تالیفات دیکھیں ان کی طرف سے مایوسی پیدا ہونے لگی - مولانا اپنے فن انشا کے کامل استاد ہیں مگر مجھے شکایت یہ ہے کہ ادبیات میں انھوں نے اپنا مذہبی نقطۂ نظر فراموش نہیں کیا . . .

والسلام -

میری صحت آج کل اچھی ہے اور اس کے اچھے ہونے کا یہ مضمون ثبوت ہے - دوسری قسط جلد خدمت میں بھیج دوں گا لیکن ابھی چند روز مجھے اور کام بھی ہیں - والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۰)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۴- اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

کرم نامہ بعد انتظار بسیار ۲۳ کا نوشتہ ۲۹ کو ٹونک اور ۳۰ کو مجھے پہنچا - انگوٹھے میں اپریشن کا سن کر مجھ کو افسوس ہوا اور عملاً اظہار ہمدردی کے لیے انگوٹھا تو نہیں اپنی چھنگلیا کو زخمی کر لیا - اب پٹی باندھے بیٹھا ہوں -

ٹونک میں آج کل ملیریا زور پر ہے - میرے ہاں سارے بچے پڑے ہیں - اس پر لطف یہ ہے کہ دوا میسر نہیں آتی -

مضمون میں سرخی کی تبدیلی جائے استاد خالی است کی یاد دلاتی ہے - آپ کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، مجھ کو بسر و چشم منظور ہے - یہ سن کر نہایت افسوس ہوا کہ رسالہ کا حجم کلہم تیس صفحے تک محدود کر دیا گیا ہے - ہاں خوب یاد آیا کہ باقی ماندہ قسطوں کی آپ کو ذرا ٹھہر کر ضرورت ہوگی اس لیے بعض جگہ حواشی اور دیگر اضافوں کے واسطے اگر آپ بقیہ مضمون مہربانی فرما کر بغرض نظرثانی صرف دس بارہ یوم کے لیے بھیج دیں گے تو میں بےحد ممنون احسان ہوؤں گا -

دوسری قسط برسر راہ ہے لیکن نوازش نامے کی تشریف آوری کے بعد سے

اس کی رفتار دھیمی ہو گئی ہے ۔ بہرحال آپ کو تو اس کی ضرورت سال آیندہ ہوگی ۔ اس اثنا میں میں اور امور کی طرف توجہ کرتا ہوں ۔

شیعہ مذہب : شاہ عالم ثانی کے عہد سے مغلوں میں یہ دستور دیکھا جاتا ہے کہ شیعوں کی تقلید میں وہ اماموں کی تعریف میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہیں ۔ سلام بہت لکھتے ہیں ۔ حضرت علی اور بیوی فاطمہ مخاطب ہیں ۔ خود شاہ عالم کے دیوان میں بلکہ دیوانوں میں ایسا مواد ملتا ہے ۔ ان کے فرزند شجاع نے بھی ان کی تقلید کی ہے ۔ آخر میں ظفر کے ہاں یہی صدائے بازگشت دیکھی جاتی ہے ۔ اس کی توجیہہ آپ جو چاہیں کریں لیکن یہ امر واقع ہے ۔

مضمون اگر بھیجیں تو بذریعہ رجسٹرڈ پارسل نہ بھیجیں ۔ یہاں دنیا جہان سے نرالی مصیبت یہ ہے کہ ہر رجسٹرڈ پارسل خواہ وصول ہو یا بھیجا جائے ڈاک خانہ میں بھیجنے سے پہلے نیز وصولی کے بعد محکمہ سائرات میں دکھایا جائے گا ۔ اس سے کم از کم ایک یوم کی تاخیر تو ہو ہی جاتی ہے اور درد سر بر سر ۔ یہ حکم صرف رجسٹرڈ پارسلوں کے لیے ہے اور قسم کے پارسلوں کے واسطے نہیں ہے ۔ رجسٹرڈ لفافے، پیکٹ اور بک پوسٹ وغیرہ اس ذیل میں شامل نہیں ہیں ۔ میں امید کرتا ہوں کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۱)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۲۵ ۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۴ء

محترمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

تلطف نامے کا شکریہ ۔ میرے مضمون کو جہاں جی چاہے جگہ دیجے ۔ میں اپنا مضمون ایک مرتبہ پڑھ کر اور دو تین جگہ کسی قدر اضافے کرکے آج کئی دن ہوئے کہ خدمت گرامی میں غالباً بذریعہ ایکسپریس ڈلیوری بھیج چکا ہوں ۔ امید ہے کہ اب تک پہنچ گیا ہوگا ۔

رسیدی ٹکٹوں کا شکریہ ۔ وہ میں نے کسی ضرورت سے منگوائے تھے ۔ آدمی لفافے میں رکھ کر لایا ۔ میں نے وہ لفافہ ویسے ہی خدمت سامی میں چلتا کیا ۔ بخار سے تو فی الوقت نجات مل چکی ہے ۔ والتسلیم

ہاں یہ ارشاد ہو کہ دوسری قسط کی کب ضرورت ہوگی ۔ کیا میں اسے لکھنا شروع کر دوں ۔ دسمبر تیزی سے آ رہا ہے ۔ فقط

محمود شیرانی

(۱۲)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۱۲ ۔ نومبر سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامہ تین روز سے جواب کا انتظار کر رہا ہے ۔ میں بخار میں تھا ۔ یہ تیسری مرتبہ بخار لوٹا ہے ۔

قول فیصل جہاں سے آیا تھا واپس گیا ۔ اب نہیں آ سکتا ۔ لیکن سیاق و سباق عبارت آپ کی رائے کا موید ہے ۔ وہاں یقیناً 'چوں' چاہیے اور مجھے یاد بھی یہی ہے ۔ یہ امر یاد رہے کہ میں ایسی غلطیاں کثرت سے کرتا ہوں ۔ باوجودیکہ دو دو مرتبہ مضمون پڑھ لیتا ہوں پھر بھی غلطیاں رہ جاتی ہیں ۔ اس لیے گذارش ہے کہ آپ بغیر مجھے تحریر فرمائے انہیں وہیں درست فرما لیا کیجیے ۔

«وہ خال وہ خد» کے سلسلے میں عرض ہے کہ جب دیوان منقول عنہ میں 'خد' مرقوم ہے تو مضمون نگار کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ 'خد' کو 'خط' میں تبدیل کر دے ۔ میں نے کتاب اور صفحے کا حوالہ دے دیا ہے اس لیے مجھے تو اسی قرأت اور سند کا پابند رہنا چاہیے ۔ اگر مرزا صاحب نے کوئی دخل کیا ہے تو وہ جانیں ۔ غالباً مذاق حال ایسی ترمیموں کا محرک ہے ۔ 'خط' میں عجمیت کی بو آتی ہے ۔ فارسی میں تو دونوں طرح آتا ہے ۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس شعر ہی کو کاٹ دیں ۔

اب سے اٹھارہ انیس سال قبل کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے کسی مضمون میں 'خط و خال' بمعنی حلیہ یا ضروری خصوصیت لکھا تھا ۔ اڈیٹر صاحب نے اس کا 'خد و خال' بنا دیا ۔ میں خاموش رہا ۔ آج آپ اس کی تلافی کر رہے ہیں ۔

آخر میں عرض ہے کہ میرے مضمون میں آپ حسب دلخواہ اصلاح دیجیے مجھ کو منظور ہوگا اور ہمیشہ منظور ہوگا ۔ مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں ۔ عدم اتفاق رائے کی معافی مانگتا ہوں ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۱۳)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۳۰- دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامے کا جواب دیر میں دے رہا ہوں - دیوان ذوق کے واسطے میں آپ کے خیال سے متفق ہوں - بحالت موجودہ حافظ ویران کا مرتبہ بے حد اہم ہے لیکن آزاد کے اڈیشن سے اغماض نہیں کیا جا سکتا - اس میں متعدد غزلیں ایسی ہیں جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بری ہیں - علیٰ ہذا ایک بڑا حصہ قصائد کا ، جو حافظ ویران کے مجموعۂ قصائد میں شامل نہیں ، ذوق کا اصلی کلام معلوم ہوتا ہے - البتہ بعض قصیدے ایسے ہیں جن پر شک کرنے کی گنجائش ہے -

ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں - ساتھ ہی معافی کا طالب ہوں - یہ میرا قصور نہیں ہے بلکہ آپ کا - نہ آپ الہ آباد میں قیام فرماتے نہ زحمت دی جاتی - بات یہ ہے کہ الہ آباد کے امرودوں کی بڑی تعریف سنی جاتی ہے - میں اپنے کنویں پر ایک تختے میں امرود لگانا چاہتا ہوں - الہ آباد سے اس لڑائی کے زمانے میں پودوں کی فرمایش فضول معلوم ہوتی ہے اس لیے عرض پرداز ہوں کہ الہ آبادی امرودوں کا تخم ، بہت اچھا تخم وہاں سے حاصل کرکے مع نسخۂ ہدایت یعنے ترکیب تخم ریزی و فصل و طیاری زمین وغیرہ بھیج کر مجھ کو بندۂ بے دام بنائیے - اس باب میں مہربانی فرما کر اپنے مالی سے مشورہ لیجے - مجھے افسوس ہے کہ عوض میں میں ٹونک کے خربوزوں کا وعدہ نہیں کر سکتا - لڑائی کی وجہ سے ہر معاملہ درہم و ابتر ہو رہا ہے - الہ آباد تک خربوزوں کا پہنچنا نہایت دشوار ہے - اگر پہنچ بھی گئے تو کھانے کے قابل نہیں رہتے -

میری طبیعت ابھی تک درست تو ہے لیکن موسم کے اثر سے بھی خالی نہیں - تاہم جائے شکر ہے کہ اب تک کوئی دورہ نہیں پڑا - دیکھیے نیا سال کیا سلوک کرتا ہے - والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۴)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۱۷- جنوری سنہ ۱۹۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

تلطف نامے کا شکریہ ۔ آزاد کے دیوان ذوق کے سلسلے میں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ اس نسخے میں دیوان کی تقریباً ہر غزل میں حافظ ویران کے دیوان ذوق کے مقابلے میں بلحاظ اشعار کچھ نہ کچھ اضافہ دیکھا جاتا ہے ۔ یہ اضافہ حضرت آزاد کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یا ہونا چاہیے ، اس کا آپ کے پاس کیا علاج ہے ۔ والعہدۃ علی الراوی پر ہی عمل کرنا ہوگا ۔

'خط' و 'خد' کے سلسلے میں جو آپ مناسب سمجھیں رکھیں ، مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نہ اس پر میں روشنی ڈال سکتا ۔ رہی مہندی ، اس کا املا کئی طرح ہے ۔ میں اس لفظ کے متعلق آپ کا املا اختیار کر لیتا مگر ٹونک میں اس کا املا بصورت 'مہندی' مشہور ہو گیا ہے ۔ اس لیے اپنے پتے میں ضرورتاً مہندی لکھتا ہوں ۔ نظیر کے ہاں مرزا فرحت اللہ بیگ نے 'میہندی' لکھا تھا ۔ میں سمجھا کہ نقطے اس حالت میں بے معنے ہیں لہذا صاف 'مہندی' لکھ دیا ۔

ع : جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہو کے 'تو' اس کے لطف سے ہم

میں نے یہ ابیات ۳۲ ماترا والے اوزان ہندی مروجہ' اردو کی مثال میں دیے ہیں ۔ مصرع ہذا میں 'تو' چاہیے تو آپ بڑھا دیں ۔ اگر موقع نکل گیا ہے تو خیر ۔ 'تو' کے ہونے یا نہ ہونے سے ماتراؤں میں کوئی فرق نہیں آتا ۔

امرود کے بیجوں کا منتظر ہوں ۔ میرے پاس کوئی ڈیڑھ بیگہ پختہ کے دو ٹکڑے ہیں جو بناس ندی کے کنارے پر واقع ہیں ۔ زمین ریتلی ہے ۔ دو طرف برساتی نلے آ گئے ہیں ۔ اس لیے اضافہ کی گنجائش نہیں ۔ یہاں کے محکمۂ جنگلات نے پچھلی برسات میں مجھے چند درخت اس پلاٹ میں لگانے کے لیے دیے تھے ۔ نیبو وغیرہ تو ختم ہو گئے ۔ امرود کے پانچ پودے جو دیے تھے اب تک بہت اچھی حالت میں ہیں ۔ سب میں بڑا ڈیڑھ فٹ اونچا ہو گیا ہے ۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ اس زمین میں امرود اچھا لگے گا ۔ ویسے بھی سخت جان ہوتا ہے ۔ زمین چونکہ کم ہے اس لیے درختوں کے درمیان اگر پچیس پچیس فٹ کا فاصلہ چھوڑا جائے تو اس میں زیادہ یا کافی درخت نہیں لگائے جا سکتے ۔ ہمارے ہاں دس دس فٹ فاصلہ چھوڑنے کا رواج ہے ۔ اس طرح زیادہ درخت لگیں گے ۔ دونوں ٹکڑے

مربع مستطیل ہیں ۔ ندی کے کنارے کنواں ہے جس میں ندی سے بذریعۂ نہر پانی آتا ہے ۔

امرود پر آپ کے رسالے کے مطالعہ کا مشتاق ہوں ۔ مگر مہربانی فرما کر اس رسالے کو دوبارہ چھپوا دیجیے ۔ پھر ایک نسخہ بھیجیے تاکہ مجھے واپس نہ کرنا پڑے ۔ میرے خیال میں اس کا اردو میں چھپنا بھی ضروری ہے ۔ مضمون کی پہلی قسط کا شکریہ ۔

ایک ضروری امر قابل گذارش یہ ہے ۔ یہاں میں نے بعض لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ پہلے سالم امرود کو لے کر اس کو گلا کر یا سڑا کر گوبر میں دباتے ہیں ۔ پھر کچھ عرصہ رہنے دینے کے بعد گوبر سے نکال کر بیج بوئے جاتے ہیں ۔ کیا امرود ہونے کی یہی ترکیب ہے ۔ مگر آپ نے تو نہیں لکھی ۔ میرے لیے سب سے ضروری یہی بات ہے ۔ مہربانی فرما کر بیج بونے کی ترکیب اور بونے کا موسم وغیرہ ضرور لکھیے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

تین دن سے موسم بدل گیا ہے ۔ گلابی سردی رہ گئی ہے جو زیادہ تر پچھلی رات کو محسوس ہوتی ہے ۔ دس دن پہلے یہ حالت تھی کہ ٹونک بغیر برف گرے کشمیر بن گئی تھی ۔ ممکن ہے کہ موسم ابھی پھر پلٹے ۔

م ۔ ش

(۱۵)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۹- اپریل سنہ ۱۹۳۵ء

محترمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

گرامی نامے کا شکریہ قبول ہو ۔ بیج جس طرح جی چاہے بھیجیے ۔ میں نے اس وقت عرض کیا تھا جب میں ندی میں مقیم تھا ۔ رجسٹرڈ پارسل کی صورت میں مجھے ایسا پارسل واپس ٹونک بھیجنا پڑتا تھا تاکہ اہل سائر اس کو کھول کر دیکھ لیں ۔ آپ کی اسلامی ریاست اپنے بعض ضوابط میں دنیا جہان سے نرالی ہے ۔ یہاں رجسٹرڈ پارسل حکماً محکمہ سائرات میں منگوا کر کھلوائے جاتے ہیں جس سے لوگوں کو خاصہ تکلیف ہوتی ہے ۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر پارسل درآمد و برآمد کے وقت سائر میں دکھایا جانا چاہیے ۔ اسی طرح ڈاک خانے کا وقت بدل گیا ہے جو پورے ڈیڑھ گھنٹے ریاست کے وقت سے آگے ہے ۔ ان دو باتوں کی وجہ سے انسان اکثر غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے ۔ کبھی ریاست کا ضابطہ بھول جاتا ہے، کبھی ڈاک خانے کا وقت یاد نہیں آتا ۔ جب پارسل بنا کر ڈاک خانے پہنچتا ہے تو ڈاک خانے کا بابو کہتا سنائی

دیتا ہے کہ یہ پارسل ہم نہیں لیں گے، سائر میں کیوں نہیں دکھا کر لائے - جب سائر میں دکھا کر اور دوبارہ مہریں لگا کر ڈاک خانے آتا ہے تو اس مرتبہ بابو صاحب فرماتے ہیں کہ آج وقت گزر گیا، ہم پارسل نہیں لے گا، گھر کو جاؤ -

سالانہ لیکچروں کے سلسلے میں اکیڈمی میں میرا نام تجویز کرنے کا آپ کا ارادہ میری عین عزت افزائی ہے جس کا میں حقیقت میں مستحق نہیں - بھلا میں ایسے خدا ساز امر سے کیوں انکار کرنے لگا - لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ دعوت میرے حق میں نو شدارو کہ پس از مرگ بسہراب دہند نہ ثابت ہو - یوں تو جب تک سانس ہے تب تک آس ہے - مضمون کے انتخاب کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ اس سلسلے میں کیا کیا لیکچر دیے جا چکے ہیں، کیا کیا کام ہو چکا ہے تو میں فکر کرتا - سفر الہ آباد سے میرا معاف کیا جانا میرے نزدیک بہت دشوار ہے ویسے آپ زیادہ جانتے ہیں - والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۶)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۱۰- مئی سنہ ۱۹۴۵ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

تلطف نامے کے بعد رسالۂ ہندوستانی اور پھر امرود کے بیج وصول ہو کر موجب شکریۂ مکرر بنے - ہندستانی اکیڈمی کے مطبوعہ لیکچروں کے سلسلے میں عرض ہے کہ ان میں سے ایک بھی میری نظر سے نہیں گزرا - اگر بھیجیں تو «عرب و ہند کے تعلقات» اور «ہند میں زمانۂ وسطیٰ کا تمدن» ارسال فرماویں - ان کو دیکھ کر میں کوئی رائے قائم کر سکوں گا -

اگر میں اردو کے مختلف دبستان مثلاً گجری (گجراتی اردو)، ہریانی، راجستانی وغیرہ لوں تو کیسا ؟ ایک لیکچر ریختہ پر ہو سکتا ہے اور ایک لیکچر ہندی زبانوں میں مسلمانی تالیفات پر بن سکتا ہے - عروض کے متعلق میں نے مولانا عبدالحق سے وعدہ کیا تھا - ایک مرتبہ تو وہ بھول گئے تھے، شاید اب بھی بھول چکے ہوں - اس صورت میں تو ہو سکے گا - ہندی عروض، جہاں تک کہ میں اس سے واقف ہوں، نہایت ابتدائی حالت میں ہے - اس کے مقابلے میں فارسی عروض بہت مرتب اور مدون ہے - ہندی سے رشتہ جوڑنا اور فارسی سے منہ موڑنا بڑا علمی نقصان ہوگا - زحافات صرفیوں کی تعلیلات کی طرح ہمارے لیے سوہان روح بنے رہے ہیں اور اسی لیے عروض غیر مقبول رہا ہے - ان سے بعض تبدیلیوں کے ذریعے سے، جو بالکل سہل اور قابل قبول ہیں، ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے -

چار پانچ روز سے سانس کے ہلکے دورے پڑ رہے ہیں ۔ نیند غائب ہے ۔ دورے ایک بجے رات سے شروع ہو کر صبح تک رہتے ہیں ۔ لیٹا نہیں جاتا ۔ تکیوں پر سر رکھ کر بیٹھا رہتا ہوں ۔ لیجیے آداب عرض ہے ۔

محمود شیرانی

(۱۷)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۲۹- مئی سنہ ۱۹۳۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

الطاف نامے کا شکریہ اور کتابوں کا سپاس قبول ہو ۔ مولانا عبدالحق دہلوی اور ہمارے عہد کے مولانا عبدالحق دہلوی میں بڑا فرق ہے ۔ اس لیے عروض کے بارے میں آپ جب ان سے گفتگو فرمائیں تو موقع و محل مناسب کا لحاظ فرما لیں ۔ ع

بہ خرم فرصتے خوش روزگارے

پر نگاہ رہے ۔ ان کی آتش خوئی کا ایک دو بار مجھ کو تجربہ ہو چکا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ جب بگڑتے ہیں سنبھالے سے نہیں سنبھلتے ۔ خدا ان کو حیات خضر اور عمر جاوید عنایت فرمائے ۔ میں آفتاب لب بام ہوں، نہیں چاہتا کہ آخری وقت میں پھر ان کے غضب کا مرکز بنوں ۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ کئی لحاظ سے میں سراً و جہراً ان کا ممنون احسان ہوں ۔ ان کے رسالے کے ساتھ میرے تعلقات دیرینہ ہیں ۔ اس کے علاوہ تنخواہ دار ہونے کے باوجود ان کا نمک خوار بھی رہا ہوں[۱]- میں ریاست کا

۱- لاہور کی ملازمت سے پہلے قیام ٹونک کے زمانے میں جب شیرانی صاحب نے رسالہ اردو میں فردوسی پر مضامین لکھنے کا آغاز کیا تو مولوی صاحب نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا ۔ یہ وظیفہ اسلامیہ کالج لاہور کی ملازمت کے دوران میں بھی ایک عرصے تک جاری رہا ۔

پھر ملازمت سے سبکدوش ہو کر شیرانی صاحب انجمن ترقی اردو دہلی میں کام کرنے لگے تو وظیفہ دوبارہ جاری ہوگیا ۔ جب اپنی صحت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ٹونک چلے آئے تو بھی یہ مشاہرہ ملتا رہا ۔ صاحب زادہ حامد سعید خاں، شیرانی صاحب کی بابت اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ جب وہ انجمن ترقی اردو کے دفتر دریا گنج دہلی میں شیرانی صاحب سے ملے تو مرحوم نے فرمایا : ''حامد ہم حلال روزی نہیں کھا رہے ہیں . . . . ہمیں انجمن کی طرف سے جتنا مشاہرہ ملتا ہے اتنا کام ہم نہیں کرتے ۔'' ٹونک واپس آ کر انہوں نے اس مشاہرے میں از خود کمی کرائی ۔ حامد سعید خاں رقم طراز ہیں :

''فرمایا، گھر بیٹھے ہمیں اس قدر ماہوار انجمن سے ملتا ہے جس کے ہم کسی طرح مستحق نہیں ہیں، اور اصرار کرکے ماہانہ مشاہرے میں کمی کرائی ۔''

(مرتب)

رہنے والا ہوں اور ریاستوں میں پاس نمک وفاداری کا جزو اعظم مانا جاتا ہے ۔ میں اپنے آپ کو اپنے والی ریاست کا نمک خوار نہیں مان سکتا لیکن مولانا کا نمک خوار اپنے آپ کو ضرور سمجھتا ہوں ۔

ہاں خوب یاد آیا ۔ ایک معاملے میں پھر موجب زحمت بننا چاہتا ہوں ۔ میں سنتا ہوں کہ الہ آباد میں کوئی اگریکلچرل انسٹیٹیوٹ ہے جس کو عیسائی مشنری چلاتے ہیں ۔ اس کی ساکھ (ریپوٹیشن) عام طور کیسی ہے ؟ آیا یونیورسٹی اور سرکار کا تسلیم شدہ ہے یا یوں ہی ڈھکوسلا ہے ؟ ضروری ہے کہ یہ انسٹیٹیوٹ بھی مشنریوں کے دیگر اداروں کی طرح عیسائی بنانے کا ذریعہ ہو ۔ اگر تکلیف نہ ہو اس ادارہ کے متعلق اپنی رائے دیجیے ۔ مجھے یہ اطلاع اپنی بہن کے نواسے[1] کے واسطے درکار ہے اور جلد درکار ہے ۔ ۱۵۔ جون تک اس میں داخلے کی آخری تاریخ ہے ۔ آپ پراسپیکٹس نہ بھیجیے، وہ آ چکا ہے ۔ زیادہ تر دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کے فارغ التحصیل کو ملازمت بھی مل سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر گورنمنٹ یا یونیورسٹی میں اس کی کچھ عزت ہے تو کارآمد ہے ورنہ تضیع اوقات اور تضیع زر سے کیا فائدہ ۔ لہذا ع

تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی والتسلیم ۔

جواب اگر جلد دیا جائے تو موجب صد منت ہوگا ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۱۸)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۲۲۔ جون سنہ ۳۵ء

حضرت مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

والا نامہ شرف ورود لایا ۔ اس سے پیشتر مسلم[2] صاحب کا لطف نامہ نظیرالدین سلمہ کے پاس پہنچ چکا تھا ۔ نظیر کا بیان ہے کہ میں نے اپنی درخواست اسی مطبوعہ فارم پر، جو پراسپیکٹس کے ساتھ ضم تھی، بھیجی تھی ۔ نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی خانہ پری کی تھی اور غلطی کے خیال سے اپنے استاد کے سامنے بھری تھی ۔ اس کے بعد دونوں سرٹیفیکیٹ اور ایک خط بنام پرنسپل مع درخواست مذکورہ لفافے میں بند کرکے ۶۔ جون کو ڈاک خانے میں جاکر اپنے ہاتھ سے لفافہ ڈال کر آیا ہوں ۔ خط پرنسپل صاحب کو مل گیا اور درخواست نہ پہنچی، نہایت عجیب ہے ۔ مسلم صاحب کا عنایت نامہ آنے کے بعد میں نے برخوردار مذکور کو مشورہ دیا کہ مسلم صاحب

۱۔ نظیرالدین جن کا ذکر آیندہ خط میں آتا ہے ۔ (مرتب)

۲۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے صاحب زادے محمد مسلم صدیقی صاحب ۔ (مرتب)

کو تار دے دو کہ درخواست یہاں سے ۶۰ کو بھیجی گئی ہے - دوسرا تار پرنسپل کو جوابی بھجوایا - دو روز کے انتظار کے بعد تیسرے دن جواب آیا application received not admitted میں اس سے یہ سمجھتا ہوں کہ برخوردار مذکور کو داخلہ نہیں مل سکا - بہرحال الہ آباد کی طرف سے یاس قطعی ہے - میں آپ کا اور مسلم صاحب کا اس معاملے میں نہایت احسان مند ہوں -

لائل پور تو بھاری پتھر ثابت ہوگا - میں نے نظیر کو مشورہ دیا ہے کہ علی گڈھ میں اپنی قسمت آزمائی کرے - وہاں سنتے ہیں اسی سال کالج (زراعتی) کھل رہا ہے - نظیر نے کسی کلاس میں بھی سائنس نہیں لیا - عربی فارسی کے چکر میں رہا - میٹرک میں جغرافیہ لے لیا - اب پچھتا رہا ہے -

اب مجھے اپنے لیکچروں پر غور کرنے کا موقع ملا ہے - میں دیکھتا ہوں کہ آیندہ مارچ تک تین چار سو صفحات کی کتاب کا طیار ہو جانا میری طاقت سے باہر ہے - یہاں برٹش میوزیم کی لائبریری تو ہے نہیں کہ انسان تمام دنیا سے بے نیاز ہو کر صبح آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک بیٹھا کام کرتا رہے اور جس کتاب کی ضرورت ہوئی دو منٹ میں میز پر آ گئی - یہ ہندوستان ہے، یہاں کوئی جامع کتب خانہ موجود نہیں بلکہ اس کا تخیل تک مفقود ہے - کتابوں کی تلاش میں انسان کو در در خاک سر ہونا پڑتا ہے -

ایک عروض ہی کو لیجیے - اس میں ہی بہت کام ہونا ہے - لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ عربی عروض اور فارسی عروض مگر کوئی اس کی حقیقت بیان نہیں کرتا - اس مقصد سے دونوں زبانوں کے عروض اور ان کے مابہ‌الامتیاز کا مطالعہ ضروری ہے. خصوصاً عروض کے ارتقا کے سلسلے میں ان اوزان اور اصول کا جو ایرانیوں نے وقتاً فوقتاً دریافت کئے ہیں - عربی عروض سے قطع نظر فارسی عروض کوئی شخصی کارنامہ معلوم نہیں ہوتا - اس میں تدریجی ارتقا کی علامات نمایاں ہیں - بیسیوں اوزان خلیل اور یوسف عروضی کے بعد دریافت ہوئے ہیں - بعض کے دریافت کنندوں کا نام تک دیا جا سکتا ہے - خلیل نے اشعار عرب کی تدوین کی تھی - چونکہ وہ صرفی تھا اس لیے صرفیانہ تعلیل کی پیروی میں زحاف کو ناگزیر سمجھا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عروض ہمیشہ کے لیے بدنام اور غیر مقبول ہوگیا اور بے چارے عروضی معذرت میں ہمیشہ ایک فصل عروض کی ضرورت پر لکھنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں - لہذا زحاف کا ترک کرنا لازمی ہے - اسباب و اوتاد کی تقسیم پھر غیرحقیقی ہے - ان کی جگہ تقسیم ہجائی یعنی مقصور و ممدود کی باز بحالی ہونی چاہیے - دائرہ مشتبہ کی بحریں اور ان کی ساخت بالکل جبری ہے ان کا کوئی اور انتظام ہونا چاہیے - عروض کا سب سے بڑا کام

موجودہ اوزان و بحور کی تدوین کے علاوہ جدید اوزان کی طرف ہماری رہنمائی کرنا ہے تا کہ اس کے ذریعے سے اصلی اور غیراصلی اوزان کی بازیافت ہو سکے ۔ موجودہ عروض اس مقصد کی تکمیل کے لیے بالکل نا اہل ثابت ہوا ہے ۔ اس لیے ضروری ترمیم و تنسیخ کے بعد ہمیں جدید عروض وضع کرنا چاہیے جو قدیم و جدید اوزان اور ان کی امثلہ پر حاوی ہو ۔ آخر میں عروضی تصنیفات پر ایک نظر ۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے جو عروض سے متعلق میرے ذہن میں ہے ۔ اس لیے آیندہ مارچ تک سب کام کا طیار ہو جانا ، مجھے اپنی صحت پر بھی نظر رکھتے ہوئے، بہت دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ آپ مارچ سنہ ۴۷ء تک مجھے وقت دیجیے ۔ بہرحال کام ہو تو اچھا ہو ورنہ نہ ہو، جلد بازی سے کیا حاصل ۔ آج کل برسات کا آغاز ہے ، شاید میری طبیعت درست رہے مگر سردی اور گرمی بھی بھگتنا ہے ۔

ہاں خوب یاد آیا ، کیا آپ کے پاس اورینٹل کالج میگزین آتا ہے ۔ اگر ایسا ہے تو مئی سنہ ۱۹۴۰ء کا میگزین ملاحظہ فرمائیے ۔ اس میں میرا ایک مضمون ''رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ'' چھپا ہے ۔ آپ اس مضمون پر ایک نظر ڈال لیجے اور رائے دیجے کہ جس سہولت کا اس میں دعویٰ کیا گیا ہے وہ اس سے حاصل ہوتی ہے یا نہیں ۔ اور کیا وہ اس قابل ہے کہ میں اپنی عروضی تصنیف میں شامل کر لوں ۔ خط کی طوالت کی معافی مانگتا ہوں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۹)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۳۱- جولائی سنہ ۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

الطاف نامے کا جواب دیر میں دے رہا ہوں ۔ اس وقفے میں میری صحت غیر مستقل رہی ۔ اس سے جو وقت ملا وہ عروض جدید پر صرف ہوا مگر میں اس کا خاکہ بالفعل آپ کی خدمت میں نہیں بھیج سکتا ۔ میرا انگوٹھا لکھتے وقت درد کرنے لگتا ہے ۔ چند سطریں لکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے :

پیری و صد عیب چنین گفتہ اند

اردو کے مختلف دبستان کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ مواد کسی دوسری شکل میں اورینٹل کالج میگزین میں مختلف نمبروں میں چھپ چکا ہے مثلاً

---

(۱) گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں ، نومبر ۳۰ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱۰۹-۱۲۶

(۲) گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں ، فروری ۱۹۳۱ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱-۳۲

(۳) اردو کی شاخ ہریانی زبان میں تالیفات ، نومبر ۱۹۳۱ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱-۳۲

(۴) اردو کی شاخ ہریانی زبان میں تالیفات ، فروری ۱۹۳۲ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱-۳۲

(۵) دائرے کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ ، نومبر ۱۹۴۰ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۲۷-۳۹

(۶) دائرے کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ ، نومبر ۱۹۴۱ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۳۹

(۷) تاریخ غریبی ، نومبر ۱۹۳۸ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۵۱

(۸) تاریخ غریبی ، فروری ۱۹۳۹ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۳۴

(نمبر (۵) سے (۸) تک کے مضامین راجپوتانہ کی زبان سے متعلق ہیں)

(۹) بعض جدید دریافت شدہ ریختے ، مئی ۱۹۳۹ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۲۱

(۱۰) دبستان پنجاب : اگرچہ میں نے پنجاب میں اردو میں اس پر کسی قدر لکھا ہے لیکن بعد کے ذخیرے کی روشنی میں اس پر نظرثانی اور ترمیم کی سخت ضرورت ہے ۔

ان میں سے میں گوجری اور ہریانی زبان میں تالیفات پر کوئی جدید اضافہ نہیں کر سکتا ۔ باقی سلسلے پر کم و بیش اضافے کیے جا سکتے ہیں اور آپ کے مطلوبہ ڈھائی سو صفحات یا زیادہ بن سکتے ہیں ۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب میری صحت درست رہے ۔ اگر درمیان میں میری حالت خراب ہوئی اور مجھے دستکش ہونا پڑا تو مجھے آپ سے اور اکیڈمی سے سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اسی بنا پر میں وقت کا پابند نہیں ہونا چاہتا ۔ اسی طرح الہ آباد آنا میرے بس کا روگ نہیں ۔ ریل کے انجن کے دھوئیں سے میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اپنی صحت کی اس غیر یقینی حالت میں اگر میں ان لیکچروں سے معافی مانگوں تو خدا را مجھے احسان ناشناس نہ سمجھیے گا ۔

آپ کو یاد ہوگا عروض اردو کے متعلق پہلے آپ نے مجھ کو لکھا تھا کہ اس کے مناسب عروض طیار کی جائے ۔ اس امر پر میں حیران ہوا کہ آپ نے خاص طور پر مجھ کو کیوں لکھا ۔ میں نے جواب میں لکھا کہ عروض کر تو سکتا ہوں لیکن میں مولانا سے وعدہ کر چکا ہوں ۔ اگر وعدہ شکنی ہوئی تو مولانا اس کو

ناقابل معافی گناہ سمجھیں گے - ان کی نزاکت طبع مشہور ہے :

ع گر بگڑ بیٹھے تو پھر لائق تعزیر ہوں میں

بہرحال ان کے عتاب و خطاب میں آپ میرے شریک رہیں گے بلکہ شریک غالب رہیں گے - اس شرط پر آپ ان سے ذکر کیجیے -

آج کل ٹونک شملہ بنا ہوا ہے - ڈیڑھ ماہ سے تقریباً روزانہ بارش ہو رہی ہے - فصلوں کو کافی نقصان پہنچا ہے - باقی خیریت ہے - والتسلیم

محمود شیرانی

(۲۰)

مہندی باغ - ٹونک راج

۱۶ اگست سنہ ۱۹۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

عروض جدید کا یہ مختصر خاکہ رائے گرامی معلوم کرنے کے لیے خدمت میں ارسال ہے - بحروں کے نام جو میں نے رکھے ہیں میں ان پر مطمئن نہیں ہوں - تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ ان اوزان کے ساتھ ان ناموں کا کوئی اضافی تعلق قائم ہو جائے - ناموں کی طرح بعض ارکان بھی طویل اور اجنبی ہیں - ان کی طوالت کا یہ عذر ہو سکتا ہے کہ آج کل اردو میں ایسے اوزان کی طرف زیادہ رجحان ہے - اسی طرح وہ اوزان جو میں نے برآمد کیے ہیں اور جن کی مثال میں اشعار بھی دیئے ہیں ، ان کی موزونیت کے متعلق آپ کی رائے سے واقف ہونا ضروری سمجھتا ہوں - یہ ظاہر ہے کہ نامانوس معلوم ہوں -

''ہندستانی'' تماہی ، جولائی نمبر کا شکریہ لیکن اس مرتبہ میرے مضمون کے ری پرنٹ نہیں آئے - اگر وہ بھجوا دیے جائیں تو میں بے حد شکر گذار ہوؤں گا -

والتسلیم

محمود شیرانی

(۲۱)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۷ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء

مخدوم گرامی جناب ڈاکٹر صاحب

التفات نامے کا شکریہ - جواب روز دینا چاہتا ہوں ، کئی کاغذ ردی کر چکا ہوں لیکن ہمت نہیں پڑی کہ عریضہ ختم کر سکوں - میں پچھلے مہینے اور ماہ رواں

میں مرض قدیم دمے اور دیگر امراض کا شکار رہا ہوں ۔ کل رات دمے کا دورہ ساڑھے دس بجے شروع ہوا ، ڈھائی بجے ختم ہوا ۔ کل دن بھر بستر پر پڑا رہا ۔ آج اٹھتا ہوں اور اٹھا نہیں جاتا ۔ چلنا پھر تقریباً بند ہے ۔ سنتا ہوں راتیں آرام کے لیے بنی ہیں مگر میرا تجربہ بالکل مختلف ہے ۔ جواب مختصر عرض ہے :

۱۔ عروضی خاکے پر توجہ کا احسان ۔ جائے استاد خالیست ۔ 'نمبر شمار' کی جگہ 'ہندسہ شمار' بنا لوں گا ۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں ''جب لفظ حرفوں کے مجموعے کا نام ہے تو ساکن جو ایک منفرد حرف ہے ، بلکہ دوسرے حرف کی امداد بغیر بولا بھی نہیں جا سکتا ، حرفوں کا مجموعہ کیونکر ہوگا ۔''

میں اس موقعے پر لفظ کے مبادی اجزا بالفاظ دیگر تقسیم ہجائی سے بحث کر رہا تھا اور یہ کہا تھا کہ لفظ حرفوں (اصوات) کے مجموعے کا نام ہے ۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ ساکن حرفوں کا مجموعہ ہے ۔

میرے نزدیک 'مقصور و ممدود' لفظ کے ابتدائی اجزا ہیں ۔ مقصور یا ساکن ہوگا یا متحرک ۔ حرف میں اگرچہ ساکن و متحرک میں بڑا فرق ہے لیکن عروض میں ساکن اور متحرک صوتی اعتبار سے یا وقت کے لحاظ سے برابر ہیں ۔ مقصور خواہ متحرک ہو خواہ ساکن وزن کے لحاظ سے برابر ہے ۔ اسی لیے میں نے ساکن و متحرک کے واسطے ایک ہی شکل مقرر کی ہے ۔ 'شہر یار' اور 'امتحان' بر وزن فاعلات ہیں حالانکہ پہلے کا حرف سوم ساکن اور دوسرے کا متحرک ہے ۔

(۴) بغرض توضیح 'رمل' 'فن رمل' کی جگہ بے شک مناسب ہے ۔

(۵) وضاحت اصل کتاب میں آئے گی ۔ جو سطور خدمت والا میں ارسال ہوئی تھیں محض تعارفی اور خاکہ ہیں ۔

(۶) (۷) و (۸) منظور ۔

میں نے 'معیار' کے جس نسخے سے صفحہ ۱۷ کا حوالہ دیا وہ غالباً سب سے قدیم مطبوعہ نسخہ معلوم ہوتا ہے اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی کا مرتبہ ہے ، جس کے ساتھ 'معیار' کی شرح بھی مسمی بمیزان الافکار ، مفتی صاحب نے حواشی کتاب میں شامل کر دی ہے ۔ اس طرح کتاب کا نام ''معیار الاشعار و میزان الافکار'' رکھا گیا ۔ میرا منقول عنہ مطبع علوی میں باہتمام علی بخش خان عثمان پوری بستم صفر سنہ ۱۲۶۴ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا تھا ۔ حوالہ معلومہ محقق کی بیان کردہ آخری بحر یعنی بحر غریب کے اختتام کے بعد اور ''فصل ہشتم در تغیر بزیادت کہ تعلق بہ ارکان ندارد'' کی سرخی سے گیارہ بارہ سطر قبل مل جائے گا ۔

(۹) بحروں کے نام آپ کے تجویز کردہ نہایت مناسب ہیں ۔ ان سے میری مشکل تو حل ہو جاتی مگر ایک تامل یہ ہے کہ یہ عربی نام پہلے ہی نامانوس تھے ان پر جدید نامانوس ناموں کا اضافہ ہتکڑیوں کے ساتھ بیڑیوں کی سزا بن جائے گا ۔

و 'مقصور' عاطفہ کے تعلق میں عرض ہے کہ 'و' کی جگہ اگر 'ف' اختیار کر لی جائے تو کیا آپ کا اعتراض رفع ہو سکتا ہے ۔ میں نے تو یہ نام اسی لیے اختیار کیا تھا کہ وہ ارکان کے دو جوڑوں (مصرعوں کے عین وسط میں) کے درمیان بطور عاطفہ آتا ہے ۔ مستفعلن فعول و مستفعلن فعول ۔ عاطفہ نام میں نے جان بوجھ کر رکھا تھا کہ طلبہ کو اس کے یاد رکھنے میں سہولت ہو ۔ اسی خیال کی بنا پر ثنائی، ثلاثی و رباعی نام رکھے گئے تھے ۔ اگر رباعی کو بدلا جائے تو باقی دونوں نام بھی بدلنے پڑیں گے اس لیے یہ نام اور تجویز کیجیے ۔

(۱) تسکین کا ذکر سب سے زیادہ محقق طوسی نے کیا ہے ۔ کہیں اس کا نام تحبیق یا تختیق ہے، کہیں تشعیث ہے ۔ جس صورت سے قدما نے (شعرائے غزنہ و سلجوق وغیرہ) اس کا استعمال کیا ہے طبیعت پر گراں گزرتا ہے ۔ میرے خیال میں جب تک عروض کی گرفت شعر پر ڈھیلی تھی وہ جا و بیجا اس سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ سعدی کے قصائد میں بھی موجود ہے بلکہ قاآنی نے تو شعرائے قدیم کی تقلید میں اپنے قصائد میں دوبارہ رواج دیا ہے ۔ جب عروض کے قواعد کی عام پابندی ہونے لگی یہ تسکین متاخرین کے ہاں سے بالکل غائب ہو گیا ۔ موزونیت طبع پر کس قدر ظلم ہے کہ ایک مصرع کے فعلاتن یا مفتعلن وغیرہ کے مقابل دوسرے مصرع میں مفعولن زبردستی ٹھونس دیا اور پھر فرما دیا کہ یہ عمل تسکین ہے ۔ میرے خیال میں تسکین اواخر مصاریع میں، جس سے فعلات کی جگہ مفعول آ جاتا ہے، بالکل درست ہے اگرچہ درمیان میں ناگوار ہے ۔

(۲) میر صاحب کی غزل ہندی وزن میں ہے جو تیس مت (حروف) یعنی حرکات و سکنات پر شامل ہے ۔ اس کو فارسی عروض کے تحت میں لانا اصولاً درست نہیں لیکن ہمارے عروضی کر رہے ہیں ۔ لہذا عرض کرتا ہوں کہ متدارک کے مقابلے میں اس کی تقطیع متقارب سے درست رہے گی لیکن خالی اثرم سے کیا ہوگا اور متعدد زحاف آئیں گے چنانچہ تقطیع ذیل ملاحظہ ہو:

—— ، — ، . ، — . ، —— —— ، —— —— ، —— . ، . ، —— —— ، —— ، . — ، . —

الٹی ، پڑ گئیں، سب تد ، بیریں ، کچھ نہ، دوا نے، کام، کیا

فعلن فاع فعولن فعلن فاع، فعولن، فاع، فعل

اثلم اثرم محبق اثرم اثرم محذوف

—— ، —— ، —— . ، . —— ، —— . ، —— ، —— ، ، . ، . —— ، . ، ، . ——

دیکھا ، اس ، بیمار ، ی دل نے ، آخر ، کا م ، تمام ، کیا

فعلن فعلن فاع فعلولن فعلن فاع فعول فعل

اثلم محبق اثرم محبق اثرم مقبوض محذوف

اس طرح بحر کا نام متقارب شانزدہ گانی اثلم، اثرم، محبق، مقبوض و محذوف ہوا ۔ یہ ضروری نہیں کہ ساری غزل میں یہی زحاف آئیں ۔ ممکن ہے کہ دیگر اشعار میں اور زحاف پائے جائیں جو اس شعر میں نہیں آئے ۔

متدارک کے زحافوں سے اس وزن کا برآمد ہونا مشکل ہے ۔ ہاں یہ صورت ممکن ہے کہ چونکہ یہ وزن تیس حروف پر شامل ہے ، اگر اس کو چہار حرفی 'فعلن' پر تقسیم کیا جائے تو حاصل قسمت ساڑھے سات فعلن مخبونؑ و مسکن پر شامل ہوگا ۔ فعلن کا نصف یک فع جو اگر آخر میں آتا 'احد' کہلاتا ، یہاں ابتدا میں آتا ہے اگر علیحدہ مان کر ہم مصرع کی تقطیع کریں تو سات فعلن مخبون و غیر مخبون یعنی مسکن سے تقسیم ہو سکے گی چنانچہ :

—— ، —— —— ، —— . . ، —— —— ، —— —— ، —— . . ، —— —— ، . . ——

الٹی پڑ ، گئیں سب ، تدبیر ، یں کچھ ، ندوا ، نے کا ، م کیا

فع ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن

—— ، —— —— ، —— —— ، —— . . ، —— —— ، —— —— ، . . —— ، . . ——

دے ، کھا اس ، بیما ، رے دل ، نے آ ، خر کا ، م تما ، م کیا

فع ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن

عروض میں فع ابتدائی کی کوئی حیثیت نہیں ۔ تاہم اگر اس کو متدارک شانزدہ گانی یا نیم فعلن مسکن یا ہفت فعلن مسکن وغیرہ مسکن نام دیا جائے تو تقریباً درست ہوگا ۔ طلبہ کے سمجھانے کے لیے اس قدر کافی ہے ۔

نوازش نامے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے عروضی خاکہ پسند فرمایا اور وہ اس کے چھپوانے کے لیے طیار ہیں مگر آپ بھول گئے ہیں آپ نے مجھ کو صاف تحریر فرمایا تھا کہ آپ اس معاملے میں مولانا کو کچھ نہ لکھیں ، میں جملہ امور طے کر لوں گا ۔ اس لیے مستدعی ہوں کہ باقی امور بھی طے کر کے مجھ کو شاد فرمائیں ۔ اس وقت میرا اندازہ عروض جدید کے متعلق تین سو صفحوں کا ہے ۔ آپ کو یہ بات عجیب سی معلوم ہوگی لیکن میں ان بدنصیبوں میں سے ہوں جن سے مولانا ناخوش ہیں ۔ تنقید شعرالعجم ، فردوسی ہر چار مقالے ، انجمن نے چھاپے

لیکن مجھ کو دو دو نسخوں سے زیادہ عنایت نہ ہوئے۔ یہی حال پرتھی واج راسا کا ہے۔ دو نسخے بھیجے گئے۔ آخری خالق باری ہے جس کو چھپے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن مجھ کو کوئی نسخہ نہیں پہنچا۔ اب میں کیا مانگوں۔ ضرورت ہوگی تو وی۔ پی منگوا لوں گا۔

میرے مضمون کی دوسری قسط جنوری ۴۶ء کے 'ہندوستانی' میں نکل آئے گی۔ خوب! تیسری قسط کے متعلق آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ رسالے میں شائع کی جائے یا دیوان ذوق کے مقدمے کے واسطے محفوظ رکھی جائے۔ میں اس بارے میں کیا رائے دوں؟ بقول حافظ 'صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شما ست،' پر عامل ہوں۔ باقی آپ جانیں یعنی جو نیت امام کی وہی مقتدی کی۔

اکیڈیمی کے فیصلے کی اطلاع کہ میں دیوان ذوق مرتب کروں موجب صد امتنان ہے۔ لیکن اس میں بھی اگر وقت کی پابندی کی صورت ہے یعنی یہ شرط موجود ہے تو 'استعفا مرا با حسرت ویاس'، میں اپنی صحت کی نازک حالت کی بنا پر وقت کی پابندی نہیں کر سکتا۔

آپ خیال کریں گے کہ میں ناشکرا ہوں۔ اس سے قبل لیکچروں سے انکار کیا اور اب جو دوسری صورت پیدا کی گئی ہے اس میں بھی مین میخ نکال رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں اپنی صحت سے مجبور ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ بزرگوں کے سامنے جھوٹا پڑوں اور اسی لیے یہ سمع خراشی۔ وقت کی قید نہ ہونے کی صورت میں میرے ضمیر پر بار نہیں پڑے گا اور نہ آپ کو میری طرف سے مایوسی ہوگی اور جیسے جیسے میری صحت نے اجازت دی میں کام میں لگا رہوں گا۔

ہاں خوب یاد آیا۔ آپ کے فرستادہ امرود کے بیج کہیں برسات کے اختتام پر آگئے۔ نوواردوں کی خدمت اگرچہ حسب دل خواہ ہوئی لیکن آفات ارضی و سماوی سے ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔ زمین سے لے کر گملوں میں رکھا۔ گملوں میں بھی اچھے نہ رہے۔ پھر کیارے میں لگایا۔ اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آہستہ آہستہ جلتے جا رہے ہیں۔ اس وقت بیس پچیس کے قریب باقی ہیں۔ معلوم نہیں برسات آتے آتے ان کی کیا حالت ہوگی۔ لہذا التماس ہے کہ اس فصل میں بجائے تخم کے امرود ہی میرے پاس بھیج دیں کہ ان کو کھا کھا کر اچھے بیج رکھ لوں۔ اس بہانے سے الہ آباد کے امردو بھی ایک بار اور کھانے میں آ جائیں گے اور بیج بھی مل جائے گا اور آپ کا دوہرا دوہرا احسان مانوں گا۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۲۲)

باغ چونری والا[1] - جےپور

۱۷- جنوری سنہ ۱۹۴۶ء

حضرت مخدوم ڈاکٹر صاحب

یہ کارڈ کا جواب دے رہا ہوں - لطف نامے کا جواب عرصہ ہوا دے چکا ہوں - کبھی کا پہنچ گیا ہوگا - کارڈ ایسے موقعہ پر ورود لایا کہ میں بالکل بدحواس ہو رہا تھا - وہ جو گورنمنٹ نے بھاری نوٹوں کو خارج کر دیا ہے اس کا میں بھی شکار ہو گیا ہوں - گذشتہ اگست میں میں نے اپنے مسکوکات کا مجموعہ ۲۳ ہزار میں پٹنے والے ایک صاحب کو فروخت کر دیا - قیمت وہ ہزار ہزار کے نوٹوں میں دے گئے - اب گورنمنٹ نے ایسے نوٹوں کو خارج کر دینے کا اعلان کر دیا ہے - میں حیران ہوں کہ کیا کروں - اخبار کے ذریعے سے ۱۴ ، کو خبر معلوم ہوئی - ۱۵ ، اہل ریاست سے استفسار میں گذرا - ۱۶ ، کا دن سفر میں گذرا - آج کا دن بے کار یہاں گذرا سوائے اس کے کہ فارم کی ٹائپ شدہ کاپی حاصل کی - یہاں امپیریل بنک بھی کچھ نہیں مشورہ دیتا - اب جےپور میں شام ہو رہی ہے - سوچ رہا ہوں کہ دہلی جاؤں یا واپس ٹونک جاؤں - میری صحت اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ معلوم نہیں اس سفر سے زندہ بھی لوٹوں گا[2]؟ والسلام

محمود شیرانی

(۲۳)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۶- فروری سنہ ۱۹۴۶ء

میرے مخدوم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب

یہ عریضہ نہایت تکلیف کی حالت میں لکھ رہا ہوں - ہاں وہ معاملہ تو روبراہ

۱- شیرانی صاحب اپنے دوست صاحبزادہ ولی احمد کے ہاں مقیم تھے - صاحب زادہ صاحب ان دنوں ریاست دوجانہ میں دیوان (چیف منسٹر) تھے اور باغ چونری والا میں ان کے لڑکے خلیل احمد خاں موجود تھے - ولی احمد خاں کا تذکرہ آیندہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب کے نام خطوط میں بھی آئے گا -

۲- شیرانی صاحب جب دہلی جانے کے ارادہ سے جےپور اسٹیشن پر پہنچے تو سخت دورہ پڑا - چنانچہ بڑے نوٹ خلیل احمد خان کے حوالے کیے اور انھیں دوجانہ اور دہلی جانے کی ہدایت کرکے واپس ٹونک چلے آئے - (مرتب)

آ گیا ۔ البتہ چھوٹے نوٹ تبادلے کے پرسوں پہنچے :

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آ لگا غالب خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہیے

مقصد کچھ نہ تھا محض صاحبزادگی نکلی[1]

اب میں ٹونک ہوں اور دیر تک ٹونک رہوں گا ۔ اس لیے امرودوں کا پارسل یہیں بھجوا دیجیے ۔ جو صاحب میری رقم دہلی سے لائے انہیں میں نے کہہ دیا تھا کہ حفظ‌اللسان یعنے خالق باری تصنیف ضیاءالدین خسرو کا ایک نسخہ ، جسے میں نے ترتیب دے کر انجمن ترقی اردو کو دیا تھا ، خرید کر لیتے آئیں ۔ چنانچہ وہ صاحب لیتے آئے ۔ لیجیے آداب عرض ہے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

بنام ڈاکٹر سید محی‌الدین زور قادری[2] صاحب

ڈیر مسٹر قادری

آپ کا عنایت نامہ ایک عرصہ سے جواب کا منتظر ہے ۔ میں اس تاخیر کی آپ سے معافی مانگتا ہوں ۔ مجھ کو اپنی نئی ملازمت[3] کے سلسلہ میں چند لیکچر دینے تھے ۔ چونکہ وقت کم اور کام زیادہ تھا اس لیے ان لیکچروں کی تیاری میں ہمہ تن مشغول رہا ۔

«پنجاب میں اردو» کے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے لیے آپ میرا شکریہ قبول کیجیے ۔ عبدالحق صاحب کے تبصرے نے تو مجھ کو سخت مایوس کیا ہے بلکہ میں اس کو بیداد سمجھتا ہوں[4] ۔

۱۔ خلیل احمد خاں صاحب دہلی میں نوٹ تبدیل کروا کر کسی نجی‌کام سے وہاں رک گئے اور کئی دن رہے ۔ شیرانی صاحب کو فکر دامن گیر ہوئی کہ خدا جانے تبدیلی کا کام ہو بھی سکا یا نہیں ۔ کئی روز بعد جب خلیل صاحب آئے تو اطمینان ہوا ۔ ان سطور میں خلیل صاحب کی نوجوانانہ بے نیازی کی طرف اشارہ ہے ۔ (مرتب)

۲۔ زور صاحب کے نام شیرانی صاحب کا یہ خط غالباً ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی وساطت سے «نقوش» لاہور کے مکاتیب نمبر (جلد دوم) میں چھپا تھا ۔ یہ زور صاحب کے اس خط کا جواب ہے جو انہوں نے شیرانی صاحب کو پیرس سے لکھا تھا ، جہاں وہ لسانیات کے علم کے حصول کی خاطر قیام پذیر تھے اور ہندوستانی زبانوں کی لسانیات کے موضوع پر تحقیق کر رہے تھے ۔

۳۔ شیرانی صاحب یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو اورینٹل کالج میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے تھے ۔ 'نئی ملازمت' کا اشارہ اسی طرف ہے ۔ (مرتب)

۴۔ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے شیرانی صاحب کی «پنجاب میں اردو» پر رسالہ «اردو» کے شمارۂ جولائی ۱۹۲۸ء میں مخالفانہ تبصرہ کیا تھا ۔ (مرتب)

آپ کے اعتراضات ایک حد تک بجا اور درست ہیں ۔ میں عجلت میں تھا ۔ بالخصوص پرنسپل عبداللہ یوسف علی کی تاکید کی بنا پر مجھ کو یہ کتاب قبل از وقت شائع کرنی پڑی ہے اور کئی موقعوں پر اس میں اجتہادی یا دوسری قسم کی غلطیاں بھی موجود ہیں ۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ ضروری یا تازہ مواد کے متعلق میں نے کافی اطلاع دے دی ہے ۔ میں نے جس ذخیرہ پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے وہ اکثر قلمی ہے جو خود میرے پاس ہے یا دیگر احباب کے مجموعہ کتب سے علاقہ رکھتا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :

«بعض چیزیں اس قدر اہم اور کام کی ہیں کہ ان کے ساتھ اگر ان کے واقعیت کے ثبوت اور پتے بھی دے جاتے تو وہ تھوڑی سی تشنگی باقی نہ رہتی جو اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں ۔»

آپ کا یہ جملہ تشریح کا محتاج ہے ۔ مہربانی کر کے آپ مجھ کو اطلاع دیجیے کہ وہ کون سے ضروری مقامات ہیں جہاں میں نے اپنے حوالے نہیں دیے ہیں ۔ مجھ کو پنجابی اردو مصنفین کے مخطوطات میں دلچسپی ہے ۔ اگر ان کے متعلق آپ کوئی تفصیلی اطلاع بہم پہنچائیں گے تو میں بے حد شکرگذار ہوں گا ۔ بالخصوص تالیفات کے متعلق جو بیلو تیک ناسیو نال[1] میں آپ بتاتے ہیں ۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ بہت جلد یورپ سے کامیاب واپس اپنے وطن تشریف لے آئیں گے اور ادبیات کی خدمت میں حسب معمول سرگرم و مستعد رہیں گے ۔ والسلام

محمود شیرانی

۱۸ ۔ فلیمنگ روڈ ۔ لاہور

۲ ۔ اپریل ۱۹۲۹ء

بنام پروفیسر محمد فضل‌الدین قریشی صاحب[2] مرحوم

(۱)

مائی ڈیر قریشی[3]

میں ساڑھے چھ بجے تمہاری طرف پہونچوں گا ۔ طیار رہنا ۔ 'خان'[4] نے بلایا ہے ۔

فقط

م ۔ ش

---

۱ ۔ فرانس کی نیشنل لائبریری واقع پیرس ۔ (مرتب)

۲ ۔ پروفیسر محمد فضل‌الدین قریشی شیرانی صاحب کے عزیز ترین دوستوں میں تھے ۔ ۳۰ ۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے ۔ ۱۹۱۴ء میں علی گڑھ سے بی ۔ ایس سی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۵ پر)

(۲)

قریشی صاحب[1]

شعر ذیل میری سمجھ میں نہیں آیا ۔ میں سنتا ہوں کہ آپ شعر فہمی میں طاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴)

کیا ۔ چند برس مختلف سکولوں میں ٹیچر رہے ۔ پھر علی گڑھ سے ۱۹۲۵ء میں ایم ۔ ایس سی (فزکس) کی ڈگری لی ۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۵ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر رہے ۔ اس عرصے میں شیرانی صاحب سے ان کی گہری دوستی ہو گئی اور ان کے شوق دلانے پر قریشی صاحب نے ۱۹۴۵ء میں ایم ۔ اے ۔ عربی کا امتحان پاس کیا اور مسلمانوں کی سائنس میں خدمات پر تحقیق شروع کی ۔ اسی مقصد سے جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں بالترتیب ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۰ء میں ڈپلومے حاصل کیے ۔ اسلامیہ کالج کے بعد مختلف گورنمنٹ کالجوں اور زمیندارہ کالج گجرات میں پروفیسر رہے ۔ ۱۹۵۸-۶۰ء میں پنجاب یونیورسٹی کے سینئر ریسرچ سکالر تھے ۔ ان کا انتقال لاہور میں ۱۸ ۔ اپریل ۱۹۷۹ء کو ہوا ۔ انھوں نے ادارۂ معارف اسلامیہ کے اجلاسوں میں سائنس کے موضوعات پر مضامین پڑھے ۔ ان کی مرتب کردہ البیرونی کی کتاب «غرۃالزیجات» (کرن تلک) حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی نے شائع کی ہے ۔ ان کی مترجمہ اور مرتبہ کتابوں میں قطب الدین شیرازی کی «نہایت الادراک» بیرونی کی کتاب الصیدنہ (یا صیدلہ) اور «قانون مسعودی» کا اردو ترجمہ اشاعت کے منتظر ہیں ۔ (مرتب)

۲- اس رقعہ پر کوئی تاریخ درج نہیں ۔ غالباً اس دور کا ہوگا جب شیرانی صاحب کی ملازمت میں توسیع کی کوششیں جاری تھیں یعنی ۱۹۳۸ء کا ۔ (مرتب)

۳- 'خان' سے مراد سعادت علی خاں صاحب ہیں جو برکت علی خاں رئیس شاہجہان پور کے پوتے تھے ۔ وہ آنریری مجسٹریٹ تھے اور موچی دروازہ کے باہر پیلی کوٹھی میں رہتے تھے ۔

پروفیسر قریشی صاحب نے اس رقعہ ہی پر بطور جواب یہ سطور لکھ کر واپس کر دیا تھا :

«۵ بجے بعد دوپہر ۔ میں میاں عبدالعزیز کے ہاں جا رہا ہوں ۔ ساڑھے پانچ بجے مسلم لیگ کا جلسہ ہے . . . لوگ وہاں چلے جائیں گے ۔ شاید مجھے وہاں بھی جانا پڑے ۔ اس کے بعد مغرب کے قریب خواجہ عبدالحمید کے ہاں جانا ہے ۔ پھر کہیں ساڑھے آٹھ بجے تک واپس آ سکوں گا ۔ آپ خان صاحب سے مل لیں ۔ میں نے سب بات سمجھا دی ہے ۔ میرا ملنا ان سے ضروری نہیں ۔»

۱- اس رقعہ پر بھی کوئی تاریخ موجود نہیں ۔ مرحوم قریشی صاحب جن سے میں نے یہ رقعے اور خطوط حاصل کیے تھے فرماتے تھے کہ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں بہت دن تک ان کی خدمت میں نہ جا سکا تب شیرانی صاحب نے یہ رقعہ مجھے ارسال کیا تھا ۔ (مرتب)

بلکہ شہرۂ آفاق ہیں :

تو بفرمای کہ در فہم نداری ثانی

لہذا عرض ہے :

بران صید مسکیں چہ بیداد رفت کہ در دام از یاد صیاد رفت

والسلام

محمود شیرانی

(۳)

مہندی باغ - علی گنج

ٹونک راجپوتانہ

۶- ستمبر ۱۹۳۹ء

مائی ڈیر پروفیسر قریشی[۱]

عنایت نامہ پہونچا - یاد آوری کا شکریہ - پروفیسر محفوظ الحق[۲] کے خط سے آپ کے کلکتہ پہنچنے کا حال معلوم ہوا - اب کے تو بڑی دور دور کے دھاوے مارے - باقی باتیں بروقت ملاقات ہوں گی - آج میں یہاں سے رخصت ہوتا ہوں اور چند روز کھٹو ٹھہر کر ۱۶ کو لاہور پہونچ جاؤں گا - اس کتاب[۳] کے مستعار لے جانے کا بندوبست بہ ظاہر حالات ممکن نہیں - نیا انتظام ہو گیا ہے - موسم یہاں گرم رہا - پچھلے پندرہ بیس روز سے بارش ہوئی ہے - آج بھی صبح سے ترشح ہو رہا ہے - باقی بروقت ملاقات - والسلام

محمود شیرانی

(۴)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۶- جون ۱۹۴۵ء

مائی ڈیر پروفیسر قریشی

تلطف نامے کا شکریہ - آج کل ٹونک کا موسم باہر سے آنے والوں کے ساتھ سازگار

۱- یہ خط شیرانی صاحب نے اپنے وطن ٹونک سے لکھا ہے جہاں وہ موسم گرما کی تعطیلات میں مقیم تھے - (مرتب)

۲- کلکتہ یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر تھے - (مرتب)

۳- کتاب سے مراد قطب الدین شیرازی کی «نہایۃ الادراک فی درایۃ الافلاک» کا فارسی خلاصہ «تحفہ شاہیہ» ہے - اس کا ایک نسخہ ریاست ٹونک کے سرکاری کتب خانے میں تھا - پروفیسر قریشی صاحب کو مسلمانوں کے علم الہیئت پر کام کرنے کی غرض سے اس کی ضرورت تھی -

نہیں ۔ اس لیے آپ مع باسط[1] تشریف لانے کا ارادہ نہ کیجیے ۔ دن کو تیز دھوپ اور سخت لو چلتی ہے ۔ گرمی بہت زیادہ پڑ رہی ہے ۔ میں نے آپ کو مئی میں بلایا تھا ۔ اس وقت موسم ٹھیک تھا ۔ خربوزے موجود تھے ۔ فالیز میرے ہاں بھی طیار تھی ۔ اب خربوزے بالکل غائب ہیں ۔ فالیزیں جل کر آندھیوں کے حوالے ہوئیں ۔ لاہور سے ٹونک تک آنے کی تکلیف کے بعد کچھ تو نعم البدل ملنا چاہیے ۔ اس لیے مہربانی کرکے اپنی آمد کا ارادہ آیندہ مئی ۴۶ء تک ملتوی رکھیے ۔ آپ مئی کے پچھلے پندرھواڑے میں آئیے یعنے ۱۵ ۔ مئی کو آ جائیے بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں جیتا ہوں ۔ نذیر[2] ، اختری[3] اور صفدر[4] کو دعا ۔ باقی خیریت ہے ۔ والسلام

باسط اور ڈاکٹر صادق[5] کو سلام ۔ موخرالذکر سے کہنا کہ آپ پر میرا ایک خط قرض ہے ۔

آج کل میری صحت ٹھیک ہے ۔

محمود شیرانی

بنام قاضی عبدالودود صاحب[6]

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۲۔ اکتوبر سنہ ۴۴ء

حضرت محترم

(۱) جہاندار کا شعر مجموعۂ نغز میں نہیں ملا ۔ البتہ سکندر کی رباعی تذکرۂ ہندی کی طرح اس میں بھی موجود ہے ۔

۱۔ پروفیسر عبدالباسط خاں صاحب اسلامیہ کالج لاہور میں عربی اور اردو کے استاد اور شیرانی صاحب اور قریشی صاحب کے مشترک دوست تھے ۔ مئی ۱۹۶۱ء میں لاہور (ماڈل ٹاؤن) میں وفات پائی ۔ (مرتب)

۲۔ قریشی صاحب کے بڑے صاحبزادے ۔ آج کل سمن آباد (لاہور) میں رہتے اور کاروبار کرتے ہیں ۔ (مرتب)

۳۔ اختر قریشی صاحبہ ، پروفیسر قریشی مرحوم کی صاحبزادی لیڈی ڈاکٹر ہیں (بیگم جسٹس گل محمد خاں ۔ لاہور ہائی کورٹ) ۔ (مرتب)

۴۔ قریشی صاحب کے دوسرے صاحبزادے ۔

۵۔ ڈاکٹر صادق حسین صاحب ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس جن کے نام ایک خط اسی مجموعے میں شامل ہے ۔ (مرتب)

۶۔ قاضی صاحب کے نام اس واحد خط کا عکس ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری ، بانکی پور پٹنہ کے وساطت سے حاصل ہوا ۔ (مرتب)

(۲) یہاں خمخانۂ جاوید کی جلدیں نہیں مل سکتیں ۔ نہ دیوان معروف ملتا ۔ میں نے اس دیوان کے لیے سب سے اول ڈاکٹر عبدالحق کی خدمت میں دہلی لکھا ۔ پھر ان کی ہدایت کے مطابق مرزا نصر اللہ خاں کو حیدر آباد نیز ہدایوں میں ، جہاں وہ دیوان چھپا تھا ، لکھا ۔ لیکن سب سے جواب نفی میں ملا ۔ نصر اللہ خاں نے البتہ یہ عنایت کی کہ طالب دہلوی کی تقریظ کی نقل بھیج دی ۔ اس میں تو معروف کے اشعار کا دیوان ذوق میں ملائے جانے کا کوئی مذکور نہیں ۔

(۳)[1] جی ہاں یہ میرے طبعی نسیان اور غیر حاضر طبیعت کا تقاضا ہے کہ آپ جعفر کا ذکر کریں اور میں دو پیازہ سمجھوں ۔ معافی کا خواستگار ہوں ۔

(۴)[2] مجھ کو تعجب آ رہا ہے کہ آپ قاطع برہان کو ترتیب دے رہے ہیں ۔ کمپنی نے فارسی زبان کو سنہ ۱۸۳۵ء میں قتل کیا ہے ۔ اب اس کا چرچا ہندوستان میں ایک تاریخی یادگار کے طور پر ہے اور بس ۔ آپ کو ہندوستان میں دس بیس آدمی بھی مشکل سے ملیں گے جو آپ کی اس محنت کی داد دیں گے ۔ خود مرزا کہتے ہیں :

این مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن

بے شک اگر آپ کو شوق ہے تو اس شوق کی محنت پر ہاتھ ڈالیے ۔

(۵) مجھے یاد پڑتا ہے کہ ظفر نامۂ شرف الدین یزدی کا ایک قلمی نسخہ مولانا شیر علی کے ہاتھ کا سنہ ۸۷۲ھ کا نوشتہ ، جس میں بہزاد کے قلم کی تصویریں تھیں ، پیرس میں میں نے گولوبیاف کے پاس دیکھا تھا اور اس کی کتابوں کی فہرست بھی طیار کی تھی ۔ اس کے سرورق پر جہانگیر بادشاہ نے اپنے قلم سے کچھ عبارت لکھی تھی کہ یہ نسخہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نہیں بلکہ عرش آستانی کی خدمت میں ، میں بھولتا ہوں ، یا مولانا جمال الدین انجو نے یا ان کے والد کمال الدین انجو نے پیش کیا تھا ۔ اس عبارت میں کوئی ایسا لفظ بھی موجود ہے جس سے تصور ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ان کی ابتدائی ملازمت میں وقوع میں آیا تھا ۔ آپ اس عبارت کی نقل آپ کے ہم شہر پروفیسر محفوظ الحق سے حاصل کر سکتے ہیں ۔ میں نے یہ کتاب سنہ ۱۹۱۱ء میں دیکھی تھی اور میرا حافظہ نہایت کمزور ہے جس کا ایک آدھ نمونہ آپ اس سے قبل دیکھ بھی چکے ۔ بہرحال مولانا جمال الدین کے ایرانی ہونے میں مجھ کو پورا پورا یقین ہے ۔ اس وجہ [سے] افسوس سے عرض کرتا ہوں کہ میں یہاں اس بارہ میں آپ کی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتا ۔ نہ میرے پاس کتابیں ہیں نہ کتب حوالہ اس شہر کے کسی کتب خانے میں موجود ہیں ۔ اتفاق سے اگر کوئی کتاب مل جائے تو وہ دوسری بات ہے ۔ اب اس شہر میں پڑھے لکھے

۱۔ یہاں غلطی سے خط میں (۴) لکھا گیا ہے ۔
۲۔ اس جگہ خط میں (۵) لکھا ہے ۔

لوگ نہیں رہے ۔ اکثر تو فوت ہو چکے ہیں اور ان کی کتابیں بک گئیں ۔ باقی ماندہ اب سے بائیس سال قبل کسی سیاسی تحریک کی بنا پر خارج البلد کر دیے گئے جن میں میں بھی شامل تھا ۔ اب بائیس سال کے بن باس کے بعد موت کے انتظار میں واپس آیا ہوں ۔ شوق علمی باقی ہے مگر ازیں سو راندہ و ازاں سو درماندہ والی کیفیت ہے ۔

علمی استفسارات کے سلسلے میں آپ کی خط و کتابت ؟] کا شکریہ ۔ میں گاہے ماہے ایسی زحمت کرتا رہوں گا بشرطیکہ صحت نے اجازت دی ۔

والسلام مع الاکرام

محمود شیرانی

کل رعنا کے اقتباس کی بالفعل کوئی ضرورت نہیں ۔ جس وقت ضرورت ہوگی آپ کی خدمت میں رجوع کروں گا ۔ والتسلیم

م ۔ ش

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب[1]

(۱)

۱۸ فلیمنگ روڈ ، لاہور

۷ جون ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر سید[2]!

عنایت نامہ کا شکریہ ۔ آپ میری طرف سے ہدیہ مبارک باد قبول کیجیے ۔ آپ ایم ۔ اے میں اول رہے ہیں ۔ نتیجہ آج ہی اخبارات میں شائع ہوا ہے ۔ آپ کو مجھ سے پیشتر دیگر ذرائع سے اطلاع پہنچ گئی ہوگی ۔ مقام شکر ہے ۔ مجھ کو بے حد خوشی ہوئی ۔

آپ کے سیکرٹری صاحب اس روز کے بعد مجھ سے کبھی نہیں ملے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھ سے ناراض ہیں ۔ اگر کبھی ملاقات ہوئی اور موقع نکل آیا تو تذکرہ ضرور کر دوں گا ۔ صوفی صاحب[3] بھی کبھی نہیں ملے ۔

پروفیسر شفیع یہاں سے پانچ کو چل دیے اور وہ آپ سے خفا ہیں ۔ میں نے حتیٰ الامکان ان کے خیالات میں تبدیلی کی کوشش کی ۔

ہزارہ آنا میرے لیے دشوار ہے ۔ بال بچے ۵ کو وطن چلے گئے ۔ یہاں میں اور

۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے نام شیرانی صاحب کے یہ خطوط ''نقوش'' لاہور کے مکاتیب نمبر (جلد دوم) سے لیے گئے ہیں ۔ (مرتب)

۲۔ ان دنوں سید صاحب امتحان سے فارغ ہو کر اپنے وطن منگلور (ضلع ہزارہ) میں مقیم تھے ۔ (مرتب)

۳۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم مرحوم ۔

کالا[1] اور جمیل[2] ہیں ۔ کھانا پکانا انھی کے ہاتھوں میں ہے ۔ مجھے تقریباً بھوکا رہنا پڑتا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو ممکن ہے کہ کھانے ہی سے دست بردار ہو جاؤں ۔ گرمی انتہا درجہ کی پڑ رہی ہے ۔ رات تمام رات حبس تھا ۔ ہوا کا نام نہ تھا ۔ پنکھے کے ساتھ بھی نیند نہ آتی تھی ۔ میں نے ایسی گرم راتیں لاہور میں بہت کم گذاری ہیں ۔

اب تو آپ سے ملاقات اکتوبر میں ہوگی ۔ آپ کے والد ماجد کی خدمت میں میرا سلام نیاز ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۲)

سید صاحب !

آپ کے خط عرصہ سے جواب کے منتظر ہیں ۔ اس میں میرے تساہل کے علاوہ آپ کی بوجھ پہیلی بہ تعلق ''نل دمن''[3] احمد سراوی بھی ذمہ وار ہے ۔ نل دمن سے میں نا آشنائے محض ہوں نہ اس کی لسانی خصوصیات سے واقف ۔ حیران تھا کہ جواب کیا دوں ۔ قیام دہلی کے زمانہ میں اورینٹل کالج میگزین آیا ۔ اس میں آپ کا شائع کردہ نل دمن کا حصہ نظر سے گذرا ۔ لیکن وہاں میں اور امور میں مشغول تھا اور ہریانی کے نمونے بھی موجود نہ تھے ۔ یہاں آئے پندرہ روز سے زیادہ ہوگئے لیکن باوجود کوشش و خواہش ابھی تک جواب کی نوبت نہیں آئی ۔ میری صحت دن بدن خراب ہو رہی ہے ۔ سانس اور دل کی تکلیف بڑھ رہی ہے ۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ۔ آج کل تو یہاں سردی بھی غیر معمولی پڑ رہی ہے ۔ اس سردی نے تو پنجاب کو بھی مات کر دیا ۔

۱۔ شیرانی صاحب کے بھائی مودود خاں کے دوسرے لڑکے ۔ علی اکبر خاں نام تھا ۔ ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے ۔ رنگت انتہائی صبیح تھی ۔ برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق ''کالا'' پیار کا نام تھا ۔ عرصہ سے مالوہ کے شہر سیلانہ میں کاروبار کرتے ہیں ۔ (مرتب)

۲۔ جمیل الرحمن خاں شیرانی ۔ ان کا ذکر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب کے نام خط میں آیا ہے اور اس پر چغتائی صاحب نے بھی حاشیہ دیا ہے ۔ وہاں ملاحظہ کیجیے (مرتب)

۳۔ احمد سراوی کی مثنوی ''نل دمن'' مراد ہے ۔ اس پر سید صاحب کا ایک مضمون بہ عنوان ''نل دمن احمد اور اس کی زبان'' اورینٹل کالج میگزین کے اگست ۱۹۳۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا ۔ اس خط میں اس مثنوی کی زبان کی بابت اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ (مرتب)

نل دمن کی زبان کو ہریانی کہنا جغرافیائی اعتبار سے تو یقیناً غلط ہے - ہریانہ کا اطلاق ایک خاص خطہ پر ہوتا ہے - میرٹھ کو اس میں داخل کرنا درست نہیں - اس میں لسانی مطابقت اردو کی بنا پر ہے جس کی دونوں شاخیں ہیں - پھر بھی ان میں فرق موجود ہے - سراوی کی زبان زیادہ صاف اور منجھی ہوئی ہے - اس میں فارسی غالب ہے - برخلاف اس کے ہریانی ٹھیٹ دہقانی ہے - اس پر فارسی اثر کم ہے - آپ اس کو ورنیکلر ہندوستانی مان لیں تو کوئی حرج نہیں یا دہلی کے مضافات کی قصباتی زبان کہہ دیں یا قصباتی اردو کہہ لیں -

ہریانی کا لفظ میرا اپنا اختیار کردہ ہے - سرکاری رپورٹ میں اس علاقہ کی زبان کو جٹو ، جٹی ، باگڑی ، بانگڑ ، چمروا وغیرہ ناموں سے یاد کرتی ہے - یہ نام مقامیوں کو پسند نہیں - ویسے بھی بھلے نہیں معلوم ہوتے - اس لیے میں نے ہریانہ کی اصطلاح کو اختیار کر لیا - اس اصطلاح کا تمام دہلی کے گرد و نواح کی زبان پر اطلاق درست نہیں ہوگا - ایسی اردو کے نمونے اور علاقوں سے بھی دستیاب ہوں گے - مثلاً صوبہ اجمیر ، آگرہ الہ آباد وغیرہ -

آپ کی کتاب کے متعلق مولانا عبدالحق نے اثبات میں جواب دیا تھا[1]- اگر اب تک ان کے آفس نے آپ کو نہیں لکھا ہے تو عنقریب لکھیں گے -

میری چیزوں کی اشاعت کے متعلق میں سوچ رہا ہوں - تنقید وغیرہ کو تو انجمن شاید اس سال چھاپ دے -[2] باقی چیزوں کا شاید جلد بندوبست نہ ہو سکے -

یہ عبداللہ نے کیا بے پر کی اڑائی - میں اس بدصحتی کی حالت میں گجرات جا کر کیا کرتا - میرے لیے تو دلی بھی گجرات ہے -

مولانا نذیر احمد[3] کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجیے - اس میں بھانجے صاحب بھی شریک ہیں یعنی بابو صدیق احمد خاں[4]- ڈاکٹر بنارسی[5] داس اور لالہ منشی رام[6]

۱- مولوی عبدالحق صاحب نے سید صاحب کے مقالے ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' کو چھاپنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا - یہ کتاب انجمن کی جانب سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی - (مرتب)

۲- ''تنقید شعر العجم'' مراد ہے جو انجمن نے ۱۹۴۲ء میں شائع کی تھی - (مرتب)

۳- لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری - (مرتب)

۴- صدیق صاحب اورینٹل کالج میں ہیڈ کلرک تھے - پھر ترقی کرتے کرتے پنجاب یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات ہوگئے تھے - (مرتب)

۵- ڈاکٹر بنارسی داس جین اکتوبر ۱۹۲۸ء میں ہندی کے لیکچرار مقرر ہوئے - ۱۹۴۵ء میں ریڈر ہوگئے تھے - تقسیم ہند پر بھارت چلے گئے تھے - لدھیانہ میں ۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو انتقال ہوا - (مرتب)

۶- اورینٹل کالج میں ('اونلی انگلش' کلاسز کو) انگریزی پڑھاتے تھے - (مرتب)

کو میرا سلام کہنا ۔ موخرالذکر سے محمد احمد کے متعلق میری طرف سے سفارشی الفاظ کہہ دینا ۔ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ ، ۱۵ جنوری ۱۹۴۲ء

(۳)

مائی ڈیر سید صاحب !

جے پور سے واپسی پر جہاں میں دمہ کے علاج کے واسطے گیا تھا ، مجھے آپ کی قابل قدر تصنیف ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' جو دیر سے یہاں میری منتظر تھی ، ملی ۔ اس کے لیے آپ میرا دلی شکریہ قبول کیجیے ۔ آپ کی تالیف کو جب کھولا ۔ سب سے پہلے وہ ورق کھلا جس میں وارستہ کی تصنیفات کا ذکر تھا ۔ یہاں صفات کائنات یا عجائب و غرائب کا ذکر ہے ۔ دوسرے صفحہ پر جنگ رنگا رنگ کا مذکور ہے ۔ میرے خیال میں یہی چیزیں یا ان سے ملتی جلتی میرے مجموعہ' قلمیات میں ہیں جو اب پنجاب یونیورسٹی کی ملک ہے ۔ دونوں چیزیں وارستہ کی ہیں ۔ لیکن مجھ کو ان کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا ۔ میں نے جلدی میں انہیں بیاضوں میں داخل کر لیا تھا ۔ ان میں سے ایک کا نمبر ۹۴۲ ہے ۔ میں نے اس کا نام ، معلوم نہیں کیوں ، نامہ' نگارین و صحیفہ' رنگین' رکھ لیا ہے ۔ یہ تو اس تالیف کے واسطے ایک تو صیفی جملہ معلوم ہوتا ہے ۔ بہرحال یہ بیاض نثری نمونوں پر شامل ہے ۔ نسخہ نہایت پاک و صاف ہے اور اس کی تاریخ کتابت سنہ ۱۲۳۶ھ ہے ۔ دوسری بیاض کا نمبر ۱۴۷۶[1] ہے ۔ نسخہ پاکیزہ ہے اور شعرا کے نمونہ' کلام پر شامل ہے ۔ بعض موقعوں پر وارستہ اعتراض بھی کرتا ہے اور اسی سے مجھے معلوم بھی ہوا کہ یہ بیاض وارستہ کی یادگار ہے ۔ بہرحال آپ ان دونوں چیزوں کو دیکھیے ۔

میں نومبر سے بیمار ہوں ۔ جنوری میں جب دمہ کے دورے سخت اور تقریباً روزانہ ہونے لگے ، میں علاج کے واسطے جے پور جا کر وہاں کے ہسپتال میں داخل ہوگیا ۔ سترہ اٹھارہ روز رہا اور ڈاکٹر کی اجازت سے فروری میں واپس آیا ۔ جے پور میں اگرچہ دورے بعد میں بند ہوگئے تھے لیکن ٹونک آنے سے چوتھے دن بعد ایسا سخت دورہ پڑا کہ خدا کی پناہ ۔ دل پر اس کا برا اثر پڑا ۔ جسم کے جوڑ جوڑ میں تکلیف رہی ۔ تین چار روز تک بدن پر لرزہ طاری رہا اور اب بھی ہے ۔ اب تک میں خط لکھنے سے معذور تھا ۔ ہاتھ بری طرح کانپتا تھا ۔ گرمی میں اگر طبیعت سنبھل گئی تو خیر ورنہ سفر آخرت بہت قریب سمجھو ۔ جسم کی طاقت بالکل زائل

۱۔ وارستہ کی بیاض کا نمبر ۱۴۷۶ ہے ۔ (مرتب)

ہو چکی ہے اور دل ہر قسم کے صدموں ، آوازوں اور شور سے اثر پذیر ہونے لگا ہے ۔ دن میں کئی کئی مرتبہ ڈوبنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ خدا خاتمہ بخیر کرے ۔ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ ، ۱۷ فروری ۱۹۴۴ء

(۴)

مائی ڈیر سید صاحب !

میں آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں اور بدرجۂ مجبوری لکھ رہا ہوں ۔ میرے ہم وطن محمد شریف ہیں جو پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں اس سال شریک ہونے کے گنہگار ہیں ۔ میں بھولا اونلی انگلش (Only English) میں شریک ہوئے تھے ۔ یونیورسٹی نے ان کا رزلٹ شائع نہیں کیا اور اپنے سرکلر لیٹر 14331/A کے ذریعہ سے تیس روپے ان سے طلب کیے ۔ شریف صاحب نے میرے مشورہ سے وہ روپے بھیج دیے جس کی رسید نمبر ۴۴۵۵ یونیورسٹی سے ان کو مل گئی ۔ اس کے بعد ایک اطلاعی کارڈ No. Ex. Fees 2/15914/A آیا جس میں تحریر تھا کہ اب تم نے اپنی فیس کا حساب صاف کر دیا ہے ۔ کنٹرولر صاحب کو اطلاع دے دی گئی ہے ۔ تمہارا نتیجہ جلد شائع کر دیا جائے گا ۔ ساتھ ہی کارڈ اطلاعی آیا کہ RoH No· 13361 میٹرک کے امتحان میں 'غیر حاضر' ہے ۔ نیچے ہمارے دوست عطا محی الدین[1] صاحب کے دستخط ہو رہے ہیں ۔ یہ اطلاع غیر اطمینان بخش ہے ۔ کیونکہ رول نمبر مذکور امتحان میں شریک ہوا ہے اور کاپی دے کر آیا ہے یعنی English Only کی ۔ اب معلوم نہیں کہاں غلطی ہوئی ہے کہ ایک 'حاضر' کو یونیورسٹی 'غیر حاضر' قرار دے رہی ہے ۔ محمد شریف بے چارے بہت پریشان ہیں ۔ میرے پاس اس سلسلے میں کئی دفعہ آ چکے ہیں ۔ مجھ کو شرم آتی ہے اس لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں ۔ مہربانی کرکے اس بارہ میں آپ ذرا دلچسپی لیجیے اور ان کے نتیجۂ امتحان سے اطلاع دیجیے ۔ ممکن ہے کہ یونیورسٹی نے شریف صاحب کو پورے امتحان میں شریک مانا ہو اس لیے غیر حاضر قرار دیا حالانکہ وہ صرف انگریزی کے امیدوار تھے ۔ یونیورسٹی نے تیس روپے مانگے تھے اس لیے انہوں نے میرے مشورے سے تیس ہی بھیج دیئے ۔ حالانکہ English Only کی صرف بارہ روپے فیس ہے اور پانچ روپے لیٹ فیس کے ، اس حساب سے ساڑھے سترہ ان کو لینے چاہییں میں نے شریف صاحب سے کہا ہے کہ بقایا کے رفنڈ کی درخواست کر دو ۔

۱- یونیورسٹی میں سپرنٹنڈنٹ تھے ۔ پھر اسسٹنٹ کنٹرولر امتحانات اور بعد ازاں کنٹرولر ہو گئے تھے ۔ (مرتب)

مہربانی کرکے ذرا تکلیف گوارا کرکے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیجیے اور مجھے جواب دے کر اپنا شکرگذار بنائیے ۔

آج پونا والے ڈاکٹر کا خط آیا ہے ۔ باقی خیریت ہے ۔ اورینٹل کالج میگزین کا کیا حال ہے ؟ یاران قدیم میں سے کون کون باقی ہے ؟ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ، ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء

جواب کے لیے ٹکٹ ارسال ہے ۔ خفا نہ ہوجیے ۔ ہاں یہ بھی لکھیے کہ فاضل رقم کے رفنڈ کے واسطے کس سے خط و کتابت کی جائے گی ۔

م ۔ ش

(۵)

URGENT

مائی ڈیر سید صاحب !

میں آپ کے مہربانی نامے اور توجہ اور تکلیف کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ بے چارے محمد شریف آپ کی اطلاع کے باوجود میٹرک میں لٹک رہے ہیں ۔ آپ کے بعد بھی یونیورسٹی سے درخواست کی گئی مگر آفس سپرنٹنڈنٹ کا جواب تھا کہ تمھارا نتیجہ بھیج دیا گیا ہے ۔ اگر یہ نتیجہ دوبارہ مانگتے ہو تو پانچ روپے اور لاؤ ۔

محمد شریف صاحب کی درخواست آپ کی خدمت میں بھجوا رہا ہوں ۔ اگر آپ خود یا بھانجے صاحب کے ذریعے سے اپنے طور پر ان کی درخواست پر حکم مناسب لے سکیں تو بہت اچھا ہو ۔ کیا ظلم کی بات ہے کہ ایک شخص کو جو امتحان میں شامل ہوا ہے زبردستی غیرحاضر دکھایا گیا ہے ۔ بھائی جو کچھ آپ سے ہو سکے کیجیے ۔ شریف صاحب بہت پریشان ہیں ۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ میری کتابوں کی فہرست نگاری آپ کے حصے میں آئی ہے ۔ مہربانی کرکے آپ اس کی فہرست اسی طریقے سے تیار کیجیے جس طرح ریو اور عبدالمقتدر خاں نے کی ہے ۔ اس بارہ میں میں ہمیشہ آپ کو مشورہ دینے کے لیے تیار ہوں ۔

آپ نے کالج کے حالات مفصل نہیں لکھے ۔ ڈاکٹر صاحب کچھ نہیں لکھتے ۔ اورینٹل کالج میگزین اور عربک پرشین سوسائٹی کا چندہ ذریعہ ہذا بھیج رہا ہوں ۔ مبلغ ۵ روپے ۔ مہربانی کرکے آپ داخل کر دیجیے اور رسیدیں بھجوا دیجیے ۔ شریف صاحب جلدی میں ہیں اس لیے یہ نوٹ ختم کرتا ہوں ۔ والسلام

ماموں بھانجوں کو سلام ۔ والدعا

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ، ۲۵۔ دسمبر ۱۹۳۵ء

مہربانی کرکے آزاد گلشن یا میرے مجموعے یا اور کہیں سے ذوق کا ایسا کلام بھیجیے جو اب تک شائع نہ ہوا ہو ۔ والسلام

م ۔ ش

(۶)

مائی ڈیر سید صاحب !

لطف نامہ پہنچا ۔ بھائی کیا کرتے ہو ۔ وہ پانچ روپے میں نے اورینٹل کالج میگزین اور عربک سوسائٹی کے چندہ کے واسطے بھیجے ہیں ۔ آپ شریف صاحب کی امانت کیونکر سمجھ بیٹھے ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرا خط پورا نہیں پڑھا ۔

ریڈر شپ کی مبارکباد قبول ہو ۔ گریڈ میں کیا اضافہ ہوا ، یہ نہیں لکھا ۔ شریف صاحب کے سلسلے میں آپ کا اور صدیق صاحب کا شکریہ ۔ صدیق صاحب کی تجویز تو بہت مناسب معلوم ہوتی ہے، خدا کرے راست آئے ۔

ہاں خوب یاد آیا ۔ آپ یہ پانچ روپے میری ملک سمجھ کر جس طرح میں عرض کروں کار فرما ہوں یعنی (۱) چندہ اورینٹل کالج میگزین (۲) چندہ عربک پرشین سوسائٹی ۔ اگر کمی ہو تو مجھے لکھ دیجیے ۔ اگر فالتو ہو تو علی الحساب جمع کرا دیجیے ۔ میں اس چندہ یا چندوں کے لیے بہت متفکر ہوں کیونکہ ان پر ایک افتاد پہلے پڑ چکی ہے ۔ پچھلے جون یا مئی میں میرے پاس چندہ کی طلب میں کارڈ آیا ۔ میں نے گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ میگزین کے چندہ کے واسطے چار روپے بنام ڈاکٹر محمد اقبال منی آرڈر کر دیں ۔ چنانچہ چار کا منی آرڈر کر دیا گیا ۔ تین ماہ کے انتظار کے بعد میں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ ان چار روپوں کی کوئی رسید بھی آئی یا نہیں ۔ چند روز کے بعد جواب دیا کہ وہ روپے تو انہی دنوں میں واپس آ گئے تھے اور خرچ بھی ہوگئے ۔ میں حیران رہ گیا ۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور دریافت کیا کہ آخر منی آرڈر کیوں واپس ہوا ۔ دیر کے بعد جواب آیا لیکن میرے استفسار کا کوئی جواب نہ تھا ۔ اب آپ کے ذریعے دوبارہ کوشش ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے شریف صاحب کی امانت مان لیا ۔ آپ مجھے بواپسی جواب کیا بلکہ رسیدیں ڈاکٹر صاحب سے لے کر بھجوائیے ۔

میرے مجموعے کی فہرست علیحدہ رہنی چاہیے نہ میرا مجموعہ یونیورسٹی کے مجموعے میں توڑ کر شامل کرنا چاہیے بلکہ اس کی جداگانہ ہستی قائم رہنی چاہیے ۔ یہ تو

لائبریرین کا سب سے پہلا وعدہ تھا ۔ میں اس بارہ میں لائبریرین کو لکھوں گا اور آپ لائبریری کمیٹی میں کمیٹی کے فیصلے کے خلاف میری طرف سے احتجاج کریں ۔

میری صحت بالکل گر چکی ہے ۔ معلوم نہیں کب تک مہمان رہوں ۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ۔ بڑی کوشش کے بعد دس بیس قدم چل سکتا ہوں ۔

ذوق کے کلام کے سلسلے میں مجھے کچھ یاد نہیں ۔ آپ میری اردو کی بیاضیں دیکھ سکتے ہیں ۔ ممکن ہے کہیں کچھ مل جائے ۔ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ، ۱۳ ۔ جنوری ۱۹۴۶ء

بڑے بھیا بھی کبھی ملتے ہیں ۔ میری مراد شیخ عبدالعزیز بیرسٹر بٹالہ سے ہے ۔ ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجیے ۔ میں ان کو علیحدہ بھی عریضہ لکھ رہا ہوں ۔ ماموں بھانجے کی خدمت میں سلام ۔ ان سے کہنا کہ اگر ٹونک کے خربوزے میری زندگی میں کھانے ہیں تو مئی میں آ جاؤ ۔ اس دعوت میں آپ بھی شریک ہیں ۔

فقط

م ۔ ش

بنام ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب[1]

(۱)

فلیمنگ روڈ ۔ لاہور

۳ ۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر ماسٹر صاحب[2]

آپ کا عنایت نامہ مجھے لاہور کے پتہ پر ملا ۔ شکریہ ۔ ساتھ ہی ان اطلاعات کا

---

۱ ۔ محترم ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب نے اپنے نام مرحوم پروفیسر شیرانی کے یہ خطوط مع سیر حاصل حواشی کے ''اورینٹل کالج میگزین'' کے مئی ۱۹۵۱ء شمارے میں شائع کروا دیئے تھے ۔ حواشی میں جہاں جہاں میں نے کوئی اضافہ کیا ہے، قوسین میں ہے اور اس کے آگے لفظ ''مرتب'' درج کر دیا ہے (مرتب)

۲ ۔ آپ نے یہ خط مجھے اورنگ آباد (دکن) کے پتہ پر بوساطت قبلہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو لکھا تھا، جب کہ ابھی آپ وہیں مقیم تھے اور آپ کا مکان وہاں مقبرہ دل رس بانو بیگم رابعہ دورانی زوجہ اورنگ زیب عالم گیر کے بالکل ساتھ شمال کی طرف ملا ہوا تھا ۔ اس کو راستہ مقبرہ کے اندرون سے ہی تھا ۔ راقم اس وقت یورپ کے سفر سے اول مرتبہ واپس آ چکا تھا ۔ مولوی صاحب اس وقت اپنی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۷ پر)

شکریہ جو آپ نے 'زمانہ' اور 'معارف' کے مضامین کے متعلق دی ہیں ۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میں نے نذیر احمد[1] سے ان دونوں پرچوں کے متعلق دریافت کیا لیکن وہ مجھے نہ 'زمانہ'[2] دکھا سکا اور نہ 'معارف'[3] ۔ پرسوں محمد باقر[4] ، میرے ایم ۔ اے کے شاگرد آئے ۔ 'زمانہ' والا مضمون انہوں نے ہی لکھا تھا اور دونوں پرچے ساتھ لائے ۔ 'معارف' اختر صاحب[5] جونا گڑھی نے جو کچھ میرے بیان کی تردید میں لکھا ہے ، ناکافی ہے اور مجھے ان کے بعض بیانات سے بھی اختلاف ہے ۔ بہر حال اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶)

ڈکشنری انگریزی اردو کی طباعت و ترتیب میں ہمہ تن مصروف تھے ۔ میں شیرانی صاحب کے فرمانے پر کچھ وقت کے لیے مولوی صاحب کے ہاں جائزہ زبان اردو کے لیے چلا آیا تھا ۔ جب میرا شیرانی صاحب سے اول ۱۹۲۱ء میں تعارف ہوا تھا تو میں اس زمانہ میں لدھیانہ میں ڈی ۔بی ۔ ٹیکنیکل سکول میں ہیڈ ماسٹر تھا۔ اسی وجہ سے آپ اکثر ماسٹر کہہ کر پکارتے تھے ۔

۱۔ یہاں مولوی نذیر احمد خاں موجودہ اسسٹنٹ لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے مراد ہے ۔ آپ اس وقت اس لائبریری کے شعبہ عربی ، فارسی اور اردو کتب کے انچارج تھے ۔ مرحوم شیرانی صاحب ہمیشہ کتاب کی تلاش اور وقت کی زحمت سے بچنے کے لیے کتابیں آپ ہی سے طلب کرتے تھے ۔

۲۔ رسالہ زمانہ ۱۹۳۳ء سے مراد ہے ، جو کانپور سے شائع ہوتا تھا اور ایک کایستھ خاندان نگم کے زیر ادارت نکلتا تھا ۔ جولائی کے پرچہ میں تنقید کتب کے عنوان کے تحت پروفیسر ٹامس ہیلی کی ''اے ہسٹری آف اردو لٹریچر'' پر تبصرہ شائع ہوا تھا ۔ اس کتاب میں مولف نے شیرانی صاحب کا ذکر کیا ہے جسے آپ دیکھنا چاہتے تھے ۔

۳۔ معارف رسالہ اعظم گڑھ سے مراد ہے ۔ اتفاق سے قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے جولائی کے پرچہ میں ایک مضمون نظامی گنجوی پر لکھا جس میں آپ نے شیرانی صاحب کے مضمون تنقید شعر العجم رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۶ء کا حوالہ دیتے ہوئے اختلاف کیا ہے ۔

۴۔ یہ دراصل محترم ڈاکٹر محمد باقر حال صدر شعبہ فارسی اورینٹل کالج کی طرف اشارہ ہے۔ آپ اس زمانے میں ایم ۔ اے فارسی میں مرحوم شیرانی صاحب کے پاس پڑھتے تھے ۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں شیرانی صاحب سے ابتداً جنوری ۱۹۳۳ء میں یورپ سے واپسی پر اورینٹل کالج میں ملنے آیا تو آپ سے شیرانی صاحب کی معرفت پہلی بار ملاقات ہوئی ۔

۵۔ قاضی احمد میاں اختر آج کل پاکستان میں ہجرت کرکے آ چکے ہیں اور سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک ہسٹری میں آج کل متعین ہیں ۔ اس سے قبل آپ انجمن ترقی اردو کراچی میں بھی ادارت رسالۂ اردو کے فرائض انجام دیتے رہے ۔

سلسلہ میں آپ کی اطلاع دہی کا شکر گزار ہوں ۔

میں نے مبلغ چالیس کا ایک منی آرڈر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ۔ اس کی رسید ۱۴ ستمبر کی میرے پاس ہے لیکن آپ کی وصولی کی رسید ابھی تک نہیں پہنچی ۔ میں امید کرتا ہوں کہ منی آرڈر پہونچ گیا ہوگا ۔

میرے پاس ابھی تک آپ کے بھائی صاحب نہیں آئے نہ آپ کے گھر والوں کی طرف کوئی استفسار آیا ۔ میں ان کو آپ کی حسب ہدایت جواب دوں گا ۔ آپ مطمئن رہیں ۔

داؤد[1] آنے کے لیے رضامند ہے لیکن وہ یہاں سے کس وقت روانہ ہو ، میں کہہ نہیں سکتا بہر حال ابھی اسے دیر لگے گی ۔ آپ کے معاملہ کی انجمن میں باوجود دریافت مجھ کو اطلاع نہیں مل سکی ۔

شفیع صاحب[2] سے آپ کا ذکر آیا تھا ۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے ماسٹر کو اسی روز جواب دیا تھا جس دن ان کی آم خوری کا قصہ انقلاب[3] میں چھپا تھا ۔

۱۔ داؤد سے مراد شیرانی صاحب کے اپنے فرزند اختر شیرانی مرحوم سے ہے جو آج اپنے تخلص شاعری اختر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں ۔ اکثر لوگ آپ کے نام داؤد سے واقف نہیں ہیں ۔ شیرانی صاحب نے کبھی بھی ان کو اختر کے نام سے نہیں پکارا بلکہ ان کو شیرانی صاحب پیار سے ان کے اشعار وغیرہ سے خوش ہو کر بلفظ گنجا بھی یاد کیا کرتے تھے ۔ اس کی وجہ تسمیہ کبھی سمجھ نہیں آئی اختر صاحب کے بچپن میں ایک بار سر میں پھنسیاں نکل آئی تھیں جس کے سبب سر گھٹانا پڑا ۔ اس بنا پر حافظ صاحب ان کو پیار سے گنجا کہنے لگے تھے ۔ البتہ ان کی شاعری سے حافظ صاحب کبھی زیادہ متاثر نہیں ہوئے اور نہ کبھی اپنی خوشی کا اظہار کیا ۔ بلکہ بیٹے کی مے نوشی کا علم ہونے کے بعد تو وہ گویا متنفر ہو گئے تھے ۔ مرتب]

مولوی عبدالحق صاحب چاہتے تھے کہ داؤد کسی طرح رسالہ اردو ، کے ادارات کے ضمن میں مولوی صاحب کی صحبت میں رہ کر کام کرے مگر یہ امر وقوع میں نہیں آیا ۔ ہاں ۱۹۳۰ء کے بعد ایک مرتبہ ہر دو باپ بیٹا یعنی پروفیسر شیرانی اور اختر شیرانی ، جب شیرانی صاحب اورینٹل کالج سے سبک دوش ہو چکے تھے ، انجمن ترقی اردو میں ، دہلی میں آ کر کچھ عرصہ کام کیا ۔

۲۔ یہ جناب قبلہ ڈاکٹر محمد شفیع مدظلہ العالی کی طرف اشارہ ہے ۔

۳۔ اس زمانہ میں مرحوم علامہ اقبال کی صحبت میں بیٹھ کر آم کھانے کے قصے روزنامہ انقلاب میں مولانا عبدالمجید سالک صاحب اپنے انداز میں افکار و حوادث

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۹ پر)

اقبال[1] خیریت سے ہیں تمھیں کئی مرتبہ یاد کر چکے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸)

کے عنوان کے تحت لکھا کرتے تھے ۔ ان میں چوھدری محمد حسین صاحب مرحوم مولانا غلام رسول مہر صاحب ، سالک صاحب ، تاثیر مرحوم جیسے احباب شرکت کرتے تھے اور ان مجالس کے میزبان مرحوم میاں نظام الدین رئیس لاہور بارود خانہ والے ہوتے اور انھیں کے باغ میں جو راوی کے کنارے پر واقع ہے مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں اس میں میزبان کے صاحب زادے میاں اسلم ، داماد اور بھتیجے میاں امیرالدین و دیگر بچے شریک ہوتے تھے ۔ یہ تمام منظر بہت دلچسپ ہوتا تھا ۔

۱- اقبال سے مرحوم پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کی طرف اشارہ ہے جو اس کالج میں ۱۹۲۳ سے لے کر تادم آخیر ۱۹۴۸ء تک پروفیسر اور پرنسپل رہے ۔ مرحوم شیرانی صاحب کے دوستانہ مراسم پروفیسر اقبال مرحوم سے بہت ہی خوش گوار رہے۔ عزیزوں کی طرح ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ۔ احباب کو عام طور پر شاید علم نہیں یہ ہر دو بزرگ ایک دوسرے کے ہاں ہفتہ میں ایک بار ضرور آیا جایا کرتے تھے یعنی شیرانی صاحب ہر ہفتہ کی شام آپ کے ہاں جاتے اور وہ اکثر جمعرات کو شیرانی صاحب کے ہاں آتے ۔ جب پروفیسر اقبال مرحوم نے اپنا ذاتی مکان ماڈل ٹاؤن میں تعمیر کر لیا تو پھر بھی یہی دستور برابر قائم رہا بلکہ شیرانی صاحب اتوار کے روز مغرب کے وقت پہنچ کر اکثر رات بھی وہیں گزارتے اور صبح کو واپس آتے ، راقم نے اکثر ان مجالس میں شرکت کی ۔ راقم کو شیرانی مرحوم کی اطلاع وفات ایک خط کے جواب میں ذیل کے خط میں دی :

ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور

۶- مارچ ۱۹۴۶ء

مکرمی

کارڈ ملا ۔ چند روز ہوئے شیرانی صاحب کی پوتی کا ایک خط مجھے ملا تھا جس میں صرف اتنا لکھا تھا کہ پندرہ فروری کو باوا جان کا انتقال ہو گیا ۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند دنوں سے وہ کچھ زیادہ بیمار تھے۔ میں خود بسبب علالت کے ڈیڑھ ماہ کی رخصت پر ہوں اور کسی سے ملا نہیں اس لیے مجھے تفصیل معلوم نہیں ۔ اس سانحہ کا اندیشہ مدت سے تھا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۰ پر)

ہاں وہ کتابیں یعنی تذکرۃ الشعراء دکن دو جلد ، تذکرہ اولیائے دکن[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹)
ماشاءاللہ کان - راقم محمد اقبال

مگر اس سے پیشتر پروفیسر شیخ محمد ابراہیم ڈار مرحوم خود بخود مندرجہ ذیل خط کے ذریعہ اطلاع دے چکے تھے -

''چغتائی صاحب ! کس منہ سے آپ کو بتاؤں کہ شیر بیشہ تحقیق یعنے ہمارے استاد پروفیسر شیرانی صاحب نے پندرہ اور سولہ فروری ۱۹۴۶ء کی درمیانی رات کو سوا دس بجے انتقال فرمایا - ابراہیم''

شیرانی صاحب مرحوم کا اخلاق اور روا داری ضرب المثل تھے - جس کے بے شمار واقعات قابل ذکر ہیں - پروفیسر اقبال مرحوم جب ایران گئے تو ان کے مکان ماڈل ٹاؤن پر اسی طرح اکثر ہفتہ کے روز حاضر ہوتے رہے اور ان کے بچوں میں اسی طرح اپنا وقت گذار کر اتوار کی صبح کو واپس آتے ایک دفعہ کا ذکر ہے صبح کو ہم جب اٹھے تو ڈاکٹر اقبال کے بڑے بھائی پروفیسر خادم محی الدین صاحب بھی موجود تھے - ہم سب بندوق لے کر شکار کو نکلے اور اس وقت سوا طوطوں کے اور کوئی جانور نظر نہ آتا تھا - مگر کوئی نشانہ نہ بیٹھتا تھا - سب کا خیال یہ ہوا کہ شیرانی صاحب کے سر پر جو سرخ ٹوپی، ترکی ہے شاید یہ حائل ہے - آخر ان کو اتارنی پڑی - شیرانی صاحب بہ وجہ تمام سر سفید ہونے کے ہمیشہ مہندی لگاتے تھے - جس سے بال سرخ رہتے تھے - جب ٹوپی اتار لی تو سرخ سر دیکھ کر پروفیسر خادم محی الدین صاحب نے فرمایا کہ بات پھر بھی نہیں بنی کیونکہ ترکی ٹوپی بھی سرخ تھی -

پروفیسر شیرانی اور پروفیسر اقبال کی اسی اتوار کی مجالس کے بہت سے قصے ہیں بعض اوقات اتوار کی شب کو آزاد صاحب شمس الدین ماہر موسیقی کو ہمراہ لے کر آ جاتے اور مجلس سرود کافی دیر تک رہتی - اقبال اور ان کے بھائی پروفیسر خادم محی الدین صاحب کو موسیقی سے خاص ماہرانہ طور پر دلچسپی تھی - آخر میں اقبال کو موسیقی سے کچھ دلچسپی کم ہو گئی تھی اور اپنے تمام ساز اٹھا کر لوگوں کو دے دیئے تھے -

ایک شب مولا بخش خضر تمیمی صاحب بھی ہمراہ تھے - انہوں نے رات کو کتے کی بولی بولنی جو شروع کی تو تمام ماڈل ٹاؤن کے کتے پروفیسراقبال کے مکان کے گرد جمع ہو گئے اور دیر تک یہ تماشا رہا -

۱- کتابوں کا ذکر اور ان کی فراہمی دراصل مرحوم شیرانی صاحب کے بیان میں
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۱ پر)

دو جلد ، تاریخ دکن (خدا جانے کیا نام تھا ۔ کیا گلزار آصفیہ تھا یا کچھ اور) تاریخ طبری بقیمت مبلغ پانچ روپیہ لیتے آئیے ، ممنون ہوں گا ۔ آپ کب تک آ رہے ہیں ۔ بھائی جان اب تو آ جاؤ ۔ حیدر آباد کافی رہ چکے ہیں ۔ والسلام

محمود شیرانی

اپنی آمد سے اطلاع دو ۔ اکثر احباب دریافت کرتے ہیں ۔

مکرر : آپ کو سہو ہو گیا ہے ۔ تہمتن شاہ[1] والا سکہ آپ کے عطیہ ذخیرہ میں نہیں ہے اگرچہ میں اس سکہ سے کسی مضمون کی بنا پر واقف ہوں جو شاید ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ میں چھپا تھا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تہمتن شاہ ایک غلطی ہے اور مقصد بہمن شاہ ہے ۔ سید محمد[2] صاحب و عمر یافعی صاحب[3] کی خدمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰)

ایک لازمی امر ہے جس سے ان کا شغف علمی واضح ہے چنانچہ یہاں چار حصے تاریخ دکن مولفہ مولانا ابوتراب محمد عبدالجبار ملکاپوری کی طرف اشارہ ہے ، جن کے اسماء یہ ہیں : (۱) محبوب الوطن (۲) محبوب ذی المنن (۳) محبوب الزمن ۔ ۲ ، ۳ دو دو حصوں میں ہیں اور گلزار آصفیہ مولفہ غلام حسین بھی دکن کی تاریخ ہے ۔ یہ حیدر آباد میں ۱۹۰۰ء میں طبع ہوئی ۔

۱- تہمتن شاہ کا سکہ دراصل کوئی خاص سکہ سلاطین بہمنوں کا نہیں ہے بلکہ بعض سکوں پر ایسے لفظ ملتے ہیں جن پر ''تہمتن'' کا لفظ بھی ملتا ہے ۔ حیدر آباد دکن میں ایک پارسی مسٹر ہرمز صاحب سکوں کا شوق کرتے تھے ۔ انہوں نے میرے پاس اس طرح ایک مرتبہ ذکر کیا اور جب شیرانی صاحب کو چند سکے ارسال کیے تو ان میں وہ سکہ بھی تھا جس پر یہ لفظ تھا اور یہ اسی کی طرف اشارہ ہے ۔

۲- سید محمد صاحب مشہور مولف ''ارباب نثر اردو'' آج کل حیدر آباد دکن میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر اردو ہیں ۔

۳- عمر یافعی صاحب کا پورا نام ابو صالح محمد عمر یافعی ہے ۔ آپ عرب قوم کے فرد ہیں ۔ حیدر آباد دکن میں مختلف شعبوں میں ملازم رہے ہیں مگر ہمیشہ آپ نے اہل علم کی خدمت کی ہے ۔ ان کے پاس بہت بڑا کتب خانہ ہے جسے وہ کراچی میں مولوی عبدالحق کے پاس منتقل کر چکے ہیں ۔ سال گذشتہ انجمن ترقی اردو کی گولڈن جوبلی کے موقع پر تشریف بھی لائے تھے [اگست ۱۹۶۱ء میں مولوی عبدالحق صاحب سے صرف ایک ہفتہ بعد یافعی صاحب کا انتقال ہو گیا (مرتب)]

میں میرا سلام نیاز - یافعی صاحب سے کہہ دیجیے کہ سر خوش صاحب[1] ابھی تک مجھے نہیں ملے - جونہی تذکرہ ان کے ہاتھ لگا ، میں دونوں تذکرے ان کی خدمت میں ارسال کر دوں گا -

محمود شیرانی

(۲)

اوریئنٹل کالج - لاہور

۲۲- جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈئر[2] ماسٹر عبداللہ

آپ کا عنایت نامہ پہونچا - بڑی مسرت حاصل ہوئی - آپ نے معلوم ہوتا ہے اب کے خوب سیر کی ہے - کاش آپ ہمارے پیر صاحب[3] کو بھی قدیم عمارات میں دلچسپی کرا دیتے - یہ وہ چیز ہے جس میں مسلمانوں نے اب تک کوئی توجہ منبذول نہیں کی ہے اور نہ ان میں اس کے متعلق بیداری کے کوئی آثار ہیں -

---

۱- شیر علی خاں سر خوش ایک نہایت جوشیلے اردو کے دل دادہ لاہور کے باشندہ تھے - آپ محکمہ ٹیلی گراف میں ملازم تھے - آپ نے تذکرہ اعجاز سخن لکھا - مجالس رنگین کا اردو ترجمہ کیا ، مضحکات و مطائبات سرسید وغیرہ تالیفات چھوڑی ہیں کبھی نامہ نگار اودھ پنچ لکھنؤ بھی تھے - [ان کا انتقال سنہ ۱۹۵۳ء میں ہوا (مرتب)] -

۲- آپ کا یہ خط میرے پاس حیدر آباد دکن بوساطت قبلہ مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ العالی پہنچا - یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قبلہ مولوی صاحب اورنگ آباد کالج کی پرنسپلی سے سبک دوش ہو کر پروفیسر اردو عثمانیہ یونیورسٹی مقرر ہو چکے تھے اور آپ وہاں بنجارہ سڑک پر رہائش رکھتے تھے ، جو اس زمانہ میں وہاں ایک جنگل شمار ہوتا تھا بلکہ بعض مقامی حضرات اس حصہ کو پہاڑی علاقہ تصور کرکے کوہسار بھی کہتے ہیں -

۳- پیر صاحب سے مراد قبلہ مولوی صاحب ہی ہے - شیرانی صاحب مرحوم کا قاعدہ تھا وہ اکثر بعض احباب کو ان کے ادب و احترام کی وجہ سے اس طرح بعض الفاظ سے بھی آپس میں گفتگو میں مراد لیا کرتے تھے - مثلاً ہم اکثر جب بھی سر اقبال مرحوم کا ذکر کرتے تو ہمیشہ پیران پیر ہی کہہ کر ذکر کرتے اور بعض دفعہ قبلہ مولری محمد شفیع صاحب کو بھی پیر ہی کے لقب سے ذکر کیا کرتے تھے - شیرانی صاحب کے نزدیک ان بزرگوں کا ایک خاص ادب تھا -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳ پر)

مجھے اپنے بڑودہ[1] نہ آنے کا بے حد افسوس ہے ۔ میں کچھ دنوں کے لیے شکار کو چلا گیا تھا لیکن واپس بیمار آیا ۔ پندرہ روز کے بعد طبیعت سنبھلی مگر ہاتھ کی تکلیف جو پھوڑوں کی شکل میں ہے اب تک موجود ہے بلکہ اب تک میں لکھنے سے بھی معذور تھا اور اب بھی ہوں بلکہ زیادہ کام نہیں کر سکتا ہوں ۔

آپ نے میرے لیے جو سکے[2] خریدے ہیں ان کا شکریہ پیشگی قبول کیجیے ۔ اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲

راقم نے پانچویں خط کے ذیل (نوٹ ۹) ایک سفر حیدر آباد دکن کا ذکر کیا ہے جو دراصل ہم نے مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں قیام کے ارادہ سے نہیں کیا تھا مگر وہاں پہنچ کر شیرانی صاحب نے حیدر آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب سعیدیہ ہوٹل میں قیام کیا ۔ جب مولوی صاحب کو اطلاع ہوئی تو فوراً موٹر لے کر آئے اور شیرانی صاحب کی طرف ذرا تیوری چڑھا کر دیکھا اور کہا یہ کیا ؟ مجھے موٹر میں فوراً سامان رکھوانے کو کہا ۔ چنانچہ ہم خاموشی سے ان کے ہمراہ بنجارہ روڈ پر پہنچ کر ان کے ہاں مقیم ہوئے ۔ اگرچہ مولوی صاحب کی رہائش بلدہ سے خاصی دور تھی مگر پھر بھی احباب اور قدر دانوں کا ایک تانتا رہتا تھا ۔ وہاں ملنے والوں میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ، مولانا عمر یافعی ، سید محمد ، ڈاکٹر سید لطیف ، حکیم سید شمش اللہ قادری وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ واپسی پر ہم بمبئی اور احمد آباد ہوتے ہوئے سارواڑ پہنچے ۔ مگر بمبئی میں پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز ، پروفیسر نجیب اشرف ندوی اور احمد آباد میں پروفیسر شیخ محمد ابراہیم کی صحبتیں قابل ذکر ہیں ۔

۱- دسمبر ۱۹۳۲ء میں جو آل انڈیا کانفرنس کا اجلاس بڑودہ میں منعقد ہوا اس کے شعبہ اردو کی صدارت مولوی عبدالحق صاحب نے کی ۔ ایک مطبوعہ خطبہ آپ نے پیش کیا تھا ۔ اسی خطبہ میں مولوی صاحب نے پنجاب کا ذکر کرتے ہوئے ذرا طعن و طنز سے کام لیا جو دراصل اس وقت کے سالنامہ 'کارواں' لاہور کے خلاف احتجاج تھا ۔ مولوی صاحب کے اس رویہ کو اکثر احباب نے ناپسند کیا تھا ۔ راقم نے اس زمانہ میں گجرات کاٹھیاواڑ کے اکثر مقامات کی سیر کی اور مولوی صاحب کے ہمراہ احمد آباد ، کھنبایت ، سورت اور بڑودہ کے اکثر پرانے کتب خانے بھی دیکھے اور اسی سفر میں ہمارے ہمراہ مولوی صاحب کے پرانے شاگرد مرحوم شیخ چاند مولف ''سودا'' بھی تھے ۔

۲- سورت شہر میں ایک شخص کمال الدین نامی پرانی اشیا میں لین دین کرتا تھا ۔ اس سے بعض سکے شیرانی صاحب کے لیے حاصل کیے جو شیرانی صاحب کو پسند نہیں آئے ۔

سلسلہ میں جو کچھ ملے بشرطیکہ صاف اور اچھی حالت میں ہو لے لیجیے - کام آئیں گے - آپ کا سورت والا ڈیلر بے حد ہوشیار معلوم ہوتا ہے - وہ علاءالدین خلجی اور فرخ سیر کے سکوں کے عوض میں بابر اور بہادر شاہ (ثانی) کے سکے چاہتا ہے حالانکہ علاءالدین اور فرخ سیر کے سکے بہت عام ہیں اور بابر اور بہادر شاہ کے سکے بہت کم یاب ہیں - بہر حال یہ معاملہ ان سے سکوں کے دیکھنے پر منحصر ہے - ممکن ہے کہ وہ ایسے ہوں جو میرے پاس نہ ہوں - اس سلسلہ میں آپ ان سکوں کا حساب رکھیے - میں پائی پائی ادا کر دوں گا بلکہ اگر ضرورت ہو تو ابھی بھیج دوں میرا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے آپ خریداری سے معذور رہیں -

کتابوں[1] کے متعلق افسوس ہے کہ آپ لا نہ سکیں گے لیکن پیر صاحب سے میری طرف سے عرض ہے (یہاں سے یہ خط کچھ کم ہے) -

آپ کو تاریخ طبری[2] طبع نولکشور یاد ہے نا ، یہ سفید کاغذ پر ہے اور سنہ بارہ سو کچھ کی چھپی ہوئی ہے - نول کشور نے اس کے دو ایڈیشن چھاپے ہیں - مجھ کو پہلے ایڈیشن کی ضرورت ہے - دوسرا ایڈیشن میرے پاس ہے - زیادہ پیسے نہ دیجیے گا زائد سے زائد پانچ روپیہ -

آپ کے بھائی جنہیں آپ نے اس سال خان بہادر بنوا دیا ہے ، جہاں تک میں سنتا ہوں ، خیریت سے ہیں اور باقی لوگ بھی خیریت سے ہوں گے - آپ کے ہاں لڑکوں کو میں نے ایک دو مرتبہ بھیجا - معلوم ہوا کہ آپ نہیں آئے - اس سے زیادہ آپ کے گھر والوں کی خیریت معلوم نہیں - 'کارواں' نہ میرے پاس پہونچایا گیا اور نہ میں نے اسے دیکھا - البتہ ریل میں ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا -

ولی[3] کی وفات کی تاریخ میرے لیے ایک جدید اطلاع ہے - مجھے صرف اس قدر

۱- آپ ہمیشہ کتابوں کی ہی فرمائش کرتے رہے اور راقم نے بھی اکثر ان کی فرمائش کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ کماحقہ کوشش کی - ان کے لیے اکثر کتابیں فراہم بھی کیں جس کا ان کے کتب خانہ میں آج بھی وجود ملتا ہے -

۲- آپ تاریخ طبری فارسی (بڑی عربی تاریخ طبری کا یہ چربہ فارسی زبان میں ہے) کو قدیم زمانہ کی ایک علمی یادگار تصور کرتے تھے بلکہ میں نے خود بھی ان کو اس سے پیشتر اپنے کتب خانہ سے ان کی خدمت میں ایک نسخہ پیش کیا تھا جس کا یہاں بھی اشارہ ہے -

۳- یہ دراصل شیرانی صاحب مرحوم کے ایک اپنے مضمون کی طرف اشارہ ہے جو اس زمانہ میں طبع ہو چکا تھا جس کی آپ نے از سر نو تصریح کر دی ہے -

معلوم ہے کہ ولی کے ایک نسخہ میں جو سنہ ۸ جلوس محمد شاہ کا نوشتہ ہے ، اس کو مرحوم لکھا گیا ہے ۔ اس لیے ظن غالب ہے کہ یہ تاریخ وفات صحیح ہے اور آزاد اور قاسم کا نقل کردہ یہ شعر :

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

غلط معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ یہ شعر اس کے دیوان میں نہیں تھا ۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کو کس جرم کی پاداش میں ماہ رمضان میں گھر سے نکالا گیا ہے اور بیوی کے فرائض سے نا آشنا بنا دیا گیا ہے ، یہ تو انہیں کو معلوم ہے جنھوں نے آپ کو نکالا ہے ، البتہ آخری ۔ کے متعلق میں تجویز کرتا ہوں کہ مولانا ۔ موجود ہیں ، آپ ان کی خدمت میں فرائض انجام دیں ۔

ہاں یہ بتاؤ لاہور کب آؤ گے آخر رمضان تو ختم ہوگئے ہیں ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۳)

پی ۔ او بڑی کھاٹو، راج مارواڑ

۱۷- جولائی ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر ماسٹر[۱] صاحب

داؤد کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو میرے خط کا انتظار ہے ۔ اس لیے یہ سطریں لکھتا ہوں ۔ اس سے پہلے ایک خط جمیل[۲] کا نوشتہ ملا ہوگا ۔ اس میں دو

۱- شیرانی صاحب کا یہ خط مجھے موسم گرما کی تعطیلات کے دوران میں ان کے آبائی وطن سے لاہور کے پتہ پر وصول ہوا تھا ۔ اس زمانہ میں ان کے فرزند اختر شیرانی (داؤد) مرحوم لاہور میں ہی مقیم تھے ۔ چونکہ میں نے شیرانی صاحب سے ان کے وطن دوران تعطیلات میں جانے کا وعدہ کر لیا تھا اس لیے بعض امور کی تفصیل جاننے سے پیشتر مسٹر داؤد کے ذریعہ طے ہوئی جن کا یہاں اشارہ ہے ۔

۲- مسٹر جمیل الرحمن شیرانی پروفیسر شیرانی صاحب کے بھانجے ہیں ۔ اس زمانہ میں آپ کے ہاں ہی رہائش رکھتے تھے اور اسلامیہ کالج لاہور [جمیل الرحمن صاحب نے ایف ۔ سی کالج لاہور سے ایف ۔ ایس ۔ سی کیا تھا ۔ مرتب] میں طالب علم تھے ۔ آج کل وہ کوئٹہ میں محکمہ جنگلات پاکستان کے اعلیٰ آفیسر ہیں ۔ [اب بطور چیف کنزرویٹر بلوچستان، ملازمت سے ریٹائر ہوکر حیدر آباد سندھ میں مقیم ہیں ۔ مرتب] ۔

فرمائشیں بھی تھیں - ایک تو برخورداری قمر[1] کے لیے شوز کی - دوسرے ایک راوٹی[2] کی جس میں پانچ چھ چارپائی کی جگہ ہو اور دو طرف سے کھلی ہو - اس سلسلہ میں آپ میاں میر جائیں اور وہاں سے اسٹاک دیکھیں - راوٹی اچھی حالت میں ہو، پیوندکاری نہ ہو اور اس کی ڈوریاں، لکڑیاں، بانس وغیرہ ثابت ہوں - اگر ثابت نہ ہوں تو آپ وہاں سے (مع فالتو ڈوریوں کے) بنوا کر لے آئیں - یہاں نہ بانس ملتے ہیں نہ ڈوری - الغرض ہر طرح سے مکمل ہو - ہمارے مالک مکان فیروزالدین[3] کے میاں میر میں بعض لوگوں سے ملاقات ہے - ممکن ہے کہ ان کے ذریعہ سے مناسب داموں پر ہاتھ لگ جائے -

ہم جب یہاں آئے تھے تو سخت لو چل رہی تھی لیکن اب تو دس دن سے موسم بڑا اچھا ہوگیا ہے - بارش ہوگئی ہے - ابر ہر روز محیط رہتا ہے اور ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں - میں نے کام شروع کر دیا ہے لیکن رفتار بہت سست ہے - چینی کی دو تین بوتلیں لیتے آنا - بچی کے لیے دو تین ڈبے بسکٹوں کے لیتے آنا -

داؤد نے آم[4] بھیجے تھے - دیر میں پہونچے - خراب ہوگئے - میں تیتر کھانے کھاتے

۱- یہ ان کی بڑی پوتی بنت اختر شیرانی کی طرف اشارہ ہے [مرتب کی سب سے بڑی بہن - ان کا اصل نام پروین اختر ہے لیکن دادا جان مرحوم قمر کہا کرتے تھے - مرتب]

۲- راوٹی سے مراد چھولداری ہے جو عام طور پر لوگ باہر میدان میں چھوٹے سے خیمہ کی صورت میں لگا کر عارضی طور پر قیام کرتے ہیں - چونکہ شیرانی صاحب کو شکار کا بہت شوق تھا اس لیے آپ چاہتے تھے کہ ان کے لیے ایک راوٹی یہاں سے چھاؤنی میاں میر صاحب کے کباڑیوں سے سیکنڈ ہینڈ مل جائے جس کی ضرورت آپ کو وہاں کھاٹو میں تھی - اگرچہ آگے ان کے پاس ایک تھی - اس میں وہ اپنے گاؤں کے باہر ایک تالاب کے کنارے قیام کرتے تھے - اگر کوئی مہمان آ جاتا تو اسے بھی وہیں قیام کرنا ہوتا اگرچہ وہاں ان کا اپنا ایک مکان بہت وسیع سرخ پتھر کا تھا جو دور سے دہلی کے لال قلعہ کی مانند نظر آتا تھا -

۳- آپ کا مکان لاہور میں فلیمنگ روڈ پر برف خانہ چوک سے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر تھا جو در اصل ایک کارخانہ ٹھیکیداران ابراہیم فیروزالدین کا بڑھئی کے کام کا کارخانہ تھا اور آج بھی ہے - ان میں سے آج بھی حاجی فیروز الدین بقید حیات ہیں - شیرانی صاحب ان کے احاطہ میں لب سڑک مکان میں کئی سال رہے -

۴- میں جب شیرانی صاحب کے ہاں کھاٹو گیا تو ان کی ہدایت کے مطابق ان کے لیے آم بھی لے گیا تھا - کھاٹو ماروا‌ڑ میں ایک بہت بڑا قصبہ ہے مگر شیرانی صاحب ایک معمولی قریہ میں مقیم تھے - ذیل میں ملاحظہ ہو -

دق آ گیا ہوں - یہاں نہ گوشت ملتا ہے، نہ سبزی، نہ دالیں - مجبوراً تیتروں پر گزارہ ہوتا ہے -

والسلام

اپنے بھائی صاحبان کی خدمت میں میرا سلام -

قمر کے پانوں کا نپانا علیحدہ کاغذ پر بھیج رہا ہوں - اسٹیشن کا نام یاد بھی ہے؟ Badabra[1]-

محمود شیرانی

۱- چونکہ مجھے وہاں جانا تھا اس لیے آپ نے تاکیداً ریلوے اسٹیشن کا نام پھر لکھ دیا کہ مجھے اس ریلوے اسٹیشن پر اترنا ہوگا نہ کہ کھاٹو پر [در اصل کھاٹو نام کے دو قصبے ہیں جن کے درمیان دو تین میل کا فاصلہ ہے - دونوں میں امتیاز کی غرض سے مشرقی قصبے کو چھوٹی کھاٹو اور مغربی قصبے کو بڑی کھاٹو کہا جاتا ہے - بڑی کھاٹو کا اسٹیشن کھاٹو اور چھوٹی کھاٹو کا بڈابرا کہلاتا ہے - ڈھانی شیرانیاں جانے کے لیے بڈابرا اسٹیشن پر اترنا ہوتا ہے - مرتب] مارواڑ بھی عجیب و غریب علاقہ ہے جہاں شیرانی صاحب پیدا ہوئے تھے [شیرانی صاحب کا آبائی وطن مارواڑ کا ڈھانی شیرانیاں نامی موضع تھا لیکن ان کی پیدائش راجپوتانہ کی واحد مسلم ریاست ٹونک میں ہوئی تھی - مرتب] میں ان کی ہدایت کے مطابق لاہور سے چل کر دہلی پہنچا - وہاں سے حصار پہنچا - حصار سے چل کر میں شام کے وقت ریلوے اسٹیشن سجان گڈھ مقام پر پہنچا جہاں ریلوے گاڑی رک گئی اور رات بھر وہیں قریب ہی ایک سرائے میں قیام کیا - مارواڑ میں اکثر سرائیں ایسے مقامات میں ہیں جہاں مسافر آرام کرتے ہیں اور کوئی خرچہ وغیرہ نہیں دینا پڑتا - یہ سرائیں متوسط درجہ کے ہوٹلوں سے بہتر ہیں - صبح وہاں سے سوار ہوکر قریب ایک بجے دوپہر ریلوے اسٹیشن بڈابرہ پر پہنچا جسے شیرانی صاحب نے احتیاطاً لکھ دیا تھا - اب یہاں سے ایک خاصہ ریگستان گزر کر شیرانی صاحب کے آبائی وطن ''شیرانیوں کی ڈھانی'' قریب چار پانچ میل پر بذریعہ بھلی یا اونٹ جانا تھا - مارواڑ کا یہ علاقہ ریاست جودھ پور میں ہے جہاں سوائے باجرہ اور موٹھ کے کھانے کے لیے کچھ اور پیدا نہیں ہوتا - وہ بھی اگر بارش وقت پر پڑ جائے تو بہتر ورنہ خشک سالی کے عالم میں یہاں کے باشندوں کو عربوں کی طرح تلاش معاش میں دور دور اپنے اونٹ لے کر در بدر ہونا پڑتا ہے - یہاں خشک پہاڑیاں بھی کافی ہیں اور پتھر کی کانیں ہیں - کھاٹو کا زرد رنگ پتھر بھی کافی مشہور ہے - اس علاقہ میں پانی کی قلت بھی ہے کیونکہ کنوؤں کا پانی سمندر کے پانی طرح کھارا ہوتا ہے - لوگ بارش کے پانی کو محفوظ کر لیتے ہیں جو نہایت کفایت شعاری سے پیتے رہتے ہیں - اسی لیے یہاں کے متمول مارواڑی عام طور پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۸ پر)

(۴)

۱۸ فلیمنگ روڈ ، لاہور
۶ دسمبر ۱۹۳۹ء

جناب ڈاکٹر عبداللہ صاحب چابک سوار[1] بمبئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷)

تالاب کھدوا کر پانی کو محفوظ کر لیتے ہیں اور ان تالابوں پر مستقل ملازم رہتے ہیں جو مسافروں کو پانی پلاتے ہیں ۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ کھاٹو میں حضرت شیخ اسحاق مغربی متوفی سنہ ۷۶۳ھ کی درگاہ میں ایک سنگ مرمر کا بہت بڑا کتبہ عربی زبان میں محفوظ کیا ہوا ہے جو بہت ہی عجیب و غریب تاریخی دستاویز ہے یعنی یہ سلطان شمس‌الدین التمش کے زمانہ ماہ رمضان ۶۲۹ھ کا ہے جس میں لفظ ''غدیر'' یعنی حوض واضح ہے کہ سلطان نے اسے تعمیر کرایا تھا ۔ شیرانی صاحب کے متذکرہ بالا گاؤں سے کھاٹو بارہ یا تیرہ میل ہے [ڈاکٹر چغتائی صاحب کو سہو ہوا ہے ۔ ڈھانی شیرانیاں سے بڑی کھاٹو کا فاصلہ، جہاں حضرت اسحاق مغربی کی درگاہ ہے، بہ مشکل پانچ چھ میل ہوگا ۔ مرتب] جو مارواڑ کا بڑا حصہ شمار ہوتا ہے [کذا] جہاں میں دو تین مرتبہ اونٹ پر چڑھ کر گیا ۔ ایک مرتبہ تو داؤد شیرانی بھی ہمراہ تھے ۔ وہ اونٹ کو خود چلاتے تھے جو میں نہیں کر سکتا تھا ۔ شیرانی صاحب نے یہیں تو آن کریم ابتدا میں رمضان شریف میں سنایا تھا ۔ کھاٹو پر راقم نے ایک مضمون انڈین ہسٹری کانگرس مدراس کے موقع پر پیش کیا تھا جو روئیداد میں طبع ہو چکا ہے اور اس علاقہ میں شکار بہت ہے یعنی نیل گائے، ہرن ، مور ، تیتر وغیرہ عام ملتے ہیں ۔ یہ تمام علاقہ مارواڑ، اجمیر، ناگور، کھاٹو، ڈیڈوانہ، بیکانیر وغیرہ اسلامی ثقافت کے نفاذ کے اعتبار سے بہت ہی عجیب و غریب ہیں ۔ حال ہی میں گورنمنٹ انڈیا نے راقم کا ایک طویل اور اہم مقالہ اسلامی کتبات پر شائع کیا ہے جو لاڈنوں جالور ، ڈیڈوانہ ، ناگور (راجپوتانہ) سے جمع کیے تھے اور یہ سب اسی زمانہ کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مسلمان بالکل ابتدائی زمانہ میں یہاں آباد ہو چکے تھے مگر کسی مورخ یا سیاح کو ان کے بیان کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ یہاں قدیم اسلامی اثرات اب بھی باقی ہیں ۔ ۶۲۴ھ میں ایک سفارتی مشن خلیفہ عباسی بغداد کی طرف سے سلطان شمس‌الدین التمش کے زمانہ میں امام صغانی کی قیادت میں آیا تو اسی ناگور وغیرہ کے علاقہ سے گزرتا ہوا دہلی پہنچا ۔ امام موصوف، صاحب ''مشارق‌الانوار'' لاہور میں پیدا ہوئے تھے ۔

۱۔ آپ کا یہ خط میرے پاس بمبئی بوساطت پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۹ پر)

پرنسپل شفیع[1] نے آپ کا خط میرے پاس بھجوا دیا ۔ میں دیکھ کر حیران ہوا کہ آپ کو ابھی تک میری کتابیں بھولنے کے لیے یاد ہیں ۔ حضرت یہ نام آپ مجھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸)

اسمعیل کالج ، جوگیشوری ، بمبئی ملا ۔ پروفیسر موصوف کا مکان اندھیری میں مرجع خاص و عام تھا اور اب بھی ہے ۔ جہاں راقم اسی زمانہ میں ان کے ہاں مہمان کے طور پر مقیم تھا اور لاہور سے وہاں کی ایک گجرات کلب اور گجرات فورمس سبھا کی دعوت پر گجرات کی تاریخ پر لیکچر دینے کے لیے ایک گجراتی ہندو پی ۔ جی ۔ شاہ (ریلوے کے فنانس کے افسر اعلیٰ) کی فرمائش پر گیا تھا ۔ راقم کے لیے یہ زمانہ تلاش معاش میں خاصہ صبر آزما تھا کیونکہ ۱۹۳۸ء سے یورپ سے واپس آ کر ابھی تک کوئی مستقل انتظام نہیں ہوا تھا ۔ وہاں پہنچ کر اور احباب سے بھی ملاقات ہوئی بلکہ حیدر آباد دکن بھی جانے کا اتفاق ہوا ۔ مگر یہ زمانہ ایسا تھا کہ دکن کالج پوسٹ گریجویٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ پونہ کی اسلامی ڈائریکٹر اور دوسری اسامیوں کا اشتہار ہو رہا تھا ۔ اتفاق سے کالج کی کمیٹی کے ممبر مرحوم ڈاکٹر بذل الرحمن بھی تھے ، جن سے کئی سال بعد ملنے کا اتفاق ہوا تھا اور انتخابی کمیٹی کے صدر خان بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز آئی ۔ ای ۔ ایس پونہ تھے ۔ غرضیکہ راقم کا انتخاب بطور ریڈر ہوا اور ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء پاکستان بننے تک راقم پونہ میں مقیم رہا اور اس تمام عرصہ میں خاص کر مرحوم پروفیسر شیخ ابراہیم ڈار جو قریب آٹھ نو سال پیشتر سے اس علاقہ میں محکمہ تعلیم میں ملازم تھے اور اس وقت وہ ڈاکٹر بذل الرحمن پرنسپل اسمعیل یوسف کالج کے ماتحت عربی فارسی کے پروفیسر تھے ۔ سید نجیب اشرف ندوی بھی اسی کالج میں اردو کے لیے تھے ۔ شیرانی صاحب کے مندرجہ الفاظ چابک سوار سے مراد ظرافت ہے جو میرا لاہور کا مستقل گھر کا پتہ ہے اور بمبئی میں قیام کی طرف اشارہ ہے ۔

۱- جب کہ پرنسپل محمد شفیع اورینٹل کالج لاہور کو بھی میں نے اپنے حالات قیام بمبئی سے برابر باخبر رکھا چونکہ گمان یہ تھا کہ قبلہ شیرانی صاحب اس قدر جلد جواب دینے کے عادی نہیں ہیں اور معاملہ کتابوں کا تھا جن کے لیے شیرانی صاحب ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے ۔ پھر بمبئی میں اکثر دوکانیں بھی ایسی ہیں جہاں سے ہر قسم کی کتب ملنے کا امکان ہو سکتا ہے ، اس لیے آپ نے فوراً مجھے متاثر ہو کر جواب دیا اور ایک فہرست ان کتب کی ارسال کی تھی جو عام طور پر سکوں پر تھیں اور ان کے پاس اس طرح ایک خاصہ عمدہ مجموعہ مطبوعہ کتب متعلقہ مسکوکات جمع ہو چکا تھا ۔

سے دو مرتبہ لے چکے ہیں ، اب تیسری مرتبہ پھر منگوا رہے ہیں ۔ مطلب کیا ہے کیا ان ناموں کا ورد ہوگا یا وظیفہ پڑھا جائے گا ۔ خیر آپ جو چاہیں کریں میں وہ نام علیحدہ لکھوا کر بھیج رہا ہوں ۔ میاں اور باتوں میں تو ایسے بھلکڑ نہیں ہو اور ان کا یاد رکھنا کون سا مشکل ہے ۔ ایک کتاب تو لاہور میوزیم میں مغل مسکوکات کی فہرست ہے ۔ مصنف وھائٹ ہیڈ ہیں ۔ دوسری کتاب دہلی سلاطین کے مسکوکات (دہلی میوزیم) کی فہرست ہے ۔ اچھا مجھے بواپسی ان کتابوں کے متعلق لکھو وہاں ملتی ہیں یا نہیں ۔

پروفیسر نجیب اشرف[1] صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجیے اور کہیے کہ آپ کا عید کارڈ حسب معمول تشریف لایا ۔ اس مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ جواب میں شکریہ ادا کروں لیکن دیکھا تو کوئی پتہ نہیں لکھا تھا اس لیے خاموش ہوگیا ۔ ع

خوئے بد را بہانہ بسیار

ان کی خدمت میری طرف سے عرض کر دیجیے کہ ایک بات کہنا چاہتا ہوں[2] مگر زبان پر آ آ کر رہ جاتی ہے ۔ اگر پختہ ہے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا ورنہ میں آپ کی نگاہ میں جھوٹا ثابت نہیں ہوؤں گا اس لیے نہ کہنا کہنے سے بہتر ہے ۔

ہاں جناب ڈاکٹر صاحب سنتا ہوں کہ مہاراجہ بڑودہ[3] آپ کے استقبال کے لیے دہلی تک آئے اور پھر آپ کو سر آنکھوں پر بٹھا کر بڑودے لے گئے اور وہاں

۱۔ متذکرہ بالا پروفیسر نجیب اشرف ندوی کا ہمیشہ خاصہ رہا کہ اپنے احباب کو عید کارڈ چھپوا کر ارسال کرنے جس کا یہاں اشارہ ہے مگر اتفاق سے اس پر پتہ نہ تھا ۔ وہ پتہ اس وجہ سے نہیں لکھتے تھے کہ سمجھتے تھے کہ یا تو لوگ کالج کے پتہ پر یا ان کے مکان اندھیری کے پتہ پر لکھیں گے کیونکہ وہ آج بھی ''پروفیسر ندوی'' کے نام سے قریب قریب تمام بمبئی میں مشہور و معروف ہیں اس لیے کوئی پتہ خاص کر لکھنے کی زحمت نہیں کرتے تھے ۔ آپ مرحوم سید سلیمان ندوی کے عزیز ہیں ۔

۲۔ یہاں میرے خیال میں ان تحقیقات علمی کی طرف اشارہ ہے جو اس زمانہ میں اورینٹل کالج میگزین لاہور میں اکثر شیرانی صاحب کے قلم سے شائع ہوتی رہتی تھیں اور پھر انہیں کے ضمن میں ان میں اور اعظم گڈھ کے ''معارف'' کے درمیان کوئی نہ کوئی چشمک ہوتی رہتی تھی ۔

۳۔ بمبئی کے قیام میں اکثر سوسائٹیوں کے سامنے مضامین پڑھنے اور لیکچر وغیرہ کا اتفاق ہوا جس کی طرف مرحوم شیرانی صاحب نے ظریفانہ انداز سے اشارہ کیا ہے ۔

لے جا کر آپ کو خوب..... کیا - یہ سچ ہے یا آپ کے دشمنوں نے آپ کو ستانے کے لیے یوں ہی مشہور کر دیا - ایک خبر یہ بھی سنی ہے کہ آپ کے لیکچروں میں کوئی شخص نہیں آیا - صرف آپ اور آپ کے پریسیڈنٹ گورنر بمبئی انتظار کرکے واپس گھر آ گئے اور پبلک کی غفلت پر دیر تک افسوس کرتے رہے -

کیا داؤد پوترے صاحب نے تاریخ معصومی[1] اور چچ نامہ شائع کر دیے ہیں - کہاں سے ملتے ہیں ؟

مولوی عبدالحق صاحب نے آپ کے متعلق کچھ لکھا تھا لیکن میرا قلم اس کے نقل کرنے سے انکار کرتا ہے[2]- اسے بہتیرا سمجھایا کہ نقل کفر کفر نباشد مگر وہ نہیں مانتا- اچھا تو آپ واپس کب تک آ رہے ہیں - میں نے تو ڈاکٹر صاحب

۱- ڈاکٹر محمد عمر داؤد پوتہ صاحب نے دوران قیام پروفیسر اسمعیل یوسف کالج محمد معصوم بھکری نامی کی تاریخ سندھ کو پونہ اوریئنٹل بھنڈارکر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے لیے مرتب کیا تھا اور وہاں سے شائع ہوئی تھی - جس کی اطلاع پر شیرانی صاحب نے کتاب کو حاصل کرنے کے لیے لکھا - ڈاکٹر داؤد پوتہ صاحب بمبئی سے کراچی ، سندھ گورنمنٹ میں ڈائرکٹر تعلیم ہو کر آ گئے تھے اور آپ نے وہاں بیٹھ کر حیدر آباد دکن کی مجلس فارسی مخطوطات کے لیے ''چچ نامہ'' مرتب کیا جو طبع ہو چکا ہے - غرض کہ شمس العلماء ڈاکٹر محمد عمر داؤد پوتہ نے سندھ تاریخ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں - [ڈاکٹر داؤد پوتہ کا صحیح نام محمد عمر نہیں بلکہ عمر محمد یعنی عمر بن محمد داؤد پوتہ تھا - انھوں نے کیمبرج سے پی ایچ - ڈی کیا تھا - شمس العلماء کا خطاب ۱۹۴۱ء میں ملا - انھوں نے متعدد کتابیں مرتب کیں - سندی ادبی بورڈ اور سندھ ہسٹاریکل سوسائٹی کے بانی تھے - ان کا انتقال ۲۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو ہوا - (مرتب)]

۲- یہاں شیرانی صاحب کی راقم سے محبت اور بے تکلفی عیاں ہے بلکہ اس میں قبلہ مولوی عبدالحق صاحب کو بھی شامل کر لیا ہے - یہاں آگے چل کر شیرانی صاحب نے خط میں قبلہ مولوی عبدالحق صاحب کے ضمن میں جو ذکر نمائش کا کیا ہے ذرا وضاحت کا محتاج ہے - یعنی ۱۹۳۹ء کے ماہ دسمبر میں ایک آل انڈیا اردو کانفرنس مولوی صاحب نے دہلی میں قائم کی جس میں تمام اطراف و اکناف سے لوگوں نے شرکت کی - راقم کو نمائش کانفرنس کی ترتیب کے لیے کہا گیا - چنانچہ راقم ، پروفیسر اقبال ، پروفیسر شیرانی ، اقبال کے لڑکے داؤد ، یعقوب اور میرا لڑکا عبدالرؤف لاہور سے ایک مکمل لاری مخطوطات وغیرہ نمائش کے سامان کی بھر کر دہلی پہنچے اور یہ کانفرنس و نمائش دہلی ٹاؤن ہال میں منعقد ہوئی - اس بڑی عظیم الشان کانفرنس کی صدارت مرحوم نواب مہدی یار جنگ وزیر تعلیمات حیدر آباد دکن نے کی - اس کی روئداد طبع ہو چکی ہے اور مولوی صاحب کی مہمان نوازی لوگوں کو خوب یاد ہے -

کو لکھ دیا ہے کہ بڑے ڈاکٹر کے بغیر آپ کی نمائش پھیکی رہے گی ۔ آگے وہ جانیں ۔

میں سنتا ہوں کہ آپ جے پور تشریف لے گئے اچھا تو چنوری باغ کے چبوترے پر رقاصی[1] بھی ہوئی تھی یا نہیں ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۵)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۳۱ نومبر ۱۹۴۴ء

مائی ڈیر[2] ڈاکٹر عبداللہ

رزم[3] نامہ پر مضمون پہنچ چکا تھا ۔ اب کارڈ آیا اس میں دو یا تین باتیں ایسی

۱۔ میں بمبئی جاتا ہوا راستہ میں جے پور بھی ٹھہرا جہاں اپنے دیرینہ کرم فرما جناب صاحبزادہ ولی احمد خاں کے ہاں قیام کا اتفاق ہوا اور ان کے فرمانے پر یہ راستہ اختیار کیا تھا تا کہ آپ سے کئی سال کے بعد ملاقات بھی ہو جائے ۔ آپ کا مکان جے پور میں ''چنوری باغ'' کہلاتا ہے ۔ یہ محلہ چنوری برداروں کا ہے ۔ ان کے مکان کا ایک بہت بڑا طویل اور وسیع چبوترہ ہے جہاں ایک مرتبہ میں اور مرحوم شیرانی صاحب صاحبزادہ صاحب کے ہاں مہمان تھے اور وہ بارش کا زمانہ تھا ۔ وہاں ذرا بے تکلفی سے اس موسم میں اس مکان کے چبوترہ پر ٹہلتے رہے اور شیرانی صاحب کو اکثر ایسے واقع خوب یاد رہتے تھے چنانچہ آپ کی طرف سے اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا ۔ پھر یہ بھی ہے کہ میزبان جناب صاحبزادہ صاحب ، جن کا ایک محبت نامہ چند ماہ ہوئے پھر آیا تھا ، ان کے ہاں ایسی مجالس کی طرف اشارہ تھا ۔ ٹونک جانے کے لیے ہمیشہ مسافروں کو یہیں سے ''باندھی کھوئی'' تک بذریعہ لاری جانا پڑتا اور پھر آگے سے نئی لاری ملتی اس لیے یہ بھی وجہ تھی کہ شیرانی صاحب اکثر یہاں جے پور میں ٹھہرتے ۔ آپ نے اس بے تکلفی سے یہاں گھومنے اور ٹہلنے کو بطریق ظرافت لفظ ''رقاصی'' سے تعبیر کیا ہے جس میں ان کی ذاتی بے تکلفی اور ایسے مناظر سے حظ اٹھانے کی دلیل ہے ۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے آپ لاہور میں جے پور سے محض احباب سے ملنے کے لیے پاکستان تشریف لائے تھے ۔

۲۔ یہ وہ زمانہ ہے جب شیرانی صاحب اورینٹل کالج سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن ٹونک میں مقیم ہو چکے ہیں اور آپ کا یہ خط میرے پاس پونہ میں دکن کالج میں وصول ہوا ۔

۳۔ دکن کالج کے بلٹین (رسالہ) میں راقم نے ایک طویل مقالہ مہابھارت (رزم نامہ)

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۳ پر)

ہیں جو مجھ سے جبراً خط لکھوا رہی ہیں ۔ اول تو میری روحانی غذا یعنی سکوں کے متعلق ۔ مہربانی کرکے محمد شاہ اول[1] بہمنی کا وہ سکہ فوراً بھجوا دو ۔ نیز بہمنیوں کے اور سکے تلاش کرکے میرے واسطے خرید کرتے رہو ۔ میں خرید کے دام دے دوں گا ۔ اگر نفع لگاؤ گے وہ بھی دینے کو تیار ہوں مگر یاد رکھنا کہ اب میں بالکل غریب آدمی ہوں ۔ اسی طرح مغلوں کے دکن کی ٹکسالوں کے سکے بھی درکار ہیں ۔ آخر تم کبھی میرے کام بھی آؤ گے نا ۔ تم جو دکنی پیسے دے گئے تھے وہی اور کچھ اور سکے جو اتفاقیہ ادھر مل جاتے ہیں ، ان کے سوائے میرے پاس دکنی سکوں میں کچھ نہیں ہے ۔ احمد نگر کے سلاطین کے سکے میرے پاس نہیں ۔ یہ چیزیں تمہیں چاہیے کہ تلاش کرکے مجھے بھیجتے رہو ۔ آخر چلتے پھرتے رہتے ہو میری طرح اپاہج نہیں ہو ۔

دمہ کے ماہر سول سرجن بیجاپور[2] کے متعلق ذرا اور تحقیق کر لو ۔ اگر قریب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲)

کا مصور ایڈیشن کے عنوان سے لکھا جو اکبر کے دربار میں فارسی ترجمہ مصور تیار ہوا تھا ۔ اس میں اس کے عہد کی مصوری کے تمام ضروری پہلوؤں پر بحث کی اور وہ اصل مصور نسخہ آج تک دربار جے پور کی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس کے شائع ہونے پر اس کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا غرضیکہ آپ کی طرف سے یہ اس کی رسید ہے ۔

۱۔ سلاطین بہمنی دکن کے سکوں پر محققین نے بہت کم لکھا ہے ۔ ہاں ایک مفصل مضمون رسالہ اسلامک کلچر حیدر آباد دکن ۱۹۳۸ء میں پروفیسر سپیٹ نے لکھا جس میں کوشش سے تمام سلاطین بہمنیہ کے سکوں کے نمونے مع ان کی تحریروں کے درج کیے ہیں ۔ مگر پھر بھی محمد شاہ اول کے سکے بہت کمیاب ہیں ۔ میں نے قبلہ شیرانی صاحب کو کئی سو سکے ان سلاطین کے تانبے کے وہاں سے لا کر دئیے اور بہت ہی عجیب و غریب ان پر تحریریں اور تاریخیں وغیرہ درج ہیں ۔ کیونکہ آپ کی یہاں تک رسائی نہیں تھی اس لیے آپ ہمیشہ لکھتے رہے ۔

۲۔ اس زمانہ میں بیجاپور میں ایک مرہٹہ ڈاکٹر تھا جو دمہ کے علاج میں بہت ہی ماہر اور مشہور تھا ۔ وہ انجکشن کرتا تھا ۔ اکثر یہ مشہور تھا کہ ہر مریض جو مایوس ہو کر آتا ہے وہاں سے صحت یاب ہو کر چند یوم میں چلا جاتا ہے ۔ چنانچہ میں نے قبلہ شیرانی صاحب کو بھی ترغیب و مشورہ دیا کہ وہ اس سے علاج کرائیں ۔ شرط یہی تھی کہ مریض کسی طرح علاج کی خاطر بیجاپور

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۴)

ہے تو جا کر دریافت کرو ۔ مجھ کو اب یعنی دسمبر سے دورے اٹھنے لگتے ہیں ۔ اس سال مئی تک دورے اٹھتے رہے ۔ اس کے بعد غالباً برسات کے اثر میں بند ہو گئے ۔ اب دسمبر سر پر کھڑا ہے اور میں کانپ رہا ہوں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳)

پہنچ جائے ۔ ادھر شیرانی صاحب کا مرض دمہ بہت ہی خوفناک صورت اختیار کر چکا تھا ۔ جس کو میں خوب جانتا تھا کہ یہ زیادہ تر بوجہ سگریٹ پینے سے ہوا ۔ جب شیرانی صاحب لاہور تشریف لائے تھے اس وقت بھی آپ سگریٹ پیتے تھے مگر سگریٹ بھی ''نظام'' جس پر میر محبوب علی خاں والد میر عثمان علی خاں نظام حیدر آباد کی تصویر ہوتی تھی ۔ یعنی آپ مصری تمباکو پینے کے سخت عادی تھے اور اکثر میں ان کے لیے دہلی سے بذریعہ وی ۔ پی ان کے خرچ پر منگواتا تھا اور جب آپ مضمون لکھنے بیٹھتے تو بلاشک و شبہ بے شمار سگریٹ اپنی محویت میں پی جاتے اور اس کا اندازہ ان بے شمار کاوشوں سے ہوتا جو وہ ہر سگریٹ کے ختم ہونے پر اپنے قریب ہی فرش پر باقی کاوش کو پھینک دیتے ۔ جب یہ سگریٹ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تو آپ نے گولڈ فلیک پینا شروع کیا اور اس کے ڈبے بھی باہر سے آتے تھے اور یہیں سے آپ بند کرکے کافی تعداد میں کھاٹو لے جاتے ۔ آپ کے پاس ایک سگریٹ کیس کسی دقیانوسی زمانہ کا ولایت سے خریدا ہوا تھا ۔ جب گھر سے باہر جاتے تو ان کے زمانہ سے وہ بھرا ہوا ہمراہ کر دیا جاتا ۔ غرضیکہ آپ کی بیماری یہاں سے شروع ہوتی ہے ۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے مرض کا آغاز تھا اور ابھی سگریٹ آپ برابر پیتے تھے ۔ اتفاق سے لاہور میں میرے کرم فرما قبلہ ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ صاحب علی گڈھ سے تشریف لائے ہوئے تھے اور وہ اپنے عزیز خلیفہ عبدالحکیم صاحب کے ہاں مقیم تھے ۔ میں ان سے کالج جاتے ہوئے محلہ چلہ بیبیاں میں ملا تو انھوں نے دوران ملاقات شیرانی صاحب کی تحقیقات کا ذکر کیا اور ادھر مجھے ان کی ڈاکٹری سے بھی عقیدت تھی ۔ میں نے ان سے کہا چلیے آپ کو شیرانی صاحب سے ملاقات کرا دیں ۔ چنانچہ اسی روز بعد از دوپہر میں ان کو لے کر بغیر کسی قبل اطلاع یا ملاقات کے شیرانی صاحب کے ہاں حسب معمول پہنچا اور وہ بیٹھے مضامین لکھ رہے تھے (ان کی نشست ہمیشہ فرش پر ہوتی تھی) اور اسی طرح سگریٹ بھی پی رہے تھے ۔ ڈاکٹر بٹ صاحب ان کا اخلاق دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے اور مرحوم شیرانی صاحب مجھے کہتے رہے کہ مجھے آمد سے پہلے مطلع کر دیتے مگر جب ڈاکٹر

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

ایک بات یہ معلوم کیجیے کہ چونکہ ان علاقوں میں سردی زیادہ ہوتی ہے اس لیے مچھے دورے اٹھتے ہیں۔ اگر ایسے علاقہ میں مثلاً بمبئی، کراچی یا دکن پونا وغیرہ جہاں سردی نہیں ہوتی، چلا جاؤں تو کیا یہ دورے بند ہو جائیں گے یا ان کی شدت بند ہو سکے گی؟

مانڈو کے خلجیوں[1] کے پیسے میرے پاس ہوں گے تو سہی لیکن اب مجھے کچھ یاد نہیں۔ بہرحال جو فالتو ہوگا دے دوں گا۔ عرصہ سے میں نے ان کو نہیں دیکھا ہے۔

خان بہادر[2] پروفیسر عبدالقادر سرفراز کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴)

بٹ صاحب نے ان کے دمہ میں کوئی خرابی محسوس کی تو خود بخود کہا کہ پروفیسر شیرانی صاحب مجھے اپنی نبض دکھائیے۔ شیرانی صاحب متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر بٹ صاحب نے کچھ لمحات توقف کے بعد کہا کہ شیرانی صاحب علاج بالکل سہل ہے اور وہ آپ ہی کے بس میں ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ سگریٹ پینا فوراً بند کر دیں۔ مجھے وہ تاریخ یا سنہ یاد نہیں۔ شیرانی صاحب نے ذرا ڈاکٹر صاحب کی طرف غور سے دیکھا اور ان کو ڈاکٹر بٹ صاحب کا سنجیدگی سے ہدایت کرنا اس قدر اثر پذیر ہوا کہ شیرانی صاحب نے فی الفور اسی دم سگریٹ پینے کو خیر باد کہہ دیا۔ میں ان کی اس قوت ارادی کی داد دیتا ہوں۔ پھر اس کے بعد اکثر مواقع آئے مگر شیرانی صاحب نے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ بلکہ بعض نے کہا بھی کہ اس قدر جلدی بند نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں جب ۱۹۴۳ء کے دسمبر میں ٹونک میں آپ کے ہاں مقیم تھا اس وقت بھی آپ اکثر رات کو بیٹھ کر گزارتے تھے۔

۱۔ مانڈو کے سلاطین خلجی کے سکے بہت کمیاب ہیں۔ ان کے سکوں پر جو بھی کتبات ملتے ہیں وہ قریب قریب اسی رسم الخط میں ہیں جو آج بھی ان کی قدیم عمارتوں کے کتبات پر ہے جو مانڈو میں ہیں۔ چونکہ مجھے دکن کالج میں ذرا تحقیق سے پڑھانے میں ان سے مدد ملتی تھی۔ اس لیے میں نے اکثر شیرانی صاحب سے ان کو مانگا جو ان کو رتلام و اجمیر وغیرہ مقامات سے دستیاب ہو چکے تھے۔

۲۔ جناب خان بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز مرحوم کا ذکر میں اپنی تقرری دکن کالج پونہ کے ضمن میں اوپر کر چکا ہوں۔ وہ بہت خلیق انسان تھے۔ ان سے دوران قیام پونہ اکثر علمی معاملات میں استفادہ کا موقع ملا۔ ان کو

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۶ پر)

ان کے صاحبزادہ کا مضمون مکمل ہوا یا نہیں ۔ معلوم نہیں وہ مجھ سے خفا ہوگئے یا کیا ؟ مجھے دوروں نے دبا لیا تھا ۔ جواب میں نے دیر میں دیا تھا ۔ پھر کوئی خط نہیں آیا ۔ کیا سچ مچ ناراض ہیں ۔ اس کمبخت حکیم ضیاء اللہ امرہوی نے مجھے ناحق ان سے شرمندہ کرایا ۔ اس کے پاس کلیات انوری کا ایک نسخہ تھا ۔ میں نے اسے بار بار لکھا ۔ اس کے وعدہ پر میں نے خاں بہادر کو لکھ دیا کہ جیسے ہی وہ کلیات میرے پاس پہنچا ، میں خدمت میں ارسال کر دوں گا ۔ اس کمبخت نے نہ جب بھیجا نہ اب بھیجا اور میں مفت میں ان سے شرمندہ ہوا ۔ وہ حکیم میری غوریوں[1] کے پیچھے آٹھ دس سال سے پڑا ہوا تھا ۔ جھلا کر میں نے بھی انکار کر دیا اور اب عرصہ سے خط و کتابت بند ہے ۔ ٹونک میں کئی انوری ملنے چاہیے تھے ۔ بدقسمتی سے اب یہاں کچھ نہیں ملتا ۔ پچھلے دو سال سے میں نے کچھ نہیں خریدا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں نہیں رہیں ۔

ایک بات اور رہ گئی کہ اگر یہ امر ثابت ہو کہ علاج ہو سکتا ہے اور بیجا پور کے سول سرجن اپنے کام میں بے نظیر ہیں تو جناب ڈاکٹر صاحب آپ کو مجھے لے جانا پڑے گا[2] ۔ کیونکہ میری ایسی حالت نہیں رہی کہ تنہا سفر کر سکوں بالخصوص ایسا لمبا سفر ۔ یہ بھی یاد رہے کہ صرف نومبر ہی ایسا مہینہ ہے جس میں میں سفر کر سکتا ہوں ۔ اگلے مہینہ میں سردی کی شدت ہو جائے گی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

بہت ہی خلیق ، مہمان نواز ، فاضل اور متواضع پایا ۔ خاص کر فارسی ادب میں وہ یگانہ روزگار تھے اور ساتھ ہی شیرانی مرحوم کی علمی تحقیقات کے بہت مداح تھے جن کا ذکر انھوں نے اپنی تالیف انگریزی ''فہرست مخطوطات فارسی بمبئی یونیورسٹی'' میں کیا ہے ۔ مرحوم کے علامہ شبلی مرحوم سے بھی مراسم تھے ۔ ان کا لڑکا شیخ عبدالحق ایک مقالہ ''انوری'' پر لکھ رہا تھا جس کے لیے وہ شیرانی صاحب کو لکھا کرتے تھے ۔ پروفیسر شیخ مرحوم دکن کالج میں پروفیسر رہے جہاں کبھی سید سلیمان ندوی بھی رہ چکے تھے اور راقم بھی اس کالج میں پاکستان وجود میں آنے سے پیشتر ریڈر تاریخ تھا ۔ پروفیسر شیخ صاحب نے ۱۰ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پونہ میں انتقال کیا ۔

۱۔ شیرانی صاحب کے مجموعۂ نوادرات میں چینی کی غوریوں کی کافی تعداد تھی جو بہت ہی عجیب و غریب تھال قسم کے رکاب سے تھے جس میں شیرانی صاحب اکثر آم وغیرہ رکھ کر احباب کو کھلایا کرتے تھے ۔

۲۔ میں نے تمام انتظام کر لیے تھے اور خود ٹونک سے شیرانی صاحب کو لانے کے لیے بھی طے ہو گیا تھا مگر یہی کہنا پڑے گا کہ خدا کو ہی منظور نہ تھا ۔

میں دس قدم بھی نہیں چل سکوں گا۔
طلحہ[۱] کی پہلی زوجہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب انھوں نے حیدر آباد دکن

۱۔ مولانا سید طلحہ راقم کے استاد ہیں جن کے فیض صحبت سے عربی علم و ادب کی طرف رغبت ہوئی اور انہیں کی بدولت مرحوم شیرانی صاحب سے اول ملاقات ہوئی تھی۔ سنتے ہیں کہ آج کل سید طلحہ صاحب مدینہ منورہ میں کسی تالیف کی تیاری کے ضمن میں مقیم ہیں۔ آپ اس سے قبل اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر بھی تھے۔ آپ سید احمد بریلوی کے خاندان سے ہیں [سید طلحہ صاحب کا بتاریخ ۲۵۔ ستمبر ۱۹۷۰ء کراچی میں انتقال ہوا (مرتب)]

آپ کی پہلی زوجہ جناب حکیم سید عبدالحئی ناظم ندوہ، لکھنؤ کی ہمشیرہ تھیں، جو آج بہت بڑے مصنف عربی کتب «نزہۃالخواطر» وغیرہ شمار ہوتے ہیں [سید عبدالحئی صاحب کی وفات ۲۔ فروری ۱۹۲۳ء کو ہوئی۔ (مرتب)]

شیرانی صاحب کے تعلقات ان کے خاندان سے عقیدت مندانہ تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارے بزرگ سید صاحب کے ہمراہ ہی ٹونک میں تشریف لائے تھے۔

ایک دفعہ میں اور شیرانی صاحب ناگ پور کے راستہ سے حیدرآباد دکن جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب بھوپال آئے گا خیال رکھنا۔ رات کے قریب ۲-۳ بجے گاڑی جب پہنچی تو میں نے عرض کر دیا کہ بھوپال آ گیا ہے۔ آپ نے اترنے کا حکم دے دیا۔ ہم اتر بیٹھے۔ سامان کو کسی طرح اسٹیشن پر رکھ کر ہم شہر کو ہو لیے۔ فرمانے لگے کہ یہاں کسی طرح سید زبیر صاحب جو سید طلحہ صاحب کے بڑے بھائی ہیں ان کی تلاش کرو۔ رات کا وقت پھر غیر شہر جس کے گلی کوچوں بازاروں اور کسی دیگر انسان کو جانتے نہیں۔ آخر ہم نے سوئے ہوئے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا۔ اتفاق سے کافی دیر کے بعد کسی نے کہہ دیا کہ ادھر کو جائیے۔ تو میں نے سید زبیر صاحب کا نام لے کر بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ گھومتے بھی جاتے تھے اور لوگ بیدار ہو کر سخت سست بھی کہہ دیتے تھے۔ آخر صبح ہونے کو آ گئی مگر سید زبیر صاحب کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ ایک کوچہ میں پہنچے تو کسی نے کہا کہ ساتھ کے موڑ پر جو مکان ہے وہاں آواز دیجیے۔ چنانچہ ان کا مکان مل گیا۔ وہ خود حیران ہوئے کہ کہاں سے آ گئے۔ جب ہم ان کے دیوان خانہ میں داخل ہوئے تو ان کے بچے بھی تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ ان کے بچوں کو دس روپے دے دو اور معذرت کی کہ میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۸ پر)

جا کر اور نکاح کیا ہے اور مع نئی بیوی کے لکھنؤ میں رہتے ہیں اور خیریت سے ہیں ۔ مجھے اس قدر معلوم ہے ۔

لو بھئی آج تو میں نے تمہیں لمبا چوڑا خط لکھ دیا ہے ۔ وہ سکہ جلد بھیج[1] دو ۔ کاغذ میں رکھ کر اور کئی اچھے اچھے دکنی اور سکے اس کے ساتھ ملا کر کسی ڈبیا میں بند کرکے اور کپڑے میں سی کر احتیاط سے بھیجنا ۔ بڑے بوڑھوں کو جو نذر دی جائے بہت اچھی ہونی چاہیے ۔ والسلام

اس کی قیمت بھی لکھ دینا ۔

محمود شیرانی

اس عجیب و غریب[2] نامکمل فرمان کے متعلق آپ کی جنی زبان میری سمجھ میں نہیں آئی بہر حال آپ کی طرف سے اطلاع معلوم ہوئی ہے ۔ شکریہ ۔ والدعا

میری صحت مئی سے اکتوبر تک اچھی رہی ۔ اکتوبر میں دو مرتبہ ملیریا بخار آیا ۔ اس مہینہ میں تیسری مرتبہ پھر آیا ہے ۔ بے حد کمزور ہو گیا ہوں ۔

م ۔ ش

(۶)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۴۔ جنوری ۱۹۴۵ء

جناب ڈاکٹر صاحب[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

کچھ لا نہیں سکا اور میں حیران ہو رہا تھا کہ رواداری [وضعداری؟] کا یہ عالم ہے ۔ باوجود اصرار کے ان کے ہاں پانی تک نہیں پیا اور قریب ایک گھنٹہ بیٹھ کر ہم بازار میں آ گئے اور پرانے سکے تلاش کرتے رہے۔ آخر ہم گھوم کر ریلوے اسٹیشن پر آ گئے اور قریب دس گیارہ بجے پھر گاڑی میں سوار ہو کر ہم حیدر آباد کو روانہ ہو گئے ۔ گاڑی میں فرمانے لگے کہ میں ان کو ملے بغیر یہاں سے گزرنا نہیں چاہتا تھا ۔ ان سے قدیم مراسم ہیں اور سید ہیں ۔

۱۔ ایک سکہ کی اطلاع دی اور کچھ ان سے استفسار بھی کیا ۔ غرض کہ آپ کا ذوق و شوق اس قدر تھا کہ باوجود بیماری آپ ہمیشہ نئی نئی علمی اشیاء کی تلاش میں رہتے ۔

۲۔ اس زمانہ میں مجھے ایک فرمان پر ایک مضمون لکھنے کا اتفاق ہوا جو پونہ «دفتر» سے دستیاب ہوا تھا ۔ اس کے چند الفاظ پڑھے نہیں جاتے تھے ۔ ان کی طرف اشارہ ہے اور وہ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے جلسہ اودے پور کی روئداد ۱۹۴۴ء میں پورا طبع ہو چکا ہے ۔

۳۔ آپ کا یہ خط مجھے پونہ میرے مکان ۳/۴ بی جی روڈ پر ملا ۔

آپ کا نوازش نامہ بصورت کارڈ موصول ہوا ۔ الور کے نسخہ واقعات[1] بابری کی بابت جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر ان مہروں اور سنین کی موجودگی میں آپ کو اس کی اصلیت میں شبہ کرنے کا حق نہیں ۔ عبدالرحیم (خان خاناں) کے فارسی ترجمہ کے علاوہ واقعات کا ایک اور فارسی ترجمہ بھی ہے جو اس قدر مشہور نہیں ہوا ۔ اگر یہ وہ ترجمہ نہیں ہے تو پھر ایک تیسرا اور معاصر ترجمہ ہے جو اس وقت ترکی کے ساتھ ساتھ ہوتا گیا اور جس کو دنیا بھول گئی ہے ۔ نسخہ تاریخی نقطۂ نظر سے نہایت دلچسپ ہے۔ علی الکاتب اس عہد کا خطاط ہے ۔ میرے پاس اس کی خطاطی کے نمونے لندن میں تھے ۔

۱۔ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے جلسہ منعقدہ اودے پور کے موقع پر ایک نمائش بھی حسب معمول ہوئی جس میں تاریخی دستاویز وغیرہ پیش کیے گئے جس کا ذکر میں نے پچھلے خط کے حواشی میں کیا ہے ۔ اس نمائش میں الور ریاست کے مہاراج کے کتب خانہ خاص یا عجائب گھر سے بھی چند علمی نوادر آئے تھے ۔ ان میں ایک قلمی نسخہ «واقعات بابری» کا بھی تھا جو ۹۳۷ھ کا لکھا ہوا تھا ۔ یعنی یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی بابر زندہ تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل ترقیمہ سے واضح ہے :

هذا الکتاب المسمی به تزک واقعات بابری بحسب فرمان واجب‌الاذعان شاهزاده عالم و عالمیان مرشد زادهٔ جهان و جهانیان محمد همایون طلع الله نیر اقباله و شوکته فی یوم السلخ من شهر جمادی‌الثانی سنه سبع و ثلاثون وتسعماية من الهجرة بفضله و حسن توفیقه بیدالعبدالضعیف علی‌الکاتب غفر الله ذنوبه صورت اتمام و طریق اختتام یافت ۔»

جب ہم نے اسے نمائش میں دیکھا تو سب میں ایک حیرانی پیدا ہوئی ۔ ان اشیاء کو ریاست الور کے عجائب خانہ کے مہتمم مسٹر چونی لعل لائے تھے ۔ ان کی بدولت اس مصور نسخہ کو عمدگی سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ اگرچہ یہ نسخہ اس سے پیشتر نسخۂ الور کے نام سے مشہور تھا مگر اس کی حقیقت پر کم توجہ دی گئی تھی کہ کیا کوئی نسخہ واقعات فارسی زبان میں بابر کی زندگی میں بھی موجود تھا؟ کیونکہ عام طور پر یہ زبان زد ہے کہ واقعات کا فارسی ترجمہ ترکی زبان سے عبدالرحیم خانخاناں نے کیا تھا جیسا کہ شیرانی صاحب کے اپنے الفاظ سے بھی واضح ہے چنانچہ شیرانی صاحب کے اسی اشارہ سے تسلی ہوئی اور مزید تحقیق کی طرف توجہ کر کے اس پر ایک مفصل مضمون اسلامک کلچر حیدر آباد دکن میں جولائی ۱۹۳۵ء میں لکھنے کا اتفاق ہوا جس کے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

میں کہہ چکا ہوں کہ مالویوں[1] کے مسی سکے جو میرے پاس فالتو ہوں گے ۔ ان کے دینے میں مجھے دریغ نہیں اور مالویوں پر کیا منحصر ہے اور سکے بھی دے سکتا ہوں ۔ لیکن یہ بات اسی وقت ہوگی جب، ڈاکٹر صاحب یعنی ڈاکٹر (عبداللہ) چغتائی یہاں تشریف لائیں ، سکے لے جائیں اور خرہوزے مفت میں کھا جائیں ۔ رہی تاریخ فرشتہ[2] نولکشور اڈیشن اگر وہ آپ کو نہیں ملتی تو میں اپنا نسخہ دے دوں گا ۔

The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi[3] ، از نیلسن رائٹ

۱۔ مالوہ کے سلاطین کے تانبے کے سکوں کے متعلق پچھلے خط میں تحریر کر چکا ہوں ۔

۲۔ گلشن ابراہیمی یعنے تاریخ فرشتہ فارسی مطبوعہ کسی قدر نایاب ہے اس لیے میں نے آپ سے درخواست کی کہ کہیں سے میسر آجائے ۔

۳۔ یہ کتاب سکوں پر شیرانی صاحب کے پاس اسی زمانے سے آ گئی تھی جب یہ شائع ہوئی تھی ۔ مگر ۱۹۳۵ء میں مجھے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی قیمت مبلغ دس روپیہ کردی ہے جس کا ایک نسخہ میں نے خود براہ راست اپنے ایک دوست مسٹر فتح محمد کی معرفت خرید کیا جو اسی زمانہ میں شعبہ فروخت کتب انڈین گورنمنٹ میں ملازم تھے اور اسی لیے میں نے اسی وقت قبلہ شیرانی صاحب کو بھی مطلع کیا جنھوں نے اسے مبلغ تیس روپیہ پر خرید کیا تھا اور شیرانی صاحب کی خواہش تھی کہ ان کو دیگر کتب متعلقہ سکہ جات کو بھی اس طرح کم قیمتوں پر مہیا کر دی جائیں جو میرے بس سے باہر تھا ۔ نیلسن رائٹ کی اس کتاب پر شیرانی صاحب نے اپنے طور پر ایک تبصرہ بھی لکھا تھا جو کافی طویل تھا اور اسے انھوں نے ایک تعمیری خدمت تصور کرتے ہوئے مولف مسٹر رائٹ کی خدمت میں بھی ارسال کر دیا تھا جسے میں نے خود پڑھا ہے ۔ پھر اس نے اس کا جواب بھی شیرانی صاحب کو دیا تھا جس میں اس نے ان کی محنت کی داد دی تھی اور لکھا تھا کہ واقعی مجھ سے بعض امور میں سہو ہوا ہے ۔ واضح رہے کہ سکوں کے معاملہ میں شیرانی صاحب نے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت اعلیٰ پایہ کی معلومات حاصل کر لی تھیں اور وہ سکے سونے ، چاندی کے و مسی جمع کیے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے ۔ ان کی ایک جھلک اورینٹل کالج میگزین کے صفحات (۱۹۳۳ء وغیرہ) سے میسر آ سکتی ہے ۔ راقم نے اکثر آپ کو مجبور کیا کہ اپنی معلومات کو کسی طرح قلم بند کر دیں جس کی نوبت نہیں آئی مگر پھر بھی انھوں نے ابتدائی اسلامی مسکوکات پر ایک مقالہ اورینٹل کالج میگزین میں آخر لکھا ۔ آپ کا تمام مجموعہ سکہ جات کو پٹنہ کے ایک مارواڑی مسٹر جالان نے خرید کر لیا تھا ۔ یہ اطلاع مجھے ان کی وفات کے بعد بالواسطہ ملی ۔

۱۹۴۲ء میں میں نے دہلی سے بقیمت مبلغ تیس روپیہ گورنمنٹ پریس سے خریدی ہے - آپ اس کی reduced قیمت دس روپیہ بتاتے ہیں - یہ کیونکر ہو سکتا ہے - اس مہنگائی کے زمانہ میں گورنمنٹ نے کیا بجائے بڑھانے کے قیمتیں گھٹا دی ہیں - آپ اگر ایسے ہی با خبر ہیں تو مہربانی کر کے لاہور میوزیم کے مسکوکات سلاطین مغلیہ کی فہرست جو وھائٹ ہیڈ کی تالیف ہے میرے لیے بہم پہونچائیں ، قیمت میں ادا کر دوں گا - مجھے اس کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے - وہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی مطبوعات سے ہے - اسی طرح مسکوکات پر اور فہرستوں کی بھی ضرورت ہے - میرے پاس کلکتہ اور لکھنؤ کی فہرستیں ہیں - اور فہرستوں کے نام بھیج دیجیے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ وہ میرے کام کی ہیں یا نہیں - والسلام

محمود شیرانی

(۷)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۱۹- مئی ۱۹۴۵ء

جناب[1] ڈاکٹر صاحب

آپ کا کارڈ پہنچا یاد آوری کا شکریہ - نیلسن[2] رائٹ کی کتاب میرے پاس موجود ہے - تم سے وہائٹ ہیڈ کی کتاب[3] کے واسطے لکھا تھا - کچھ کیا یا نہیں - نیلیسن کا کیا کروں - ایک نسخہ میرے لیے کافی ہے - میرے لیے پونا آنا اب[4] اور بھی دشوار ہو گیا ہے - میری صحت اب اور زیادہ گر گئی ہے - سفر کرنا شدید ناممکن ہو گیا ہے - میں نے آپ سے سکوں[5] کا وعدہ کیا تھا کہ آؤ لے جاؤ -

---

۱- آپ کا یہ خط مجھے پونہ میں مکان کے پتہ ملا اور یہ آپ کا آخری خط ہے -

۲- نیلسن رائٹ کی کتاب پر میں نے پچھلے خط کے حواشی میں مفصل لکھ دیا ہے -

۳- یہ کتاب بھی وہاں میسر نہیں آئی -

۴- میں نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کو کسی طرح اپنے ہمراہ پونا بیجاپور کے ڈاکٹر سے دمہ کا علاج کرانے کی خاطر لانے کے لیے میں آ رہا ہوں مگر آپ اس وقت کسی کے ہمراہ بھی سفر سے گبھراتے تھے اس لیے یہ مشورہ بھی کارگر نہ ہوا -

۵- یہاں پھر مالوہ کے سلاطین کے تانبے کے سکوں کی طرف اشارہ ہے -

آج کل خربوزوں[1] کا موسم ہے ۔ آتے ہو تو آ جاؤ ، ابھی میں زندہ ہوں ، بعد میں تمہیں یہاں کون پوچھے گا ۔ میں نے فرشتہ[2] کا وعدہ کیا تھا ، وہ آپ کے لیے بمد امانت موجود ہے ۔ پارسل بنا کر اس کا بھیجنا مجھ سے نہیں ہو سکتا ۔ آؤ اور لے جاؤ ۔

میری صحت پہلے سے بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے ۔ رات کو بارہ[3] بجے سے ہانپنی لگ جاتی ہے ، صبح تک لگی رہتی ہے ۔ بیٹھ کر گزارہ کرنا پڑتا ہے ۔ نیند نہیں آتی ۔ ایک آدھ دفعہ دورہ بھی پڑ گیا ہے ۔ پرسوں پڑا تھا ۔ آپ کے متعلق مجھے مولانا عبدالحق صاحب نے دلی سے لکھا تھا کہ عبداللہ کا پونہ میں عرصہ[4] حیات ختم ہو رہا ہے اس کے واسطے کیا کام تجویز کیا جائے ۔ پھر آثارالصنادید[5] کے نئے ایڈیشن کے واسطے لکھا تھا ۔ میں نے اس رائے میں ان سے اتفاق کیا ۔

---

۱ ۔ آپ نے خربوزوں کا ذکر کر کے ایک طرح لالچ دیا کہ میں ٹونک پہنچ کر ان سے مل بھی لوں اور خربوزے بھی کھا جاؤں ۔ ٹونک کے خربوزے دنیا بھر میں اپنے اوصاف میں ضرب‌المثل ہیں ۔ شیرانی صاحب نے اکثر ٹونک سے خربوزوں کے ٹوکرے منگوا کر احباب میں تقسیم کیے اور اکثر احباب کو وہاں بلا کر کھلاتے ، جن میں قبلہ مولوی عبدالحق جیسے احباب شامل ہیں ۔

۲ ۔ تاریخ فرشتہ کی طرف اشارہ ہے ۔

۳ ۔ جب میں بتاریخ ۱۷ ۔ دسمبر ۱۹۴۳ء ٹونک میں آپ کے ہاں مہمان تھا میں نے دیکھا تھا کہ آپ کی یہ حالت پچھلے حصہ شب میں ہو جاتی تھی ۔ اگرچہ اس رات یہ واقع نہیں ہوا ۔ شاید اس وجہ سے آپ مجھے اپنی قدیم اشیاء کتب وغیرہ نہایت انہماک سے دکھاتے رہے اور ہمہ تن مصروف رہے ۔

۴،۵ ۔ پونہ کے دوران قیام میں بعض حالات ایسے ہو گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا شاید مجھے وہاں زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہ ملے اس لیے قبلہ مولوی صاحب کو لکھا کیونکہ ان کی دیرینہ تجویز تھی کہ سرسید احمد خاں کی کتاب آثارالضادید کے از سر نو مرتب کیا جائے اور دہلی کے تمام اسلامی آثار قدیمہ کا پورا جائزہ لیا جائے ۔ اسی ضمن میں قبلہ مولوی صاحب سے بالتفصیل خط و کتابت بھی ہوئی اور انہوں نے قبلہ شیرانی صاحب مرحوم سے بھی مشورہ کیا ۔ پھر مولوی صاحب سے ۱۹۴۵ء میں مل کر بھی معاملہ فہمی ہوئی حالانکہ انہوں نے مجھے اپنا آثارالصنادید کا وہ نسخہ ارسال کیا جو اول نسخہ ۱۸۴۷ء کا مطبوعہ تھا ۔ ادھر میں نے اس کام کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر مطالعہ بھی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۳ پر)

ابراہیم[1] اور ندوی[2] صاحب تو جیسا تمہارا گمان تھا نہیں آئے۔ دونوں نے میرے آخری خطوں کا جواب تک نہیں دیا۔ ابراہیم صاحب کے بھائی صاحب[3] کے واقعہ وفات کا مجھ کو سخت افسوس ہوا۔ آپ میری طرف سے عذر خواہی مہربانی کر کے لکھ دیجیے۔ میں عنقریب اگر زندہ رہا تو صاحب فراش ہو جاؤں گا۔ چلنا پھرنا تو ویسے ہی بند ہے۔ آپ کے کام کی کوئی کتاب اگر آئی تو میں خوید رکھوں گا۔ والسلام

محمود شیرانی

مکرر آنکہ میں آپ[4] کے ہر خط کا جواب دے چکا ہوں اس لیے آپ کی شکایت ناجائز ہے۔

فقط

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲)

شروع کر دیا۔ اور اب یہ خیال ہو ہی رہا تھا کہ دہلی کے ان آثاروں کا مشاہدہ گرمی کی چھٹیوں میں کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ کیا جائے مگر اسی اثناء میں پاکستان وجود میں آ گیا اور یہ تمام کام یونہی کا یونہی رہ گیا۔ قبلہ مولوی صاحب نے ۱۹۴۸ء میں (جب لاہور تشریف لائے) وہ نسخہ آثارالصنادید جو میرے پاس امانت تھا خود مستقر پر آ کر لے گئے اس لیے یہ کام انجام نہیں پا سکا۔ اب سنتے ہیں کہ کئی قدیم آثار اسلامیہ دہلی مٹ چکے ہیں یا مٹائے گئے ہیں۔

۲،۱- ان ہر دو پروفیسروں کے متعلق راقم اپنے خط اول کے حواشی کے تحت لکھ چکا ہے مگر شیخ ابراہیم ڈار ایم۔ اے (پنجاب یونیورسٹی) کا انتقال ہر ملال بتاریخ ۸- مئی ۱۹۵۳ء کو بہ حیثیت پروفیسر اسماعیل یوسف کالج جوگشیوری، بمبئی، بمقام باندرہ واقع ہوا۔ مرحوم بہت بڑے اوصاف کے مالک تھے بلکہ کئی حالات میں محسن بھی تھے۔

۳- شیخ ابراہیم ڈار کے ایک بھائی شیخ محمد یامین ڈار کا انتقال بتاریخ ۱۲- اپریل ۱۹۴۵ء ہوا جس کے لیے قبلہ شیرانی صاحب نے مجھے تعزیت نامہ لکھنے کے لیے لکھا ہے۔ غرض آج بہت سے احباب مرحوم ہو چکے ہیں۔

۴- یہ ایک طرح کی پیشین گوئی تھی کہ اب آپ کا کوئی خط نہیں آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات کی اطلاع پونہ میں ملی اور اس روز صبح صبح ابھی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی حادثہ سے عینک ٹوٹ گئی اور اس کے فوراً بعد جو خط ڈاک سے وصول ہوا وہ آپ کی وفات کی خبر تھی جو مجھے مرحوم پروفیسر ابراہیم نے دی تھی جسے اوپر درج کردیا ہے۔

بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان[1] صاحب

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۸- ستمبر ۱۹۴۵ء

جناب من

آپ کا کارڈ[2] موصول ہوا - جواب دیر میں دے رہا ہوں - میں یہاں جنگل میں پڑا ہوا ہوں[3]- کتابوں سے دور ہوں اس لیے حسب دل خواہ جواب نہ دے سکا نہ دے سکتا -

خالد بن ربیع کو جو میں نے سالکی لکھا ہے اس کا ماخذ کلیات انوری ہے - انوری کے ہاں اس کے حق میں کوئی نظم یا قطعہ ہے - جب حسن غزنوی بھی اسے سالکی لکھتے ہیں تو اس کا سالکی ہونا بالکل درست ثابت ہے -

ترکیب بند و ترجیع بند کے واسطے آپ دواوین منوچہری دامغانی، قطران تبریزی و مسعود سعد سلمان دیکھیں- لباب‌الالباب پر بھی نظر ڈال لیں- حدایق السحر رشید الدین وطواط میں شاید کہیں ذکر آ جائے - اگر ان کتابوں میں نہ ملے تو سمجھ لیجیے کہ یہ صنف نظم قدیم نہیں ہے - دوسری صورت ان کی سراغ رسانی کی کتب لغات و کتب معانی و بیان میں - ممکن ہے کوئی مصنف ان کی تاریخ دے دے سید حسن کا زمانہ کافی قدیم ہے - جب ان کے ہاں موجود ہے تو پھر آپ زیادہ تلاش نہ کیجیے - قطران اور منوچہری کو دیکھ لیجیے اور بس -

ابوالقاسم قوام‌الدین کے واسطے آپ سلجوقیوں کی تاریخ دیکھیے - مجھے اتنا معلوم ہے کہ سنجر کے کئی وزیر ہیں - وزیر کا نام آپ ناصر بن حسین مان لیجیے - نجم‌الدین اور قوام‌الدین کے واسطے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا - ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک

۱- ڈاکٹر صاحب موصوف آج کل سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے سبکدوش ہونے کے بعد حیدرآباد (سندھ) میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے ہیں - شیرانی صاحب مرحوم کا یہ خط آپ نے عطا فرمایا ہے - (مرتب)

۲- یہ کارڈ غلام مصطفیٰ خان صاحب نے امراؤتی (برار) سے ۲۴- اگست ۴۵ء کو لکھا تھا جہاں موصوف کنگ ایڈورڈ کالج میں اردو کے استاد تھے اور ان دنوں سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ) پر تحقیقی کام کر رہے تھے - اور اسی ضمن میں شیرانی صاحب سے چند استفسارات کیے تھے - زیر نظر خط ان کے جواب میں قلمی ہوا - (مرتب)

۳- شیرانی صاحب ان دنوں دریائے بناس کے کنارے اپنی زرعی اراضی پر عزلت نشین تھے - (مرتب)

ہی شخص کے دو دو لقب بھی ہوتے ہیں - اگر میں آپ کی جگہ ہوتا، سید حسن کی معاصر شہادت کی بنا پر نجم‌الدین ناصر حسین اختیار کر لیتا -

صدر میں تعمیم بھی ہے اور تخصیص بھی - صدر الوزراء، صدر کبار ترکیبیں وغیرہ عام طور پر ملتی ہیں لیکن صدر، قاضی اور قاضی‌القضاۃ (قاضیوں کے افسر) کے واسطے بھی خصوصیت کے ساتھ آتا ہے - انوری:

قطعۂ صدر اجل قاضی قضاۃ شرق و غرب
آنکہ بر عالم نفاذ او قضای دیگر است

ایک مشہور قطعہ ہے:

ز قریات ہمدان شخصی بر آمد کہ قاضی شود صدر راضی نمی شد
بہ رشوت خری داد تا گشت قاضی اگر خر نمی بود قاضی نمی شد

اس قطعہ کا پہلا مصرع مجھے یاد نہ رہا اس لیے جو کچھ لکھا ہے ضرورتاً لکھا ہے - باقی مصرعے درست ہیں - صدر اعظم اور صدر جہاں جیسی ترکیبیں بھی زیادہ تر قاضیوں اور ان کے افسر کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور وزرا کے واسطے بھی - رودکی نے ابوالفضل بلعمی کے حق میں کہا ہے:

صدر جہان جہان ہمہ تاریک شب شدہ است
از بہر ما سپیدۂ صادق ہمی دمی

مصرع: صدر باعزت و بامرتبہ عبدالجبار

میں صدر زیادہ تر قاضی یا افسر قاضیان کے مفہوم میں معلوم ہوتا ہے -

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اس بارہ میں کوئی امداد نہیں کر سکتا - والسلام

محمود شیرانی

بنام ڈاکٹر صادق حسین[1] صاحب

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
یکم جولائی سنہ ۱۹۴۴ء

مائی ڈیر ڈاکٹر صادق

۱- ڈاکٹر صادق حسین صاحب (ایم - بی - بی - ایس) لاہور میں شیرانی صاحب کے فیملی ڈاکٹر تھے - آپ دل محمد روڈ پر اپنے مکان «طور منزل» میں مطب فرماتے ہیں -

۲۳- اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تولد ہوئے - ۱۹۳۳ء میں ایم - بی - بی - ایس میں کامیابی حاصل کی - آپ پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے بڑے سرگرم رکن رہے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۶ پر)

آپ کے دونو خط اور دونو کتابوں 'کامل التشخیص'[۱] اور 'ہمارے ہندوستانی مسلمان'[۲] کی رسید اور شکریہ قبول کیجے ۔ کتابیں ایسے وقت پہونچیں جب میں دمہ کے دوروں میں مبتلا تھا ۔ ساتھ ہی دمے کی جرمن ٹکیوں اور نسخے کا بھی شکر گزار ہوں ۔ ٹکیں اور نسخہ ضرورت کے وقت استعمال کروں گا اور پھر آپ کو نتیجے سے اطلاع دوں گا ۔ میری حالت مختصراً یہ ہے کہ اول اول تو مجھے دھوپ اور ریل کے دھویں سے عام شکایت تھی لیکن اب تو موسمی تغیر بھی دموں کا محرک بن جاتا ہے ۔ مثلاً اولوں کا گرنا، ٹھنڈی ہواؤں کا چلنا ۔ بلکہ بعض وقت تو خالی آندھی سے بھی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے ۔ قصہ مختصر ہر موسمی تغیر سے مجھ پر کم و بیش اثر ہونے لگتا ہے ۔ پچھلی سردیوں سے باقاعدہ دورے پڑنے لگے ہیں ۔ سردی میں میں کوئی ڈھائی تین مہینے صاحب فراش رہا ۔ اس اثنا میں متعدد مرتبہ دورے پڑے ۔ جب زیادتی ہونے لگی تو جنوری میں علاج کے لیے جے پور جانا پڑا ۔ میں بیس روز برابر ہسپتال میں رہا ۔ داخلے کے بعد صرف ایک دورہ پڑا جس کو بذریعۂ انجیکشن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۵)

ہیں ۔ سنہ ۱۹۵۶-۵۷ء میں اس کے صدر تھے ۔ انجمن حمایت اسلام سے بھی ان کا گہرا تعلق رہا ہے ۔ پانچ سال تک طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے ۔ آج کل بھی انجمن کی طبیہ کالج کمیٹی کے صدر ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کی سماجی خدمات بھی قابل قدر ہیں ۔ کوئٹہ کا زلزلہ ہو یا ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ موصوف نے ہمیشہ بڑی جانفشانی اور خلوص کا مظاہرہ کیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ آپ نے مختلف طبی موضوعات پر اردو میں کتابیں سپرد قلم کی ہیں ۔ اور اس علم میں مسلمانوں کی خدمات کو بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ حکیم ابوالقاسم زہراوی کی «التصریف» کا آپ نے اردو ترجمہ کرکے ۱۹۷۳ء میں شائع کیا اور اسے شیرانی صاحب مرحوم کے نام معنون کیا :

«انتساب بہ نام نامی استاد محترم حافظ محمود شیرانی مرحوم و مغفور ۔ یہ ناچیز کوشش آپ کی ہی دلی خواہش کا احترام ہے» (مرتب)

۲۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ اردو زبان میں تشخیص کے موضوع پر قابل قدر کتاب ۱۹۴۴ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی ۔ پھر بعض اضافوں کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۱ء کے اواخر میں نکلا ۔ (مرتب)

۳۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈبلیو ۔ ڈبلیو ۔ ہنٹر کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ کیا ۔ یہ ترجمہ ماہنامہ «پیغام حق» میں مارچ ۱۹۴۲ء سے جون ۱۹۴۲ء تک قسط وار چھپا ۔ پھر ۱۹۴۴ء میں اقبال اکیڈیمی کی جانب سے اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ۔ (مرتب)

روک دیا گیا ۔ جب جسم میں کچھ طاقت آ گئی میں ہسپتال سے چلا آیا ۔ جے پور والوں نے میرے دمے کو Bronchial asthma بتایا ہے ۔ بہرحال دوروں سے قبل اینا اور دورے کی حالت میں Ephedrine کا انجیکشن صحیح علاج ثابت ہوا ہے ۔ بلکہ بعض دوروں میں تو ایک انجیکشن سے کچھ فائدہ نہیں ہوا دوبارہ انجیکشن کیا گیا ۔ بہرحال میں نہ مردہ ہوں نہ زندہ ہوں ۔ پہلے تو آپ لوگ بھی کہتے رہے کہ بس دمہ کا زور سردیوں سردیوں رہتا ہے ۔ لیکن جب وہ دورے گرمیوں میں ہونے لگے تو آپ کے برادران پیشہ نے کہا، ہاں ہاں ہر موسم میں دمہ کا زور ہو سکتا ہے لیجیے ہم تو ختم ہوئے ۔ اب میری کیفیت تو یہ ہوگئی کہ ہر وقت ہول رہتا ہے کہ کہیں میری بھی وہی حالت نہ ہو جائے جو آپ کے اس بیمار کی تھی جسے لے کر آپ سیالکوٹ سے آئے تھے اور جو بالکل مضغۂ گوشت بن گیا تھا، کوئی حرکت نہ کر سکتا تھا اور صرف ایک سانس سانس باقی تھا ۔ خدا ایسی زندگی سے تو موت دے دے ۔

'ہمارے ہندوستانی مسلمان' کے متعلق میری مبارکباد قبول کیجیے ۔ ایک چ ختم ہو کر چھپ تو گئی ۔ رہا ترجمہ تو اس کی بابت رائیں مختلف ہوں گی ۔ کوئی کہ کہے گا کوئی کچھ کہے گا ۔ 'من صنف ھدف' پرانا لیکن سچا مقولہ ہے ۔ میری سے بڑی تنقید جو اس پر ہے، یہ ہے کہ آپ نے ایسے موضوع کو ہاتھ میں لیا جس واسطے آپ بالکل طیار نہ تھے ۔ حضرت سید احمد شہید روشن تر از آفتاب ہستی' لیکن آپ نے ان کے تعلق میں سطحی معلومات کا بھی مطالعہ نہ کیا جو تفصیلی[1] اطلاع دیتے ۔ آپ کا ترجمہ قدم قدم پر حواشی اور نوٹ کا محتاج ہے ۔ آپ نے ضروری ضروری حاشیے تک نہ دیئے ۔ آپ نے اس ترجمہ کے ذریعہ سے ایک کروز امپیریلسٹ کی رائے، سید صاحب اور ان جماعت کے متعلق، اردو زبان میں منتقل کر دی ۔ لیکن سید صاحب کا جو رتبہ خود ان کی جماعت اور پیروؤں میں تھا وہ نے

۱۔ شیرانی صاحب کے اس تنقیدی خط نے ڈاکٹر صاحب کے سمند شوق پر لگام کا کام کیا اور وہ سید احمد شہید اور ان کی تحریک پر ہمہ تن مصروف ہو گئے جس کے نتیجے میں «تحریک مجاہدین» کے عنوان سے انہوں نے متعدد جلدیں سپرد قلم کی ہیں ۔ اسی سلسلے کی پہلی جلد ۱۹۷۵ء میں اور دوسری اس کے بعد شائع ہو چکی ہیں ۔ باقی جلدیں تحریر و طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب اس کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں :

«استاد محترم حافظ محمود شیرانی صاحب . . . چاہتے تھے کہ اس تحریک پر بھی ایک تحقیقی کتاب لکھی جائے اور مجھے اس کام کے کرنے کی ترغیب دی تھی»۔ (مرتب)

کہیں نہیں دکھایا حالانکہ اس کی سخت ضرورت تھی ۔ کتاب کے مخاطب نوجوان مسلمان ہیں جن کو خود مسلمانوں اور ان کی سیاسی تحریکات کا کوئی علم نہیں ۔ اس لیے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے جس مقصد سے اس ترجمہ کو لیا تھا وہ مقصد فی نفسہ پورا نہیں ہوا ۔ اسی طرح سید صاحب کے حق میں ہنٹر کی سب و شتم بالکل ناواجب ہے ۔ حالانکہ سید صاحب نے نہ ہنٹر اور نہ کسی انگریز کا کچھ بگاڑا تھا ۔ اگر مسئلہ جہاد کی بنا پر یہ غصہ ہے تو یہ مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا اسلام پرانا ہے ۔ تو بھی سید صاحب کے خلاف دشنام طرازی بالکل لچر اور لغو ہے ۔

اب میں بعض اور امور کی طرف توجہ کرتا ہوں :

صفحہ ۲۱ : ''سرحد پہ باغی کیمپ کے بانی مبانی سید احمد تھے''۔

یہاں لفظ 'باغی' پر میرا اعتراض ہے ۔ سید صاحب کے سرحد پہونچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا ۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کدھر بغاوت کی ۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا ۔ چونکہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی اس لیے کمپنی نے دانستہ اغماض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی ۔ اس لیے سید صاحب کو ہنٹر کا باغی لکھنا ، لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے ۔

صفحہ ۲۱، حاشیہ ۲ : ''امیر خاں پنڈاری آف ٹانک''۔

یہ حاشیہ آپ کا معلوم ہوتا ہے ۔ ہنٹر سے ایسی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی ۔ امیر خاں کا دارالریاست ٹونک ہے (Tonk) جو راجپوتانہ میں واقع ہے ، نہ ٹانک (Tank) جو ڈیرہ اسمعیل خاں کے ضلع (صوبہ سرحد) میں واقع ہے ۔

آپ نے امیر خاں کو پنڈاری لکھا ہے ۔ اور مسلمان بھی عام طور پر ان کو یہی لکھتے ہیں ۔ لیکن مجھ کو اس کے متعلق شبہ ہے ۔ امیر خاں کے ساتھ جو کمپنی کا معاہدہ ہوا ہے ، اس میں ایک شق یہ موجود ہے :

''دفعہ سوم : نواب موصوف خلش در ملک کسے نخواہند کرد و رابطہ کہ با پنڈارھا و دیگر غارت گران می دارند موقوف خواہند نمود بلکہ حتی الوسع در تدارک و مدافعت آنہا برفاقت سرکار خواہند پرداخت و سوال و جواب با احدے بغیر مرضی سرکار نخواہند داشت''۔

اس دفعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امیر خاں پنڈاری نہ تھے ۔ ہاں انھوں نے پنڈاروں کو وقتاً فوقتاً اپنی ملازمت میں رکھا ہے ۔ بعد کے انگریز ان کو شدید ترین اور بدترین قسم کا پنڈارہ کہتے ہیں ۔ دیکھو امپریل گزیٹیر اور ویسٹرن

راجپوتانہ گزیٹیر ۔ لیکن ہوبسن جوبسن میں بزیر 'پنڈارہ' امیر خاں کا نام تو نہیں ملتا اور نہ پنڈارہ کی تعریف ، جو اس لغت میں دی گئی ہے ، امیر خاں پر درست آتی ۔ لیکن لطیفہ یہ ہے کہ خاندان رؤساء ٹونک ڈاکو کہلائے جانے پر فخر کرتا ہے ۔ خود میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ گذرا ۔ جب میں اپنے والد ماجد کی وفات کے موقعے پر سنہ ۱۹۰۶ء میں لندن سے واپس ٹونک آیا اور ضرورتاً نواب صاحب کے سلام کو جانا پڑا تو ان کے کسی مصاحب نے ، جو انھی کے خاندان سے تھا ، میری خیر خواہی کے خیال سے کہا کہ اگر سرکار کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو ان سے کہنا کہ لندن کے انگریز آپ سے بہت ڈرتے ہیں اور ڈاکو صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ میں اس شخص کی عجیب و غریب ذہنیت پر دل میں کڑھتا رہا ۔ چند منٹ میں ہز ہائی نیس آ گئے ۔ اس شخص نے وہی بات میرے نام سے ان سے کہہ دی کہ ان کا بیان ہے کہ لندن والے حضور سے بہت ڈرتے ہیں اور ڈاکو صاحب کہہ کر نام لیتے ہیں ۔ اس پر میری امید کے برخلاف سرکار بے حد خوش ہوئے اور مسکرا کر مجھ سے کہنے لگے ، کیوں صاحب لندن کے لوگ ہمیں ڈاکو صاحب کہتے ہیں ؟ میں مسکرا کر خاموش ہوگیا ۔ لاحول ولا قوۃ ۔ 'دروغ گویم بر روے تو' والا معاملہ تھا ۔

لطیفہ پر لطیفہ یہ ہے کہ کسی انگریز نے ہندوستان اور اس کے بعض اشخاص پر کچھ نظمیں لکھیں ۔ ان میں دو تین نواب امیر خاں کے خلاف بھی لکھیں جن میں صاف و صریح دشنام طرازی تھی ۔ رئیس ٹونک کی ذہنیت دیکھیے کہ انھوں نے وہ کتاب سینکڑوں کی تعداد میں خرید کر رکھ لی ہے اور جب کوئی لیا انگریز آتا ہے ، وہ کتاب فخریہ بطور ہدیہ اس کو دی جاتی ہے ۔ میں ابھی تک اس کتاب کی زیارت سے محروم ہوں ۔ بہرحال میری رائے میں امیر خاں کو پنڈاری کہنا درست نہیں ۔ ہوبسن جوبسن میں پنڈارہ پر جو مضمون ہے اس میں امیر خان کا ذکر نہیں آتا ۔

صفحہ ۲۱ : ''مگر رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی قوت نے جس سختی کے ساتھ اپنے مسلمان ہمسایوں کو دبائے رکھا ، اس سے مسلمان لٹیروں کا کام بہت خطرناک اور غیر منفعت بخش ہوگیا تھا ۔''

اس عبارت پر آپ کو حاشیہ دینا چاہیے تھا ۔ پنجاب میں کون سے مسلمان لٹیرے تھے ؟ وہاں تو سکھ لٹیرے تھے ۔ ان میں سب سے زیادہ طاقت ور رنجیت سنگھ تھا ۔ سکھوں نے مسلمانوں کے خون اور مسلمانوں کی دولت پر پرورش پائی تھی ۔

صفحہ ۲۸ : ''جرنیل وینچو (Ventu) یا وینٹورا (Ventura)''۔

سید محمد لطیف جج کی انگریزی تاریخ پنجاب میں Ventura درج ہے - دیکھو P. 427 and P. 433 اس تاریخ کے - صفحہ ۲۸ ، حاشیہ ۱ : ''جرنیل ایلدرڈ (Aldard)''-

صحیح نام Allard ہے - دیکھو تاریخ پنجاب از لطیف P. 427, P. 441, P. 475 صفحہ ۲۶ : ''اویطابلی (Avitabuli)'' صحیح نام Avitabile ہے - دیکھو تاریخ مذکور صفحہ 427 -

صفحہ ۲۶ ، حاشیہ ۱ : ''رسالہ ترغیب الجہاد . . . . اس کے مصنف قنوج کے ایک مولوی صاحب تھے -''

اس نام کا کوئی رسالہ مجھے معلوم نہیں لیکن میری فہرست مخطوطات میں ، جو اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ، نمبر ۱۹۶۵ (۲) رسالۂ جہادیہ طبع ۱۲۵۳ھ ہے - نمبر کے ساتھ (۲) کا مقصد یہ ہے کہ اس جلد کی پہلی کتاب تو قلمی ہے اور (۲) کتاب جو مطبوعہ ہے وہ رسالۂ جہادیہ ہے -

صفحہ ۳۱ : ''ستیانہ''

صحیح نام 'ستھانہ' ہے جو ملک سندھ میں تنول اور سمہ کے درمیان واقع ہے اور سید صاحب کی شہادت کے بعد مجاہدین کا اڈا رہا ہے -

صفحہ ۷۲ ، حاشیہ ۲ : ''مولوی نصیر الدین صاحب (مولینا محمد اسحق کے داماد)''

بعد میں ستھانہ میں سید صاحب کے جانشین بنائے جاتے ہیں - ان کے حالات کے واسطے دیکھو میرے مجموعۂ مخطوطات کا نمبر ۱۹۵۲ 'رسالہ در حالات محمد نصیر الدین جانشین سید احمد شہید در ملک سندھ یعنی موضع ستھانہ واقع درمیان تنول و سمہ از ملک سندھ تالیف ابو علی احمد ابن احمد میر بفرمایش نواب وزیرالدولہ بہادر والیٔ ریاست ٹونک فرزند نواب امیر خاں و مرید سید احمد شہید - مسودۂ مصنف مشتمل بر دو باب'-

معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کبھی ختم نہیں ہوا - میری فہرست مخطوطات مخزونۂ یونیورسٹی لائبریری پنجاب میں ایک نمبر ۵۷۲ شجرۃ الایمان از مولوی ابو عبداللہ محمد نصیر الدین دہلوی ، انہی کی تصنیف معلوم ہوتا ہے -

صفحہ ۹۹ : ''انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پہ اگر وہابیوں کی نظم و نثر کی مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے - اس جماعت نے بہت سا ادب پیدا کر دیا ہے - ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے تمام و کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے - میں ذیل میں چودہ کتابوں کی فہرست دیتا ہوں - بعض تو ان میں حد سے زیادہ اشتعال انگیز ہیں -''

یہ بیان سخت گمراہ کن ہے - جہاد مسلمانوں کا ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے - جہاد پر لکھنے یا بحث کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ یہ کتابیں انگریزوں کے خلاف لکھی گئی ہیں - ان چودہ کتابوں میں سے اکثر ایسی ہیں جو مولینا اسمعیل شہید کی تصنیفات ہیں ، جو انگریزوں اور وہابیوں میں تصادم سے بہت قبل لکھی گئی ہیں - پھر یہ کیسے ثابت ہوا کہ انگریزوں کے خلاف لکھی گئی تھیں - مثلاً :

صفحہ ۹۹ ، حاشیہ ۱ 'صراط المستقیم' ہے ، جس کے معنی ہیں راہ راست (سیدھا راستہ) - بھلا ان الفاظ میں باغیانہ کیا بات ہے اور ہنٹر صاحب کو کیسے معلوم ہوگیا کہ اس کتاب کا محض نام ہی تمام و کمال باغیانہ ہے - اس کتاب کے واسطے دیکھو میرے مجموعہ' کتب مطبوعہ مخزونہ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نمبر ۹۲م ، صراط المستقیم ، از مولینا محمد اسمعیل شہید ، بتصحیح عبدالرحمن صفی پوری و محمد علی رام پوری ، در مطبع شیخ ہدایت اللہ کلکتہ ، سنہ ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۲ء) ٹائپ نستعلیق اور نمبر ۳۲۲ (۲) صراط المستقیم از مولینا محمد اسمعیل شہید ، مجتبائی دہلی ، سنہ ۱۳۰۸ھ -

صراط المستقیم ، کلکتہ میں (بشرطیکہ اس کا کوئی سابقہ اڈیشن نہ ہو) سنہ ۱۸۲۲ء میں چھپتی ہے اور سید صاحب بغرض جہاد سنہ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) کی ابتدا میں سرحد کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) کو شہادت پاتے ہیں - اس حساب سے صراط المستقیم ، سید صاحب کی جہادی مہم سے تین سال قبل چھپتی ہے - سید صاحب کی مہم صریحاً سکھوں کے خلاف تھی - اس سے بہرحال ثابت ہے کہ صراط المستقیم انگریزوں کے خلاف تو نہیں لکھی گئی -

صفحہ ۱۰۰ ''(۶) آثار محشر مطبوعہ مولوی محمد علی سنہ ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۹ء'' - 'مطبوعہ' کی جگہ 'مصنفہ' چاہیے کیونکہ ''آثار محشر'' مولانا سید محمد علی ، محمد تخلص کی تصنیف ہے - میرے مجموعہ' مخطوطات میں اس کتاب کا ایک نسخہ بخط مصنف نمبر ۱۲۵۷ ، نوشتہ' سنہ ۱۲۵۲ھ کا موجود ہے - اس کے علاوہ نمبر ۱۳۱۹ ''تائید الاسلام'' بھی اسی مصنف کے قلم سے ایک اور تالیف ہے جو سنہ ۱۲۷۳ھ کی نوشتہ ہے - اس میں انگریزوں کی مخالفت میں بھی اشعار آتے ہیں -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۷) تقویۃ الایمان از مولینا اسمعیل شہید دہلوی''-

اس کے لیے دیکھو میری فہرست مطبوعات نمبر ۲۶۵ (۲) تقویۃ الایمان از شہید ممدوح در مطبع فاروقی دہلی ، سنہ ۱۲۹۳ھ اور نمبر ۶۲۸ تقویۃ الایمان از مولینا محمد اسمعیل شہید دہلوی بتصحیح زین العابدین سنہ ۱۲۵۷ھ ، ٹائپ بطرز نستعلیق اور مخطوطہ نمبر ۶۷ھ تقویۃ الایمان از شہید موصوف -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۹) نصیحت المسلمان . . . . (از) کرم علی کانپوری''-

اس کتاب اور اس کے مصنف کا نام آپ نے بالکل غلط دیا ہے ۔ کتاب کا نام ''نصیحت المسلمین'' اور مصنف کا نام خرم علی بلہوری ہے ۔ اس کتاب کے واسطے دیکھو میری فہرست مطبوعات نمبر ۲۶۵ نصیحت المسلمین از خرم علی ، مطبع چشمۂ فیض میرٹھ ، سنہ ۱۸۷۵ء ۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۳۸ھ میں تالیف ہوئی ہے ۔ بھلا اس کتاب کے نام میں ہنٹر صاحب کو بغاوت کی بو کدھر سے آ گئی ۔ مولینا خرم علی نے اس تالیف میں آیات قرآنی کا ترجمہ اردو زبان میں بغرض مذمت شرک دیا ہے چنانچہ کہتے ہیں :

''بندہ خرم علی کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجیے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کرے تا کہ ہر ایک کوں فائدہ عام ہو ۔''

ایک اور نسخہ مطبوعہ ، نمبر ۱۰۶۸ نصیحت المسلمین از خرم علی ، مطبع محمدی ، محمد حسین ، لکھنؤ کا ناقص الاخر ہے ۔

صفحہ ۱۰۰ : ''(۱۰) ہدایت المومنین مصنفۂ اولاد حسین ۔''

مجھ کو یاد نہیں لیکن ایک رسالہ میرے مجموعۂ مخطوطات میں نمبر ۲۴۰۲ ہدایت المومنین اردو تصنیف مولانا حسن قنوجی ، سنہ ۱۲۰۵؟ ہے ۔ اسی مجموعۂ مخطوطات میں ایک نسخہ نمبر ۵۷۸ (۲) ہدایت المومنین از حسن قنوجی نوشتہ سنہ ۱۲۴۹ھ/۱۸۲۹ء ہے ۔ اولاد حسین ، نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کے والد کا نام تھا جو پہلے شعیہ تھے اور سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت لا کر جماعت اہل حدیث میں شامل ہوگئے اور گھر کی لاکھوں کی جائداد سے ہاتھ اٹھا لیا ۔ قنوج کے رہنے والے تھے ۔ ممکن ہے کہ حسن اور اولاد حسین مختلف اشخاص ہوں ۔

صفحہ ۱۰۰ : ''(۱۱) تنویر العینین''

اس کے لیے دیکھو میری فہرست مطبوعات کا نمبر ۱۴۹۰ (۴) تنویر العینین از مولنیا محمد اسمعیل شہید طبع مطبع فاروقی اور نمبر ۶۲۸ (۲) تنویر العینین فی اثبات رفع یدین از مولینا محمد اسمعیل شہید مطبع رحمانی سنہ ۱۲۵۶ھ (ٹائپ) اور نمبر ۲۰۰۳ تنویر العینین طبع لودھیانہ سنہ ۱۲۷۹ھ ۔

صفحہ ۱۰۰ : ''(۱۳) تنبیہ الغافلین''

اس کے متعدد نسخے میرے مجموعۂ کتب میں ہیں ۔ مطبوعات میں نمبر ۱۵۵۲ تنبیہ الغافلین از سید عبداللہ ابن بہادر ، علی مطبع احمدی کلکتہ ، سنہ ۱۲۵۸ھ ، ٹائپ بطرز نستعلیق ۔ اور مجموعۂ مخطوطات میں نمبر ۲۰۲ تنبیہ الغافلین از سید عبداللہ ولد بہادر علی اور مخطوطہ نمبر ۱۳۰۱ (۲) تنبیہ الغافلین تالیف سید احمد کا ترجمہ نظم اردو میں اور نمبر ۱۳۰۴ (۲) تنبیہ الغافلین سید احمد کا ترجمہ نظم اردو میں اور

نمبر ۲۰۲[1] تنبیہ الغافلین از سید عبداللہ ولد سید بہادر علی اور نمبر ۱۹۴۰ (۳) رسالہ تنبیہ الغافلین اور نمبر ۱۹۷۲ تنبیہ الغافلین از عبداللہ ولد سید بہادر علی ، نقل از مطبوعہ اور نمبر ۱۹۷۷ تنبیہ الغافلین طبع سنہ ۱۲۶۳ھ ۔

صفحہ ۱۰۰ (۱۴) : ''چہل حدیث ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس حدیثیں جہاد کے متعلق''۔

چہل حدیث نام نہایت عام ہے ۔ میری فہرست مخطوطات میں نمبر ۴۲۲ نسخۂ نسیم جنت بزبان اردو ترجمۂ چہل حدیث نبوی نوشتہ سنہ ۱۲۶۹ھ ہے ۔ ایک اور رسالہ نمبر ۱۳۱۶ (۲) چہل حدیث بروایت شیخ ؟ عبدالعزیز محدث دہلوی ہے ۔

رہے باقی نمبر، (۲) قصیدہ (۳) شرح وقائع (۴) منظم پیش گوئی(۵) تاریخ قیاصر[ۂ] روم (۸) تدبیر الاخوی (۱۲) عبدالجامد ، میری نظر سے نہیں گذرے ۔

(۲) شاید قصیدۂ عظمیٰ ہو ۔ اس کے لیے دیکھو میری فہرست مطبوعات نمبر ۶۳۰ قصیدۂ عظمیٰ ، مطبع مظہری ، شہر چھپرہ ، سنہ ۱۲۵۷ھ ۔

(۸) تدبیر الاخوی ۔ اس نام میں کوئی نہ کوئی غلطی ہے ۔ آپ اس کا ترجمہ ''برادرانہ گفتگو'' کیوں کر رہے ہیں ۔ کیا یہ ''تقریر الاخوین'' ہے ؟

اسی طرح (۴) منظم پیش گوئی غالباً 'منظوم پیشین گوئی' ہو ۔ اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت عام ہیں ۔

علی ہذا (۱۲) 'عبدالجامد' نام بھی غلط معلوم ہوتا ہے ۔ کتابوں کے نام اس طرز کے نہیں ہوا کرتے ۔

زبان کی بعض غلطیاں

سطر ۴ ، صفحہ ۲۶۳ : ''ہم نے اول تو ان کی مذہبی ضروریات سے بتدریجاً اغماض کیا''۔ یہ فقرہ یوں چاہیے ''اول تو ہم نے ان کی مذہبی ضروریات سے تدریجاً اغماض کیا''۔ 'تدریجاً' کے ساتھ 'بہ' بالکل غیر ضروری ہے ۔ یا ''بتدریج'' لکھتے ۔

سطر ۱۴ ، صفحہ ۲۶۴ : ''آپ کے سائل عرض پرداخت ہیں'' 'پرداخت' کی جگہ 'پرداز' چاہیے ۔ فارسی زبان کا قاعدہ ہے کہ اسم اور امر مل کر اسم فاعل بن جاتا ہے ۔ س ۳ ، ص ۲۶۶ : ''بدقسمتی سے ان تحقیقات کی ابتدا'' الخ ۔ 'ان تحقیقات' کی جگہ 'اس تحقیقات' چاہیے ۔ س ۳ ، ص ۲۶۸ : ''دیوانی عدالت میں منتقل کر دیا جاتا''۔ 'منتقل کر دیا جاتا ہے' چاہیے ۔

س ۵ ، ص ۲۶۸ : ''اس سے بھی زیادہ قابل اعتماد اور تجربہ کار افسر نے قاضیوں کی اسامی کو سرکاری طور سے اڑا دینے پر جو سیاسی خطرات پیدا ہوگئے ہیں

۱۔ غالباً تکرار ہوگئی ہے ۔ مخطوطہ نمبر ۲۰۲ اوپر بھی آ چکا ہے ۔ (مرتب)

یوں رائے زنی کی ہے''۔ یہ فقرہ یوں چاہیے :

''مزید براں اس قابل اعتماد اور تجربہ کار افسر نے قاضیوں کی اسامی سرکاری طور پر اڑا دیے جانے سے جو سیاسی خطرات پیدا ہوگئے ہیں ، ان پر یوں رائے زنی کی ہے''۔

ص ۲۷۲ ، س ٦ : ''بہت بڈا قدیم'' چاہیے : ''بہت بڑا قدم''۔ یہ کتابت کی غلطی ہے ۔

ص ۲۷۲ ، س ۸ : Nassan Lees ''ناسان لیز'' صحیح نام William Nassau Lees ولیم نساؤلیز ہے ۔

ص ۲۸۰ ، س ۱۱ : ''وہ ہدایہ اور جامع العروض'' یہ جامع العروض کونسی کتاب ہے ؟ شاید 'جامع الفروض' ہو یا 'جامع الفرائض' ہو ۔ اس کے متعلق آپ ذرا تحقیقات کر لیجیے ۔ میں اس کتاب سے ناواقف محض ہوں ۔

ص ۲۸۲ ، س ۳ : ''صورت حالات''۔ 'صورت حال' چاہیے ۔

ص ۲۸۲ ، س ۴ : ''خاص کمیشن اپنا کام کر رہی ہے''۔ 'کام کر رہا ہے' چاہیے ۔

ص ۲۸۲ ، س ۵-٦ : ''کالج میں لے ائے۔'' لے کے بعد کے الف پر مد آنا چاہیے یعنی 'لے آئے' ۔

ص ۲۸۲ ، س ۹ : ''طلبا فطرت کے خلاف ان خطرناک گناہوں میں بھی پھنسے ہوئے تھے جن کو عیسائیت نے یورپ میں بالکل نیست و نابود کر دیا'' ۔

کیا ہنٹر صاحب کا ضمیر اس بیان پر کسی قسم کی شرم کا احساس کیے بغیر مہر تصدیق لگا سکتا ہے ۔ مغربی راہبوں اور فوجیوں میں یہ شناعت عام رہی ہے ۔ قدیم یونانی اور رومی اقوام میں یہ عمل ہنر کی حد تک مستحسن تھا ۔ لونڈوں کا اغوا باقاعدہ ہوتا تھا اور جس لونڈے کا اغوا نہ ہوا ہو وہ نہایت بدنصیب سمجھا جاتا تھا ۔ ان سے باقاعدہ شادیاں ہوتی تھیں ۔ ہیڈرین شہنشاہ روم کے لونڈے کے مجسمے اس کی موت کے بعد مندروں میں رکھے گئے ہیں اور پرستش کی گئی ہے ۔ گذشتہ جنگ یورپ سے دو تین سال قبل جرمنی کے چانسلر پرنس بولو پر ، جو قیصر ولیم کے شاید چچا بھی تھے ، باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا تھا ۔ جرم خلاف وضع فطری تھا ۔ میں اس کا انجام بھول گیا ہوں غالباً شہزادۂ موصوف نے اس کا کفارہ اپنی موت سے دیا تھا ۔ ہنٹر صاحب کو ان بدنصیب بنگالی طلبہ کا جرم کھٹکتا رہا لیکن وہ اپنے ہم عصر اور ہم وطن اوسکر وائلڈ کو بھول گئے جس نے اس جرم کی آرٹ کی حد تک پیروی کی تھی ۔ آپ کو اس موضوع پر انگریزی میں کافی مواد مل سکتا ہے ۔

ص ۲۸۲ ، س ۱۰ : ''جن کا ارتکاب ہندوستان کے ہر ایک شہر'' - 'ہر شہر' یا 'ہر ہر شہر' چاہیے -

ص ۲۸۲ ، س ۱۱ : ''گذشتہ پانچ چھ سالوں میں'' چاہیے 'پانچ چھ سال میں' -

ص ۲۸۳ ، س ۱۱ : ''معمولی معمولی مسئلوں پر انتہائی اختلافات'' - 'انتہائی اختلاف' چاہیے -

ص ۲۸۴ ، س ۴ : ''زیادہ سے زیادہ تین گھنٹہ'' چاہیے 'تین گھنٹے' -

ص ۲۸۴ ، س ۶ : گھر پر کسی قسم کی طیاری کرنا وہ جانتے ہی نہیں - یوں بھی یہ بات مسلمانوں کے اصول کے خلاف ہے'' -

مشکل یہ آ بنی ہے کہ ہنٹر صاحب ایسے معاملات پر رائے زنی کرتے ہیں جن سے وہ محض نابلد ہیں - درس نظامیہ کے رو سے طالب علم کے دو بڑے فرض ہیں - پہلا پچھلے سبق کی تکرار اور دہرانا ، یاد کرنا وغیرہ - دوسرا سبق آیندہ کا مطالعہ کرنا جس سے طالب علم کو سبق آیندہ کی اشکال کا قبل از وقت احساس ہو جائے اور استاد سے دریافت کرنے کے لیے طیار رہے -

سید صاحب اور ان کی تحریک کے متعلق کافی مصالحہ موجود ہے- حال ہی میں 'سیرت سید احمد شہید' سید ابوالحسن علی ندوی نے سنہ ۱۹۳۹ء میں شائع کی ہے - نامی پریس لکھنؤ سے بقیمت دو روپے شائع ہوئی ہے - مصنف سید طلحہ[1] کے خویش ہوتے ہیں - آپ اہل مطبع سے لکھ کر دریافت کیجیے کہ یہ کتاب کہاں سے مل سکے گی- اس سے آپ کو جستہ جستہ اطلاع مل سکے گی - میں ٹونک سے کافی ذخیرہ لاہور لے گیا تھا - میرا مقصد تھا کہ وہابی لٹریچر پر کبھی کچھ لکھوں - افسوس ہے کہ مجھ کو موقع نہ ملا - بہر حال وہ کتابیں وہیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں - آپ اگر یونیورسٹی لائبریری کے ممبر ہیں تو خیر ورنہ اس کے ممبر بن جائیے آج کل خلیفہ شجاع الدین لائبریری کمیٹی کے چیرمین ہیں - ان سے ملیے - ورنہ اگر چاہو تو میں لائبریرین کو لکھوں - شاید مروت کر جائے - لائبریری میں میرے دو مجموعے ہیں - پہلا قلمی کتابوں کا جو نمبر ۱ سے تا ۲۴۷۳ ہے - دوسرا مجموعہ مطبوعات کا جس میں ۱۷۱۰ کتابیں ہیں - بعد میں ان میں کچھ اور اضافہ ہوا ہے -

---

۱- سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کی پھوپھی صاحبہ یعنی مولانا حکیم سید عبدالحئی ندوی، صاحب ''گل رعنا'' و ''نزہتہ الخواطر'' کی ہمشیرہ محترمہ ، سید طلحہ کی اہلیہ تھیں (مرتب)

مجھے آپ کو بھولے نہیں ، سب یاد کرتے ہیں بلکہ آپ کا لال[1] پانی بھی یاد ہے - یہاں آ کر سب کو بخار زیادہ آیا - خدا جانے وہ ملیریا تھا یا کوئی اور بخار - سب کو ہلکان کر دیا - برسات میں رہا - پھر سردی میں بھی آتا رہا - اس سال اب تک تو خیریت ہے - ابھی پھر پیدا نہیں ہوئے -

صبیح الدین[2] کو دعا اور فضل الٰہی صاحب[3] ، چودھری نور دین[4] اور نیازی[5] صاحب کی خدمت میں میرا سلام -

فقط والسلام
محمود شیرانی

مجھ میں اب بالکل طاقت نہیں رہی ہے - یہ خط دو تین دن کی کمائی ہے بہت جلد تھک جاتا ہوں -

فقط

۱- قیام لاہور کے دنوں میں جب ہم بہن بھائی بیمار ہوتے اور ڈاکٹر صاحب دوسری دوائیوں کے علاوہ کار مینٹیو مکسچر بھی دیتے تو شیرانی صاحب مرحوم مذاق کے طور پر فرماتے کہ بیٹا جب کبھی ڈاکٹر صاحب کی بیگم کوئی کپڑا سرخ رنگتی ہیں تو ڈاکٹر صاحب بچا ہوا رنگ بوتلوں میں بھر رکھ لیتے ہیں اور اپنے مریضوں کو دیتے رہتے ہیں - ''لال پانی'' میں اسی مذاق کی طرف اشارہ ہے (مرتب)

۲- ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے - ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور امریکہ کے سند یافتہ ماہر امراض ذہنی ہیں - پاک فوج میں کرنل کے عہدے سے سبک دوش ہو کر آج کل الجزائر کے دماغی شفاخانے میں ماہر نفسیات ہیں (مرتب)

۳- ڈاکٹر صاحب کے برادر بزرگوار (بی - ایس سی ، ایل - ایل - بی) لاہور ہائی کورٹ میں وکالت کرتے تھے - آپ سقوط ڈھاکہ کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور راہی ملک عدم ہو گئے - ڈاکٹر صاحب نے ''تحریک مجاہدین'' کی دوسری جلد ان کے نام معنون کی ہے (مرتب)

۴- چودھری نور الدین صاحب ڈاکٹر صاحب کے دوست اور ڈاک خانہ میں ملازم تھے - ان کی نشست پڑوسی ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے پاس رہا کرتی تھی (مرتب)

۵- محترم سید نذیر نیازی صاحب - ڈاکٹر صاحب کے ہاں شام کو جمنے والی محفل میں یہ بھی شریک ہوتے تھے (مرتب)

بنام پروفیسر بھگوت سروپ صاحب[1]

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۱۶- ستمبر ۱۹۴۲ء

عزیز من پروفیسر بھگوت سروپ

عنایت نامہ پہونچا - پاجامے ابھی وہیں رہنے دیجیے اور گھر میں یہ اطلاع دے دیجیے کہ اگر ٹونک سے کوئی لینے والا آئے تو اسے دے دیں[2] - میں کسی آنے والے یا جانے والے کو کہہ دوں گا وہ لے آئے گا - آپ کے استفسار شدہ اشعار :

کراست زہرہ کہ با ایں دل ز صبر نفور
در افگند سخنی از وداع نیشاپور

یہ کس کی مجال ہے کہ میرے دل کے ساتھ جو صبر سے متنفر ہے نیشاپور سے رخصت ہونے کی بات چیت چھیڑے یعنی میرا بے تاب دل نیشاپور سے روانگی کے ذکر تک کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ وہاں سے رخصت ہو :

دلم ز گیتی چنداں حساب کش برداشت
کہ راہ یافت از و صد ہزار گونہ کسور

میرے دل کو دنیا کے ہاتھوں ایسے ایسے غلط اندازے سہنے پڑے ہیں جس سے میرے معاملات میں ہزار طرح کی شکستیں واقع ہو گئیں یعنے زمانے کی دست برد سے میرے سارے منصوبے غلط ثابت ہوئے اور میرے معاملات میں ہزاروں فتور پیدا ہو گئے :

ہروزگار تو آن انتظام یافت جہان کہ از حمایت خوبی نیاز شد کافور

میرے عہد میں دنیا کا انتظام ایسے عمدہ پیمانے پر ہوا ہے کہ اس خوش نظمی کی بدولت افلاس بالکل غائب ہو گیا :

درین قصیدہ کہ در پیش نظم الفاظش چو آب حل شود از شرم لؤلؤ منثور
مزید شہرتم آنگہ شود کہ بر خوانند ''ز ہی بجود تو ایام مکرمت مشہور''

یہ قطعہ بند ہے - کہتے ہیں اس قصیدے میں جس کے الفاظ کی خوش انتظامی کے

۱- پروفیسر بھگوت سروپ شیرانی صاحب کے شاگرد ہیں اور آج کل دہلی میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہے ہیں (مرتب)

۲- شیرانی صاحب ان دنوں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی میں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد واپس ٹونک آئے تھے اور کچھ کپڑے بھگوت سروپ صاحب کے ہاں چھوڑ آئے تھے (مرتب)

سامنے ان بندھا موتی پانی پانی ہوتا ہے مجھے پوری شہرت اسی وقت ملے گی جس وقت اس کے ساتھ ''زہے بجود تو ایام مکرمت مشہور'' والا قصہ پڑھا جائے گا ۔ یہ مصرع کسی اور شاعر کے قصیدہ کی ابتدا ہے جس کے جواب میں ظہیر نے اپنا قصیدہ لکھا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ میرے قصیدہ کو اس قصیدے کے مقابل رکھ کر پڑھا جائے تب میری برتری سب پر ثابت ہو جائے گی ۔

سحر چو تافت ز دریای خاوران گوہر زمانہ کرد بہ درج فلک نہان گوہر

صبح جب مشرق کے دریا سے گوہر (آفتاب) چمکا اور زمانہ نے آسمان کی ڈبیہ میں ستاروں کے موتی چھپا لیے ۔

نگار بخت چون لعل درر فشان گوہر شکستہ درج در و شد سبک گران گوہر

پہلا مصرع جس طرح تم نے لکھا ہے مہمل اور بے معنے ہے ۔ خدارا متن تو درست لکھا کرو ۔ جب متن ہی درست نہ ہو تو انسان کیا کرے ۔ میرے پاس کتابیں نہیں ہیں اور میں اس کی تصحیح سے عاجز ہوں ۔

غور کے بعد ایک بات سمجھ میں آئی کہ اگر اس مصرع میں کسی قدر تبدیلی کی جائے تو بامعنی ہو سکتا ہے ۔ تمہیں بھی تو لڑکوں ہی کو بہکانا ہے ۔ بہر حال یہ ملایانہ حیلہ ہے اور بدرجۂ مجبوری جائز لیکن ضروری یہ ہے کہ صحیح متن کی تلاش کی جائے ۔ قلمی نسخے بہم پہنچاؤ ۔ اس بارہ میں پروفیسر آذر سے مدد لے سکتے ہو ۔ ہاں وہ تبدیلی یہ ہے :

نگار ریخت ز لعل درر فشان گوہر

شعر کے معنی یہ ہوئے :

محبوب نے اپنے در فشان لعل لب سے گوہر ریزی کی یعنے سرگرم سخن ہوا بالفاظ دیگر (درج در = دہن محبوب ، سبک = ضد گراں) موتیوں کی ڈبیہ ٹوٹی اور گراں قیمت موتی کم وزن یعنے کم قیمت ہو گئے ۔ ڈبیہ ٹوٹی موتی بکھرے اس طرح بیش بہا موتی کم قیمت بن گئے ۔ اگر محبوب کی گفتگو صرف عاشق کا آویزۂ گوش رہتی تو یقیناً گراں بہا ثابت ہوتی اور جب اسے اغیار نے بھی سن لیا تو گویا قیمتی موتی کم قیمت بن گئے ۔

آج کل سخت گرمی پڑ رہی ہے ۔ پہلے بارش سے گھبرا رہے تھے اب گرمی سے گھبرا رہے ہیں ۔ دیکھیے کیا منظور ہے ۔ بچوں کو دعا

والدعا

محمود شیرانی

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۲۱- جنوری سنہ ۱۹۴۲ء

مائی ڈیر سلام[1]

میں سمجھتا ہوں کہ بیس روز کے بعد آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنا سجدۂ سہو بجا لانا ہے لیکن بقول انگریزی ضرب‌المثل کہ تلافی کسی حالت میں بھی تاخیر نہیں مانی جا سکتی، میں اب وہ قضا شدہ فرض ادا کر رہا ہوں -

میں یہاں آنے کے بعد ضیق‌النفس اور دمہ کے دوروں میں مبتلا ہو گیا - جس دن زیادہ سردی ہوتی اسی دن زیادہ شدت رہتی - اب جو موسم میں اعتدال آیا ہے ان میں تخفیف ہوئی ہے بلکہ کل تو میں باہر بھی نکلا تھا -

آپ کا مضمون ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے- آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہم بہت عرصہ سے دادا جان بن گئے ہیں- میں نہ صرف اپنے آپ کو ایک برا استاد سمجھتا ہوں بلکہ اکثر اوقات اپنی قسمت کو کوستا رہا ہوں کہ مجھے روٹیاں بھی ملیں تو ایسے پیشے کے ذریعہ سے جس کا میں مطلق اہل نہیں یعنی معلمی - لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں اب آزاد ہوں - ہاں تو میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ معلم بھی پیدایشی ہوتا ہے نہ ساختہ - ہاں تو اس دادا جان بننے کی سزا میں ہمیں اب معلمی بھی کرنی پڑتی ہے - اس موقعہ پر آپ کے مرادی اور لفظی معنوں کی بحث ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے اور میں سوچتا رہتا ہوں کہ مرادی معنی بتانے میں اگرچہ سہولت معلوم ہوتی ہے مگر بچوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا - اس تجربہ نے مجھے مرادی کے مقابلہ میں لفظی کا حامی کر دیا ہے ورنہ بچے عجیب عجیب مضحک غلطیاں کر جاتے ہیں - اگر لفظی اور مرادی دونوں بتائے جائیں تو ان پر بہت زیادہ بار ہو جاتا ہے - میرے خیال میں شعور پیدا ہونے تک تو لفظی ضروری ہیں بعد میں بے شک مرادی -

آپ ہمیں شکار کے لیے کب بلا رہے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ شکار آرام کا ہو - چلنا پھرنا نہ پڑے - یہ بھی یاد رہے کہ ہم کانے شکاری ہیں -

ہاں خوب یاد آیا - مادھو پور میں میں نے ایک صراف کے تین سکے الگ کئے - اس نے ایک ردی سکہ اور ملا کر چار کر دیے ان تینوں سکوں میں در اصل صرف ایک سکہ میرے کام کا تھا جو رفیع‌الدرجات کا تھا اور 'دارالخیر اجمیر' کی ٹکسال کا - میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کو میرے مطلوبہ سکے کا پتہ لگے، ورنہ وہ اس کی قیمت دس گنا بتا دیتا - میں چاہتا تھا کہ ہر سکے کی الگ الگ قیمت بتائے تو میں

۱- اس نامکمل خط کا رف پروف بھی مرحوم کے کاغذات میں ملا ہے - غالباً یہ پروفیسر سید عبدالسلام صاحب خیال (ایم - اے، علیگ) کے نام ہے (مرتب)

اپنا مطلوبہ سکہ لے لوں لیکن وہ پکا سور نکلا - ضد کر لی کہ چاروں سکے ساتھ دوں گا - میں نے مجبور ہو کر چاروں سکوں کے ساڑھے چھ روپیہ تک لگا دیے جو بہت اچھی قیمت تھی مگر اس نے نہ مانا - میں وہ سکے چھوڑ کر چلا آیا - اس صراف کو آپ کا ملازم جو آپ نے میرے ساتھ بھیجا تھا جانتا ہے - آپ سے میری اس قدر استدعا ہے کہ آپ رفیع الدرجات کا وہ سکہ دو تین روپے تک اس سے لے لیں اور مجھے بھجوا دیں مگر سکے ذرا غور کرکے دیکھنا کہیں غلط سکہ نہ اٹھا لو - مغلیہ سکوں کی معمولی قیمت روپیہ سوا روپیہ ہوا کرتی ہے - آپ ڈھائی تین روپے دے دیجیے - لیکن ذرا ترکیب سے کام لینا - اگر اس کو معلوم ہوگیا تو وہی سکہ وہ چھپا لے گا -

---

بنام مس خدیجہ فیروزالدین[1] صاحبہ

محترمہ

میں نے تعمیل ارشاد کی غرض سے خوشحال کی سوانح حیات پر نظر مار لی ہے - یہ مضمون ایسے شخص کے پاس جانا چاہیے تھا جو انگریزی اور پشتو دونوں سے واقف ہو اور ساتھ ہی تنقید و تبصرہ کے اصول فن سے آگاہ ہو - میں ان دونوں زبانوں میں ہیچ میرز ہوں - جب ایک سنار کا کام کسی لوہار کے سپرد کر دیا جائے تو اس غریب کو سخت مشکل پیش آئے گی - یہی میری حالت ہے - میں انکار کرتا رہا اور آپ کے بھائی صاحب اصرار کرتے رہے - آخر کیا کرتا، ماننا پڑا اور مضمون رکھ لیا اور پڑھ لیا -

میری رائے میں جس مقصد کے لیے آپ نے اس کو لکھا ہے وہ مقصد اس سے برآمد ہو سکتا ہے - میں کئی دوستوں اور شاگردوں سے واقف ہوں جو نہایت معمولی معمولی مضامین پر ڈگریاں لے کر یورپ سے آئے ہیں - ان کے مضامین کو دیکھتے ہوئے آپ کا مضمون ماشاءاللہ ایک دشوار اور کٹھن منزل کا حکم رکھتا ہے اور میرا تو خیال ہے کہ آپ کو کامیابی ہونی چاہیے، آگے تقدیر - مجھے بڑی خوشی ہے کہ ہماری قوم کی ایک بیٹی ایسے سنجیدہ اور متین مضمون کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کرتی ہے - یہاں بعض ضروری گزارشات آپ کے ملاحظہ کے لیے عرض ہیں:

۱- محترمہ ڈاکٹر مس خدیجہ فیروزالدین صاحبہ مرحومہ اور ان کے بھائی ڈاکٹر آغا عبدالستار خاں مرحوم شیرانی صاحب سے علمی معاملات میں مشورے لیتے رہتے تھے - مس صاحبہ کا خوشحال خاں خٹک پر مقالے کا سوانحی حصہ انہوں نے شیرانی صاحب کو دکھایا تھا جس کے متعلق اس خط میں اظہار رائے کیا گیا ہے - یہ دراصل خط کا رف پروف ہے جو نامکمل حالت میں شیرانی صاحب کے کاغذات میں ملا - اسی لیے اس میں بے ربطی اور تشنگی پائی جاتی ہے (مرتب)

(۱) مضمون چونکہ غیرمعروف ہے اس لیے آپ اپنے دیباچہ میں، جو لکھا جانا چاہیے، اپنے تمام مآخذ، ان کی وقعت اور اہمیت اور ان کے متعلق اپنی رائے درج کر دیں تا کہ مضمون میں گھسنے سے پیشتر قاری کو معلوم ہو جائے کہ کس مواد پر یہ مضمون تعمیر پاتا ہے - ظاہر ہے کہ آپ کا مآخذ زیادہ تر خوشحال کا دیوان اور دیگر تالیفات اور اس کے پوتے کی تالیف ''تاریخ مرصع'' ہے - دوسرے ذرائع مثلاً فارسی اور انگریزی کے متعلق تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں ہے -

(۲) میں سنتا ہوں کہ آپ The Origin of Afghan پر ایک علیحدہ مضمون اسی کتاب کے واسطے طیار کر رہی ہیں- میرے خیال میں اس باب کی چنداں ضرورت نہیں ہے - اس پر کافی لکھا جا چکا ہے - آپ کوئی نئی چیز تو پیش کریں گی نہیں پھر کتاب کو بڑھانے سے کیا فائدہ - اگر آپ کے پاس کوئی ایسی اطلاع ہے جو اب تک نا معلوم ہے یا کوئی نیا نظریہ پیش کرنا ہے تو آپ ایسے امور اس باب میں درج کر سکتی ہیں جس میں آپ نے خوشحال کے اسلاف کا ذکر کیا ہے -

(۳) مشرقی الفاظ کی صحت کی طرف آج کل زیادہ خیال کیا جاتا ہے اس لیے اس کا خیال رکھیے - میری نگاہ میں جو بعض ایسے الفاظ آئے ہیں ان کے متعلق علیحدہ کاغذ پر عرض کر دیا ہے - انگریزی نظمیں جو پشتو کا ترجمہ معلوم ہوتی ہیں ان کے مترجموں کے نام ہر نظم کے ساتھ دے دیجیے -

(۴) ایک مضمون کو کامیاب سمجھنے کے لیے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کہاں تک نئی اطلاع کا حامل ہے - اس کا آپ اندازہ کر سکتی ہیں کیونکہ پشتو اور انگریزی سے آپ واقف ہیں - خوشحال پر ابھی تک انگریزی میں تو کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے - دوسرے یہ کہ داد تحقیق کہاں تک دی گئی ہے - اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر اور کوئی شخص اسی مضمون پر قلم اٹھائے تو اس پر کوئی جدید اضافہ نہ کر سکے - رہی خوشحال کی شخصیت، اس کے متعلق آپ بہتر واقف ہیں کہ شعر و سیاسیات میں اس کی قوم میں اس کا کیا درجہ مانا گیا ہے -

(۵) اس میں شک نہیں کہ یہ مضمون کئی موقعوں پر تشنہ نظر آتا ہے لیکن بصورت عدم دستیابی اطلاع سکوت سے کام لینا پڑتا ہے - ایسے موقعوں پر میں خیال کرتا ہوں کہ آپ ایسے اشارے کر دیں - اسی طرح جہاں آپ کو تاریخ مرصع کے تنہا بیانات سے سابقہ پڑتا ہے وہاں بھی ایسے اشارے ضروری ہیں تا کہ آپ کے خلاف یہ گمان نہ گزرے کہ اور تاریخی دستاویزوں کو دیکھے بغیر صرف اسی تاریخ پر اکتفا کر لی ہے -

Chapter[1] : Chieftainship

P. 4&7 Dara Shikoh should be Dara Shukoh

P. 4,5&7 یوسف زئی The Correct form is Yusuf and not Yusaf.

P. 4&17 mansabdarship. Do you mean mansab?

P. 8 Baba sain. Do you mean بابائے ثانی ?

P. 9 The correct form is Nawwab and not nawab.

''مراد قلی گکھر و خوشحال خٹک را کاغذ منصب دیده عرض رسایند''

The text of this passage is not clear. If your suggested داده is accepted even then the difficulty is not removed. Does he mean کاغذ منصب داده بعرض رساند ?

Last year and Death[2] .

یہ اوصاف[3] ایک حد تک اس کی ذات میں پائے جاتے ہیں لیکن نہ اس قدر کہ مشاہیر عالم کی صف میں اس کو جگہ دی جا سکے - آپ کی توجہ اس کے محاسن کی تصویر آرائی میں اس قدر مصروف ہے کہ آپ نے اس کوہستانی سپاہی کے معایب کی مطلق پر ا نہیں کی ہے - بحیثیت ایک قبیلہ کے سردار و پیشوا کے وہ ممکن ہے کہ بہت ہردلعزیز ہو مگر وہ ایک کامیاب مدبر نہیں کہا جا سکتا - عہد عالمگیر میں مغلیہ سلطنت سے اس کی برہمی اور سرکشی اس کے تدبر اور دور اندیشی کی نوحہ خواں ہے - وہ بے حد ضدی ، جوشیلا اور اڑیل سپاہی ہے جو جوش و خروش کے آگے موقع شناسی و مصلحت وقت کو پامال کر دیتا ہے - چچا ، بھائی بلکہ فرزند تک اس کے مخالف ہو جاتے ہیں - دوست قطع تعلق کر دیتے ہیں - نا خلف بہرام دنیا و عقبیٰ کی روسیاہی سمیٹنے کے لیے اس کی جان کا لاگو ہو جاتا ہے اور خوش حال کے آخری ایام بھی امن و صلح پسندی میں نہیں گذرتے - وہ وطن سے بھاگتا ہے اور آفریدیوں میں پناہ لیتا ہے اور وہیں اپنی زندگی [کے] آخری مراحل ختم کرتا ہے - مغلوں سے اس کی نفرت اس قدر ہے کہ اپنی وصیت میں بھی وہ اس کے اظہار سے باز نہیں رہا - کہتا ہے کہ میری قبر ایسے مقام پر بنائی جائے جہاں مغل سواروں کے گھوڑوں کی کی خاک اڑ کر نہ پہونچ سکے - اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک آتش مزاج اور شعلہ خو افغان ہے جس نے اپنی ہٹ اور تندی کے آگے تمام مصالح اور عاقبت

۱- الفاظ کی صحت کے بارے میں ایک کاغذ پر یہ نوٹ دیئے گئے ہیں (مرتب)

۲- اس باب کا صرف عنوان دیا ہے - اس کے ذیل میں کچھ تحریر نہیں (مرتب)

۳- دو کاغذوں پر یہ تحریر ملتی ہے جس میں خوشحال خاں خٹک کے بارے میں انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے (مرتب)

بینی کو پس پشت ڈال دیا ہے ۔ خاندانی تباہی اور بربادی کا اس پر اثر نہیں ہے اور نہ اسے اپنی زندگی کی پروا ہے ۔ حالانکہ اس کی مخالفت نے افغانستان میں مغلوں کی پالیسی کو شکست نہیں دی ۔ وہ بدستور اس ملک میں جمے رہے ۔ خوش حال کے مقابلہ میں سیواجی اور سنبھا جی نے عالمگیر کو زیادہ ناک چنے چبوائے ہیں ۔ سیواجی مقہور اور سنبھاجی جھنمی نے اس مغل بادشاہ کے سینہ پر بہت داغ دیئے ہیں۔ خوشحال اور اس کی مخالفت اس قدر نامعلوم رہی ہے کہ مغلیہ تاریخیں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کرتیں ۔

حال کے نقطۂ نظر سے خوش حال کا یہ نظریہ کہ افغانستان کو آزاد ہونا چاہیے، بے شک قابل تعریف مسلمہ ہے لیکن یہ فحوای لاتحب علی ہل بغض عمر اس کا یہ قابل تعریف منصوبہ جس کو وہ کبھی بھی عمل کا جامہ نہ پہنا سکا زیادہ تر مغلوں کی عداوت پر مبنی تھا نہ افغانوں کی خیر اندیشی اور دلسوزی پر ۔ اس کی شمشیر آزادیٔ وطن و مدافعت افاغنہ کی نیت سے علم ہوئی لیکن مغلوں سے بدرجہا زیادہ اس نے پٹھانوں کی خون ریزی کی ہے ۔ یہ مان کر کہ اس کی نیت نیک تھی اور مغلوں سے مخاصمت کا اس میں شائبہ تک نہ تھا ، آیندہ واقعات کی روشنی میں ہر سنجیدہ اور متین انسان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے قبل از وقت اقدام نے فائیدہ کی بجائے پٹھانوں کا نقصان بدرجہا زیادہ کیا ہے ۔ اگرچہ افغان اقوام کے اوضاع و اطوار کے لحاظ سے یہ نقصان کوئی غیر معمولی نقصان نہیں ہے کیونکہ وہ اکثر کسی نہ کسی بہانہ سے ایک دوسرے سے برسر پیکار [رہے] ہیں ۔

خوشحال کو آزادیٔ وطن کے معاملہ میں ہم زیادہ سے زیادہ ایک نقیب کی حیثیت دے سکتے ہیں جس کے مواعظ اور اشعار نے افغانوں کو بالآخر حمایت وطن پر آمادہ کر دیا ، اور بالآخر اس قوم میں محمود اور اشرف اور احمد شاہ ابدالی جیسے جان باز سپاہی پیدا ہو گئے جنھوں نے نہ صرف افغانستان کو اجانب کے وجود سے پاک کر دیا بلکہ اس کا جھنڈا ایران و ہندوستان میں گاڑ دیا ۔

یہ باتیں میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ نے خوشحال کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا ہے [اور] اس کے اوصاف کو مبالغہ کی حد تک اجاگر کیا ہے اور مورخ کے فرائض کو بھول کر آپ نے ایک افسانہ نگار کی حیثیت اختیار کر لی ہے ۔ مجھے خوشحال سے کوئی عناد تو ہے نہیں۔ آپ نے رائے مانگی ہے، میں رائے دے رہا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ خوشحال کو جو اس کا حق ہے وہ ضرور دیں لیکن شاعری اور قصیدہ خوانی سے ذرا احتراز کریں ۔ خوشحال اگر یورپ میں ہوتا تو کسی شہار و قطار [میں] نہ ہوتا ۔ ایشیا میں اس کو ایک مقامی سردار کی عزت ملتی لیکن بدنصیب افغان قوم میں جس میں قحط الرجال ہمیشہ رہا ہے ، بے شک ایک

نمایاں اور بلند مقام کا مستحق ہے مگر نہ اتنا کہ تمام خوبیاں اس پر ختم کر دی جائیں اور تمام اوصاف اس میں جمع کر دیئے جائیں ع

آرزو خوب است اما این قدرها خوب نیست

بنام مظہر محمود شیرانی[1]

۱- دریا گنج ، دہلی

۳۰- جون ۱۹۴۳ء

نور چشمی پروین و نسرین و برخوردار خوشنود خاں سلمہ الرحمن

تمہارا خط پہونچا کاشف حالات ہوا[1] میں رات رامپور سے پہونچا ہوں۔ تمہارے بھا[2] نے تمہارا خط دیا بہت خوشی ہوئی ۔ بیلوں[3] کے لیے چارہ کا بندوبست کر لینا ۔ پانی نہ برسا تو چارہ مہنگا ہو جائے گا ۔ حامد سعید[4] خاں نے پالے[5] کا بھی وعدہ کیا تھا ۔ اسحاق[6] اور خوشنود کو بھیج کر ٹپری[7] کا حال دوسرے تیسرے دن معلوم کرا

۱- یہ خط انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر واقع دریا گنج دہلی سے ہم تینوں بھائی بہنوں کے نام لکھا گیا ہے۔ میری عمر اس وقت آٹھ سال کے قریب تھی ۔ وہ مجھے ہمیشہ خوشنود کے نام سے مخاطب کرتے تھے ۔ محمود اور داؤد کا ہم قافیہ ہونے کے سبب میرا خاندانی نام خوشنود ہی تھا (اور ہے) ۔ شیرانی صاحب ان دنوں انجمن کے کام کے سلسلے میں دہلی میں مقیم تھے ۔ اس خط کے لفافے پر انہوں نے پتہ یوں لکھا ہے :

''بمطالعہ' نور چشم راحت جان محمد خوشنود خاں سلمہ ۔ حویلی پروفیسر شیرانی مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ'' (مرتب)

۲- والد مرحوم اختر شیرانی کو ہم بہن بھائی 'بھا جی' کہہ کر مخاطب کرتے تھے ۔ اختر صاحب بھی انجمن ترقی اردو میں کام کرنے کی غرض سے حافظ صاحب کے کچھ دن بعد دہلی پہنچے تھے (مرتب)

۳- رتھ کے ناگوری بیلوں کی جوڑی جس سے شیرانی صاحب کو بڑا انسس تھا (مرتب)

۴- صاحب زادہ حامد سعید خاں ، والد مرحوم کے جگری دوست تھے ۔ والد کی مشہور نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' انہی کو مخاطب کرکے کہی گئی تھی۔ خدا کے فضل سے ٹونک میں اب بھی موجود ہیں (مرتب)

۵- جھڑبیری کے خشک پتے جو موسم سرما میں جانوروں کے لیے عمدہ چارہ کا کام دیتے تھے (مرتب)

۶- شیرانی صاحب کے بڑے بھائی اسرائیل خاں کے پوتے (خلف الیاس خاں) (مرتب)

۷- دریائے بناس کے کنارے پر بارش اور دھوپ سے بچنے کے لیے سرکنڈوں کی جھونپڑی بنوا رکھی تھی (مرتب)

لیا کرو - تمہارے پھوپھا[1] کو روپے یک مشت نہ دینا ، جوں جوں کام ہوتا جائے دیتے جانا اور دو سو سے زیادہ نہ دینا - تمہارے خط سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ٹپری میں کون رہتا ہے - میں تو لادیہ[2] کے حوالے کرکے آیا تھا - ایک روپیہ علی الحساب پیشگی دے آیا تھا - شاید یوں ہوا ہو کہ پھر بردا[3] کا باپ رہنے لگا ہو - ٹپری آندھی سے جھک گئی ہو گی - فضل چاچا[3] سے کہتے خوشنود کو ساتھ لے جا کر دیکھ آتا - دھولیا[4] بیلوں کو سنبھالنے آتا بھی ہے یا نہیں - ایوب[5] کو رہنے دینا میرے آنے تک - تمہارا بھا کپڑے اور بستر لے کر کیوں نہ آیا ، منہ اٹھا کر چلا آیا - کیا حماقت کی ہے[6] -

ایسپرو آتے وقت لیتا آؤں گا - حسن[7] اور خوشنود پڑھتے بھی ہیں یا نہیں - ماسٹر جی[8] بر وقت آتے ہیں یا کیا - ان کی تنخواہ بروقت دے دینا -

---

۱- شیرانی صاحب کے چھوٹے بھائی مودود خاں کے داماد معشوق احمد خاں ہمارے دوسرے مکان میں بطور کرایہ دار رہتے تھے اور ان دنوں اپنی نگرانی میں مکان کی مرمت کرا رہے تھے (مرتب)

۲- دریا کے کنارے بندہ جانباز کے موضع کے ہندو دیہاتیوں کے نام -

۳- فضل الرحمن خاں ، شیرانی صاحب کی سب سے چھوٹی بہن کے بڑے لڑکے تھے - پنجاب کے مختلف ہائی سکولوں میں ٹیچر رہے - ان دنوں موسم گرما کی تعطیلات میں ٹونک آئے ہوئے تھے قیام پاکستان کے بعد لاڑکانہ (سندھ) میں قیام پذیر ہوئے - ۲۰ اگست ۱۹۷۶ء کو انتقال ہوا (مرتب)

۴- دھولیا ہمارا پرانا رتھ بان تھا بلکہ اس کا باپ بھی منشی اسماعیل خاں صاحب کے وقت میں ڈیوڑھی کے ملازمین میں تھا -

۵- ایوب خاں ان دنوں ڈھانی شیرانیاں سے ٹونک آئے ہوئے تھے - یہ شیرانی صاحب کے چھوٹے چچا یعقوب خاں کے بیٹے تھے -

۶- والد مرحوم اپنی بے نیازی کی عادت کے مطابق کپڑے بستر وغیرہ لے کر نہیں گئے تھے - شیرانی صاحب کو اس بات پر غصہ آیا کہ خواہ مخواہ مولوی صاحب کو تکلیف کرنا پڑے گی -

۷- دادا جان جس طرح اپنی بڑی پوتی پروین بہن کو 'قمر' کہتے تھے اسی طرح چھوٹی پوتی نسرین بہن کو 'حسن' کہا کرتے تھے -

۸- ماسٹر رمیش چندر ورما عرف مٹھو لال جی ہم دونوں بہن بھائیوں کو گھر پر پڑھانے آیا کرتے تھے - وہ ٹونک کے محلہ تختہ میں رہتے تھے - آج کل وہیں میڈیکل سٹور چلاتے ہیں -

بیلوں کے لیے کڑب[1] بازار سے منگوا لینا ۔ مکانات سروالینا* ۔ والدعا
میں لاہور نہیں جاؤں گا ۔
فقط
محمود شیرانی

*تباری[2] وغیرہ معشوق احمد[3] خاں سروا لیں گے ۔ دھول دھوئے[4] والا
مکان[5] الیاس[6] سروائے[7] گا ۔ تم پیسے سروائی کے دے دینا۔
فقط
م ۔ ش

(۲)

باغ چونری والا ۔ جے پور
۱۷- جنوری ۱۹۴۶ء
برخودار خوشنود[8]

میں رات کے دو بجے یہاں پہونچا ۔ یہاں مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوئی ۔ سوائے اس

۱- جوار کی فصل بڑی ہونے پر کاٹ کر خشک کر لی جاتی تھی ۔ یہ بھی سردیوں میں جانوروں کے چارے کا کام دیتی تھی ۔ اسے اصطلاح میں 'کڑب' یا 'کڑبی' کہا جاتا تھا ۔

۲- تباری ایسے کمرے کو کہا جاتا ہے جس میں ایک ہی طرف تین دوازے ہوں ۔ یہ گویا 'سہ دری' کے لیے ہندوستانی لفظ ہے ۔

۳- ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے ۔

۴- دھول دھویا، راجپوتانے میں نیارے کو کہتے ہیں۔ یہ گویا فارسی ترکیب 'ریگ شو' کا لفظی ترجمہ ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب دریاؤں کی ریت سے سونا نکالا جاتا تھا تو 'ریگ شو' تھا اور جب زرگروں کی دکانوں کی دھول دھو کر سونا الگ کرنے لگے تو 'دھول دھویا' کہلائے ۔

۵- یہ ایک اور مکان تھا جو شیرانی صاحب کی حویلی کے پائیں باغ سے ملحق واقع تھا اور اسے ایک دھول دھوئے سے خریدا تھا ۔

۶- خلف اسرائیل خاں ۔

۷- ٹونک میں بعض مکانوں پر چھپر ڈلوا کر اوپر کھپریل بنا دی جاتی تھی جیسی پرانی چھاؤنیوں وغیرہ میں اب بھی نظر آ جاتی ہے ۔ موسم برسات سے قبل ان کھپریلوں کے کویلو نئے سرے سے درست کر کے جمائے جاتے اور چھپر کی مرمت کی جاتی تھی اسے سروانا کہتے تھے ۔

۸- یہ خط انتقال سے کوئی ایک ماہ قبل آپ نے اپنے دوست صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب کی حویلی واقع جے پور سے مجھے لکھا تھا ۔
صورت یہ تھی کہ حکومت نے ہزار روپے کے نوٹوں پر پابندی عائد کر دی تھی۔ انہی دنوں شیرانی صاحب کے مجموعۂ مسکوکات کی جو تیئس ہزار روپیہ قیمت رادھا کرشنا جالان (پٹنہ) سے وصول ہوئی تھی وہ ہزار روپے کے نوٹوں کی شکل میں تھی۔ ان کی صحت دگرگوں تھی لیکن انہیں فوراً جے پور جانا پڑا ۔ وہاں کام نہ بن سکا تو دہلی جانے کا ارادہ کیا جس کی اطلاع اس خط میں دی گئی ہے ۔

کے کہ فارم ٹائپ کرائی - آج رات کو خلیل میاں[1] کے ساتھ دہلی جا رہا ہوں - صاحب زادہ ولی احمد خاں صاحب وہیں ہیں - شاید ان سے کار برآری ہو سکے - باقی خیریت ہے - والدعا

محمود شیرانی

---

18 Fleming Road,[2]
Lahore
10th July, 1937[3]

To

H. Nelson Wright Esqr.,
F.R.N.S., I.C.S. (Retd.)

Sir,

Permit me. an entire stranger, to address you the following few lines. Though personally not known to you, being a student of Muslim History and numismatics, I am well acquainted with your works on the subject.

Lately through the courtsey of the librarian of the Panjab University Library, I borrowed for a few days your latest work "The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi", which I have read with great interest. It is, indeed, a monumental work full of valuable information which corrects several fallacies current since the

---

۱- ولی احمد خاں صاحب کے صاحبزادے خلیل احمد خاں -

۲- نیلسن رائٹ کے نام اس خط کے سات ٹائپ کیے ہوئے صفحات مجھے دست یاب ہوئے ہیں - خط ناسکمل ہے (مرتب)

۳- گو خط پر سنہ ۳۷ء ٹائپ کیا گیا ہے تاہم میرا خیال ہے کہ یہ ۱۹۳۶ء ہونا چاہیے - اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خط لکھتے وقت وہ نیلسن رائٹ سے مطلقاً متعارف نہ تھے جیسا کہ خط کے پہلے فقرے سے معلوم ہوتا ہے - اب یہ خط وصول کرنے کے بعد نیلسن نے اپنی جو کتابیں انہیں تحفتاً بھیجی تھیں ان میں سے ایک یعنی "The Coinage of the Sultans of Malwa" میرے پاس محفوظ ہے - اس پر نیلسن نے اپنے قلم سے لکھا ہے :

"H.M. Shairani with the author's Compliments.
August 1936
H. Nelson Wright"

اس سے میں یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ خط دس جولائی ۱۹۳۶ء کو لکھا گیا ہے (مرتب)

days of Thomas.[1] It is an exhaustive work on the Sultans of Delhi which, I believe, would enjoy a lasting reputation as an authoritative work. It is rich in information mainly on Iltutmish, the Tughlaks and the Suri Sultans. Your copious notes at the end of each dynasty's coinage are full of original information and spares one of reading the lengthy and laborious discussions of Edward Thomas. I earnestly wish that you may produce a similar work on the Moghuls.

The esteem and admiration in which I hold your work has occasioned me to make a few remarks by way of review and criticism. On certain points I hold different views and have to offer divergent interpretations, which I humbly request, and sincerely hope, you would receive in a spirit of scholarship. I also crave your indulgence if you find I am at fault. I am certainly open to correction

(1) Coin No. 52-A is stated by you as of Laknauti (?), but the actual inscription is ضرب هذه الشرفه بلكور . It is the same as coin No. 38 of the I.M.C.[2] on which you placed a querry (?) after بلكور . I submit that the true name is لكور which is the name of a town near Laknauti, as evidenced from a passage of Tabqa't-i-Na'siri, Persian Text, edited by Capt. W. Nassaw Lees,[3] which runs as follows :

«جماعت کفار که از سرحد ولایت جاج نگر بیرون آمدند اول لکور را بگرفتند و فخرالملک کریم الدین لاغری را که مقطع لکور بود با جماعت مسلمانان شهید کردند و بعد ازان بدر لکهنوتی آمدند»

(Tabaq'at-i-Na'siri of Minhaj-i-Siraj, Calcutta, 1864, P. 245)

۱- ایڈورڈ تھامس (۱۸۱۳ء - ۱۸۸٦ء) آئی - سی - ایس، ماہر مسکوکات ہند - ۱۸۳۲ء میں ہندوستان آیا - ایران اور ہندوستان کے آثار قدیمہ، مسکوکات اور نظام اوزان و پیمائش پر اس کے متعدد مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالوں وغیرہ میں شائع ہوئے - پچیس سال تک رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا خازن رہا - اس کے مضامین کا مجموعہ ۱۸۷۷ء میں لندن سے "Chronicles of the Pathan Kings of Delhi" کے نام سے شائع ہوا - (مرتب)

۲- 'انڈین میوزیم کلکتہ' مراد ہے - (مرتب)

۳- ولیم نساؤلیز (۱۸۲۵ء - ۱۸۸۹ء) مشہور مستشرق، فوج میں ملازم تھا - ۱۸۸۵ء میں میجر جنرل ہوگیا تھا - چند سال تک کلکتہ مدرسہ کا پروفیسر اور پرنسپل رہا - عربی، فارسی اور اردو کی متعدد کتابیں مرتب کیں - اس کے بہت سے مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالوں میں شائع ہوئے - (مرتب)

There is another passage in which the word لکور again occurs in the Tabqat:

و هر دو لشکر (Sic.) بلاد لکهنوتی یکی را رال گویند که برطرف لکور است و دوم را برند نام که برطرف دیوکوٹ است او را مسلم شد -

(Tabqat, P. 243).

I, therefore, hold that this coin belongs to لکور.

Coin No. 49F, identical with No. 59 of Thomas' Chronicle, and read by Thomas as ناگور etc., I suggest, should also be ascribed to the same mint لکور—You describe the mint as GAUR, but as far as I know, the name of Gaur is not found at that early period. Gaur comes in prominence at a later date.

(2) Coin No. 745—Your reading جل الله ظلال جلاله is certainly an improvement upon Thomas, who read coin No. 240 of the Chronicle as جل الله ظلاله و جلاله, hence his remark, "While the Arabic invocation is altogether wild in its tenor" (Chronicle, P. 298). I must point out that the Arabic invocation appeared funny to Thomas because his reading was faulty. There is still, I believe room for improvement in this reading. I would suggest that we should read it as مدالله ظلال جلاله (May God extend the shadow of his grandeur). Please have a look at plate IX of your work and see coins Nos. 745 and 758 on which مد is clearly visible and not the traditional جل as commonly maintained by numismatics. This mistake occurs in all the Nos. given under Fath Khan's name, pages 186-188, also I.M.C. Page 67.

(3) Coin No. 750 is read by you as جل الله ظلال جلاله, once again but on looking at plate IX, I find the wording is مد ظلال جلا[له] i.e. there is no الله in the sentence. I possess coins of both of these types that is with الله and without الله. I submit an impression of the latter type. (See impression No. 1)

(4) Coin No. 745 B :—Your reading is جل الله جلاله and corrected (in Addenda and Corrigenda Plate XX as جل الله ظلاله, but I would read it as مد ظلال جلا(له). As to the upper portion of its legend خبیر الشرق والغرب and الشرق there is a stroke of a letter between خبیر which shows that a word like اقلیم or ممالک intervenes between the two. On page 222 you give the various readings حبیب ، امیر and خبیر as

suggested by Gibbs,[1] Rodgers[2] and yourself. From my point of view both حبیب and خبیر are not appropriate. There is a feasible possibility for امیر, which, I believe, fits in admirably. Therefore we should either agree with Mr. Gibbs or suggest words like مجیر or نصیر or مصیر, which are certainly more fitting than خبیر.

(5) Coin No. 690 (Billon)—ضربت بساحت سند—it looks more like بساحات (plural) than بساحت (singular), though I admit the word ساحت suits the context better. I possess a duplicate (see impression No. 2)

(6) With reference to coin No. 306, gold, square of Ala'ud-Din Mohammad Shah, I beg to inform you that I possess a curious square silver piece, with the same legend on obverse and reverse, viz. سکندرالثانی، یمین‌الخلافه ناصر، امیرالمومنین (vide impression No. 3).

(7) Permit me to refer to your Catalogue of Indian Museum, Calcutta, Vol. 2. In the collection of Malwa coins, you read the reverse of coin 45 of Ghiyas Shah and coin No. 72 of Nasir Shah as? اکبر بالله, but the reading, to my mind, requires modification. I read the legend as الکبریاء لله. What you read the با of بالله is in fact the یا of کبریا. In coin No. 72, Plate XI, we notice three parallel lines running from top to bottom ; the first line is ا ; the second ل ; and the third comprises the lower portion of a ک ; and on the top of it is the مرکز of ک. الکبریاء لله is a famous Arabic motto and means 'greatness belongs to God only'. I own a clear piece of Ghiyas Shah (see impression No. 4).

(8) Coin No. 589-590 :—Following the traditional reading of the numismatists you have read the mint as دره دهار and have translated as 'Pass of Dhar' (I.M.C., P. 59). I do not consider the ه of دره as a separate letter, I take it to be the old form of circular جزم, which we

---

۱- جیمز گبز (۱۸۲۵ء - ۱۸۸۶ء) آئی - سی - ایس، ۱۸۴۶ء میں بمبئی آیا - ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کا صدر رہا اور بمبئی یونیورسٹی کا وائس چانسلر بھی - (مرتب)

۲- چارلس جیمز راجرس (۱۸۳۶ء - ۱۸۹۸ء) اردو اور فارسی زبانوں کا ماہر تھا - اس نے ہندوستانی مسکوکات کا خصوصی مطالعہ کیا تھا - اس کے مضامین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجلے میں شائع ہوتے تھے - اس نے لاہور اور کلکتہ کے مجموعہ ہائے مسکوکات کی فہرستیں بھی تیار کیں - ۲۰- نومبر ۱۸۹۸ء کو لاہور میں فوت ہوا - (مرتب)

come across constantly in ancient books and manuscripts. My reading, therefore, is در دهار the circular جزم in fact belongs to the ر of دره.

(9) Coin No. 219 :—You mention small circles over مستعصم، عهد دنیا ، عظم and محمود. Similarly in No. 221 you point small circles over عظم and محمود. This circle is nothing but جزم which may be jotted down or dropped at the sweet will of the writer. On coin No. 222 you say there is no mark over عهد as well as over عظم and محمود. This only confirms my point that the جزم can be put down or dropped down according to the wishes of the writer.

(10) Coin No. 1069 :—You give its mint (?) دارلضرب قلع تانره. I believe it is the same Coin as No. 654 of the I.M.C. I have a Coin similar to this which reads دار ضرب قلع راسں and I agree with Mr. Nevill in reading the disputed mint as قلع رایسین. The word رالسں on my Coin is written in a form similar to Islam Shah's Coin No 1286, where the mint is wanting. But I possess a better coin which bears the mint قلع راسں clearly visible, I, therefore, submit that when we read رالسں in Islam Shah's coin, why not read the same in Sher Shah's Coin. I enclose facsimile of both of these coins (see impressions Nos. 5 and 6).

On a minute study of Coin No. 1069 and my own coin, I find that the two coins differ slightly. This coin has after دارلضرب m. m. 45, after this there is an ornamental mark *q*; than there is رالسں i. e. رایسین ; next there is the same ornamental form *p* (running in the reverse direction) followed by m.m. 45. Now comes a letter which crosses the first الف of ابابکر and appears like a ـ , which I am unable to explain. This much, however, is certain that the two coins are very similar to each other and must belong to the same mint. I do not share the view that this is the same mint of Islam Shah's copper coins known as بودهاندیه.

(11) Coin No. 1365 :—You read the mint as Budhandeh (بودهاندیه). To my mind the letter following بو is ر=r, and not the د=d. If we look carefully at the د of عادل and the letter in question, we find there is a vast difference in their shape and size. I subjoin the impression (No. 7). The last word of this mint is read by you as 'deh' (دیه), but to give some sort of meaning to it we have to read it as بوڑهاندیه ,

that is 'given by old people. The Persian writers of this period often wrote the final Hindi الف in the form of a ه, so much so that they wrote گدھا as گدھه, چوھا as چوھه, گھوڑا as گھوڑه, سونا as سونه and روپا as روپه, تھوڑا as تھوره and طوطا as طوطه.

(12) Coin No. 242 A :—The mint of this is read by you as خطه الور. I possess a similar coin, but I read the mint as ناگور. The initial ن and the dot of ن can be traced. Nagaur and Sawalak were in the jagir of Balban during the reign of Nasir-uddin Mahmud. It is not surprising, therefore, that on the death of Mahmud when Balban ascended the throne he struck coins at Nagaur. This coin is dated 665 A.H. (See impression No. 8).

(13) Coin No. 225 C :—You read the marginal date خمس و خمسین و ستمایه but I believe the unit is not خمس as there is no room for the three strokes of س between the م and the دائره of س. I, therefore, suggest ثمان as a reasonable alternative.

(14) Coin No. 1075 :—You read the bottom margin of reverse as علاالدین (see plate XIII). But علاالدین is unthinkable here. In my opinion the ر of فر got mixed with ید of فرید hence فرید الدین assumed the appearance of علاالدین.

(15) Coin 137A :—ضرب بلاهور This, perhaps, you write on the authority of Rodgers. This is supposed to be the coin of Iltutmish. My objection is on the ground of Orthography. For during the days of Iltutmish and his sons the word لاهور was written as لوهور, which is nearer to the indigenous pronunciation. Even to-day we hear the Panjabis generally pronouncing it as لهور. It is strange, therefore, to think that a coin of that period the name of the town should be spelt as لاهور (with الف). This spelling belongs to a later period. On this orthographical ground, I beg to submit that this coin does not deserve to be included in the Iltutmish coins. The famous Tabqat-i-Nasiri, composed in the reign of Iltutmish's son Nasir-uddin Mahmud, always spells the name of Lahore as لوهور (see pages 25, 26, 117, 135, 140 and 141).

(16) Coin No. 134 :—عدل سلطان المعظم / ضرب بحضرت دهلی You have attributed this coin to Iltutmish. But this attribution does not carry

the weight of conviction. The smooth formation of characters and the use of the popular phraseology بحضرت دهلی which is not even found on the silver coins of Iltutmish, point out to a later period. The کشش and the دائره of letters indicate boldly that this coin belongs to either Nasir-uddin Mahmud's or Ghiyas-uddin Balban's period.

(17) Coin 720 and 721 :—دارالملک دهلی / فیروز شاه سلطانی You state this coin as Malwa type which I admit. But I am puzzled at the idea that you did not include it in the posthumous coins of Firoz Shah, as it should naturally be done, because the Malwa type did not come in vogue before the reign of Hoshang Shah Ghori (A. H. 808-36 = A. C. 1405-32) and Firoz Shah died in 790 A.H., i.e. eighteen years before Hoshang. In the circumstances we can only look upon it as a posthumous coin.

(I8) Coin No. 36 :—Your reading is Ujjain (اجین) which cannot be entertained by any means. I believe the word شمس is deteriorated in this form ; firstly it is in a rayed circle ; secondly it has three dots on top and three at the bottom. The top dots indicate the ش and bottom dots indicate the یں. It has been a custom to place three dots at the bottom of س = S to differentiate it from the ش = sh.

THE MINT DAR-UL ISLAM

In the I.M.C. you expressed the opinion that the mint دارالاسلام is presumably a synonym for Delhi (P. 8). In the book under review you state, "It has been suggested by Mr. Nevill (J.A.S.B., N.S. 35, Art. 219) that the sultan gave the College known as Dar-ul Islam in Old Delhi the right to strike coins, while the Hazrat Delhi coins were minted at Siri. The view that Dar-ul Islam stands for Old Delhi is a reasonable one, though confirmation from any historical source is so far lacking". (P. 106).

I believe no historical evidence is forthcoming to uphold Mr. Nevill's assertion that Ala-uddin gave the royal prerogative of striking coins to a College at Delhi called Dar-ul Islam. He (Ala-uddin), being an illiterate man, cared very little for education and schools But I would like to know the source of Mr. Nevill's information, as I do not find it mentioned in the current books on history.

I also beg to differ from you in the belief that Dar-ul Islam was

another name for Delhi. History is silent on this point. On a careful perusal of Ala-uddin's history we learn that he was in the habit of giving new names to the towns conquered by him. I cite a few instances here.

(a) When he captured Chitor, the old capital of Udaipur State, he renamed it after the name of his son Khizr Khan to whom the territory was given in fief and called it Khizrabad (خضر آباد) Khusrow, the famous poet of this period in his poem the 'Dawal Rani Khizr Khan', writes :

بانعام خضر خاں شاد کردش پس آنگہ نام خضرآباد کردش

(دول رانی خضر خاں, P. 67)

(b) The name of Siwana (now belonging to Jodhpur State) after the conquest was changed into Khairabad (خیرآباد). Amir Khusrow in his history the 'Khazain-ul Futuh', which celebrates the conquests of Ala-uddin, writing the accounts of Siwana, says :

حدیث فتح سوانہ کہ گشت خیرآباد ز تیغ شہ کہ ہمیشہ بخیر باق باد

(خزائن الفتوح, P. 73)

(c) There is yet another town, on the way to Deccan, nine stages from Delhi, whose name was changed into Masudpur (مسعود پور) after the name of his son Prince Mas'ud. Khusrow describing the first expedition of Malik Kafur to Deccan records :

''اختر فرخندۂ ملک ملوک‌الوزرائی بہ طالع سعد در مسعود پور رسید و در آن مقام کہ از پور مسعود بادشاہ نامی گشت است دو روز پای علم بر سر مسعود پور بود ۔'' (خزائن الفتوح, P. 80)

(d) Another town mentioned by Khusrow in his تغلق نامہ is علا پور presumably named after the king's own name :

چو آمد نیک نزدیک علا پور علا پور از مہابت شد بلا پور

(تغلق نامہ, P. 89)

With this preliminary remark I beg to add that when Ala-uddin led his expedition to Ranthambhor and conquered the fort, he renamed it as Dar-ul Islam. Amir Khusrow has twice mentioned this

point in his above quoted history the 'Khazain-ul-Futuh'. At the conclusion of his account of Ranthambhor he says :

«درین تاریخ فرخ آن چنان حصن حصین برذن رای متین مستخلص گشت و در باب آن دارالکفر خطاب دارالاسلام از آسمان نزول یافت».

(P. 58, "خزائن الفتوح")

خط و کتابت بابت فروخت مجموعۂ کتب شیرانی

(۱)

مہندی باغ - علی گنج
ٹونک راجپوتانہ
۱۳- اگست ۱۹۴۰ء

جناب پرنسپل صاحب[۱]

مجھے رجسٹرار صاحب پنجاب یونیورسٹی کی گشتی چھٹی موصول ہوئی ہے جس میں 'سوک گارڈز' میں بھرتی ہونے کے لیے دعوت دی گئی ہے - مجھے نام دینے میں کوئی عذر نہیں لیکن نماز کے ساتھ روزے گلے پڑیں گے یعنی ٹریننگ اور قواعد پریڈ میں شامل ہونا پڑے گا - یہ ایسی چیز ہے کہ میں اپنے دل کے مرض کی بنا پر اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا - مہربانی فرما کر اس بارہ میں اپنی رائے دیجیے - رائے کیا اگر مناسب معلوم ہو کہ مجھے نام بھیجنا چاہیے تو آپ بھیج دیجیے کیونکہ ویسے

۱- یہ خط جسے درخواست بھی کہا جا سکتا ہے پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہے - اس عہدہ پر ان دنوں مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم فائز تھے - وہ ۳۰- ستمبر ۱۹۴۲ء کو اورینٹل کالج سے سبک دوش ہوئے -

اس خط میں کیونکہ شیرانی صاحب کے مجموعۂ کتب کی رسید کی بابت تذکرہ بھی ہے اسی لیے مولوی صاحب نے اس پر نوٹ دے کر لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لالہ لبھو رام کو بھجوا دیا تھا - نوٹ انگریزی زبان میں یہ تھا :

Please comply. It was clearly understood that he will be given a formed receipt. MS 15/8

یہ خط اور آیندہ چھ خطوط مجھے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی فائیل بابت خرید مجموعۂ شیرانی سے سید جمیل احمد رضوی صاحب اسسٹنٹ لائبریرین (اورینٹل سیکشن) کی وساطت سے دستیاب ہوئے ہیں (مرتب)

بھی تو مجھے اپنا نام آپ ہی کو بھیجنا ہوگا ۔ اگر بھیجنا مناسب نہیں تو نہ بھیجیے ۔ اس بارہ میں آپ کو اختیار ہے ۔

لالہ لبھو رام نے ابھی تک مجھے اپنے ہاتھ کی کوئی رسید نہیں دی ہے ۔ میں ان کو '۱۸۷۲+۱۶۶' اشیاء مشتمل بر کتب و فرامین و اسناد و قطعات و تصاویر و غوری وغیرہ بھجوا چکا ہوں ۔ اب جب میں نے نذیر احمد صاحب کو رسید کے لیے لکھا تو لالہ کا جواب تھا کہ ان سے کہیے کہ وہ ان کتابوں کی فہرست بنوا کر بھجوا دیں تب ہم رسید دیں گے ۔ فہرست کے پیسے یا اجرت وہ دے دیں گے ۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتابیں ان کے پاس ہیں اور فہرست میرے قبضہ میں لاہور ہے ۔ میں یہاں سے انہیں کوئی فہرست نہیں بھجوا سکتا ۔ میرے نزدیک یہ محض شرعی حیلہ ہے ورنہ جیسے ان کے ہاں کتابیں پہنچ گئی تھیں انہیں بغیر میری درخواست کے ان کی رسید تو بھیج دینی چاہیے تھی کہ اس قدر کتابیں فرامین وغیرہ تعدادی اتنے پہنچ گئے اور ضابطہ اسی امر کا متقاضی ہے ۔

یہاں بارش کم ہے ، دو روز سے گرمی بے حد پڑ رہی ہے اگرچہ لاہور کی سی حالت نہیں ہے ۔ باقی خیریت ہے ۔ کار لائقہ سے یاد و شاد فرمائیے ۔

والتسلم

محمود شیرانی

(۲)

To

The Librarian[1],
Panjab University Library,
Lahore.

Dear Sir,

I beg to say that the following manuscripts included in my list

---

۱- جب شیرانی صاحب نے اپنا ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی تحویل میں دیا تو اس میں پانچ کتابیں (مخطوطے) ان کے دوست پروفیسر سراج الدین آذر صاحب کی بھی غلطی سے شامل ہو گئیں ۔ جب شیرانی صاحب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے لائبریرین کے نام یہ درخواست لکھی ۔

ایک علیحدہ کاغذ پر نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نمبر مجموعہ شیرانی میں بالترتیب یہ تھے : ۱- نمبر ۱۴ ، ۲- نمبر ۲۰۰ ۳- نمبر ۵۵۲ ، ۴- نمبر ۲۲۰۰ ، ۵- نمبر ۲۲۷۷ ، شیرانی صاحب نے ان کے بدلے پانچ اور مخطوطات لائبریری کو دے دیے تھے لائبریری سے واپس لیے ہوئے پانچوں مخطوطے پروفیسر سراج الدین آذر کے مجموعہ کتب کے ساتھ دوبارہ یونیورسٹی لائبریری میں پہنچ چکے ہیں ۔ (مرتب)

offered for sale to the Punjab University Library do not belong to me and may please be returned to me so that I may send them back to the rightful owner.

Yours faithfully
H.M. Shairani

1. کتاب الاستخلاف 4. کتاب در موسیقی 3. دستور الوزرا 2. رسالہ قاضی منتخب
5. یک جزو تفسیر قرآن با دو ورق رنگین

(۳)

18 Fleming Road,
Lahore.
2nd June, 1941

Sir[1],

With reference to the acquisition of my Collection of books etc. by the Punjab University Library I have the honour to ask you at what stage is the proposition. As I am leaving Lahore shortly, I suppose it would be convenient to either side if I know definitely where the matter stands.

Yours etc. etc.
H. M. Shairani

The Chairman,
Punjab University Library Coumittee,
Lahore.

۱- پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے ۷ مارچ ۱۹۴۱ء کو شیرانی صاحب کا مجموعہ کتب مبلغ -/۱۶۳۹۲ روپے میں خریدنے کی منظوری دے دی - علاوہ ازیں ۲۳- مئی ۱۹۴۱ء کے اجلاس میں ان کی آٹھ ماہ بیس دن کی فرلو ۱۵- نومبر ۱۹۴۰ء سے منظور کر لی - اب جون (۱۹۴۱ء) کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور شیرانی صاحب کو اپنے وطن روانہ ہونے کی جلدی تھی لیکن یونیورسٹی انہیں کتابوں کی قیمت کی ادائیگی کا کوئی بندوبست نہیں کر پائی تھی - ان حالات میں یہ خط لکھا گیا (مرتب)

(۴)

18 Fleming Road,
Lahore.
3rd July, 1941

Sir[1],

1 have to acknowledge receipt of a copy of paragraph 31, from the proceedings of the meeting of the syndicate of the University, held on the 6th June last, under your letter No. 11391-92, dated 11-6-1941, and a copy of para 10 of the proceedings of the same body, sent to me by the librarian of the Punjab University Library, under his letter No. 1590 dated 23rd June, 1941 regarding the acquisition of MSS books etc. by the Punjab Uuniversity Library.

In this connection I have to bring to the notice of the syndicate that I originally decided with the librarian and the Chairman of the Library Committee that my collection shall be kept in the library intact as a whole. The main idea was that the public may profit by

---

۱- جب سنڈیکیٹ کے فیصلے (بابت خرید مجموعہ کتب شیرانی اور منظوری فرلو) توثیق کے لیے سینیٹ میں آئے تو ۲۷- جون ۱۹۴۱ء کو سینیٹ کی سپیشل میٹنگ میں ایک رکن مسٹر مہر چند مہاجن نے ان پر سخت اعتراض کیا - انہیں اس پر بھی اعتراض تھا کہ شیرانی صاحب کو مبلغ ساڑھے آٹھ ہزار روپیہ بطور قرض (مجموعہٴ کتب کی ادائیگی کے لیے یونیورسٹی نے حکومت پنجاب سے خصوصی گرانٹ طلب کی تھی جس میں تاخیر کا امکان تھا - اس لیے یہ صورت نکالی گئی) دینے کی سفارش بھی کی گئی تھی -

جسٹس دین محمد مرحوم نے اس کا جواب دیتے ہوا بتایا کہ یہ قرض در حقیقت قرض نہیں ہے بلکہ ایک طرح قیمت کی جزوی ادائیگی ہے - نیز یہ کہ شیرانی صاحب کا مجموعہٴ کتب نہایت بیش قیمت ہے اور اس کی خرید کے لیے جو کمیٹی یونیورسٹی نے بنائی تھی اس میں دیوان بہادر راجہ نریندرا ناتھ بھی شامل تھے (دوسرے اراکین میں سر شیخ عبدالقادر ، پروفیسر محمد اقبال اور لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری لالہ لبھو رام تھے) -

اب ایک تو شیرانی صاحب کو کتابوں کی قیمت کی وصولی میں تاخیر ہو رہی تھی - دوسرے پروفیسر آذر کی پانچ کتابوں کی واپسی کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا- اوپر سے یہ لے دے جو شروع ہوئی تو انہیں بڑا غصہ آیا- اس صورت حالات میں یہ خط لکھا گیا (مرتب)

this collection, and I did not, therefore, make the offer to gain any pecuniary end. This was also the reason why I agreed to get such a low price.

Notwithstanding this agreement, I find that the whole of my collection, including QITA'TS, paintings, GHORIES and the coins have not been acquired. The price is not being paid cash, while the collection is being retained in the library, as a security against an advance of Rs. 8500/- to be paid to me in lieu of the total price of the collection, untill the government decides to grant the money to the library in their budget for 1942-43, and even that pending the sanction of the legislature.

I very much regret, under the circumstances, not to accept the decision of the syndicate, referred to above, and I shall, therefore, be obliged if you very kindly instruct the librarian to return my collection forthwith, as I am leaving Lahore very shortly.

Your faithfully,
H. M. Shairani

The Registrar,
University of the Punjab,
Lahore.

(۵)

Mehndi Bagh,
Tonk Rajputana
14th Sep.,1941

The Registrar,
Panjab University,
Lahore.
Sir[1],

With reference to my previous letter dated 3rd July, 1941 refus-

---

۱- شیرانی صاحب کا رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کے نام ۳- جولائی ۱۹۴۱ء کا خط موصول ہوتے ہی ایک ہلچل مچ گئی - رجسٹرار نے یہ خط ڈاک میں وائس چانسلر میاں افضل حسین کو ڈلہوزی روانہ کیا - انہوں نے مولوی محمد شفیع صاحب کے نام ایک خط لکھا (۲۹- جولائی ۱۹۴۱ء) (مولوی صاحب موسم گرما کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۰ پر)

ing to give the collection of my books to the University library, I am sorry to say that I wrote that letter without knowing certain facts, which I came to know later. I now hereby withdraw my refusal and accept the terms laid down in the resolution of the senate. Kindly make payment of Rs. 8500/- (as decided by the senate) to my bank (The Central Bank of India).

After depositing my collection in the library, I discovered that by an oversight I have included in the collection five book which did not belong to me. The names and serial numbers of these books

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹)

تعطیلات میں شملہ میں مقیم تھے) جس میں اپنے تردد کا اظہار کیا اور ادائیگی کی کوئی صورت نکالنے کی بابت مشورہ طلب کیا اور تجاویز بھی دیں - یہ بھی لکھا کہ شیرانی صاحب کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی غوریاں ، فرامین اور مسکوکات وغیرہ میوزیم کو فروخت کر دیں کیونکہ یہ چیزیں لائبریری کے کام کی نہیں ہیں - مولوی شفیع صاحب نے یکم اگست کو لاہور میں پروفیسر اقبال صاحب کو شیرانی صاحب سے مل کر معاملہ سلجھانے کی ہدایت کی - اقبال صاحب نے شیرانی صاحب سے مذاکرات کیے اور ۴- اگست کو مولوی صاحب کے نام خط میں اس کے نتائج تحریر کیے جس کا لب لباب یہ تھا :

"I am writing this letter in the presence of Shairani Sahib. His find answer is, and from he says he would not move an inch, that he be allowed to take back five books(MSS) which are not his...If he is not allowed to take back these five books, he is sorry, he will be compelled to take back the whole lot.

اس کے بعد شیرانی صاحب غالباً ۴- اگست ہی کو ٹونک روانہ ہو گئے -

یہ پانچ کتابیں ۲- جون سنہ ۴۲ء کو لائبریرین ایس - ایس - سیٹھی (لالہ لبھو رام فوت ہو چکے تھے) نے شیرانی صاحب کو انجمن ترقی اردو ، دریا گنج دہلی کے پتہ پر روانہ کیں جہاں وہ ان دنوں مقیم تھے - شیرانی صاحب نے ان کی رسید ۳- جون کو بدیں الفاظ تحریر کی -

"Received the above noted five MSS from the Librarian Panjab University Library. H.M. Shairani."

(مرتب)

were already communicated to the late librarian. I request that I be allowed to withdraw these books.

I shall be obliged for an early reply to this letter.

Yours faithfully,
H. M. Shairani

(۶)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۹- فروری ۱۹۴۲ء

بخدمت جناب چیرمین صاحب
پنجاب یونیورسٹی لائبریری - لاہور

جناب من[1]

بوجوہ چند در چند مجھ کو روپے کی ضرورت ہے لہذا ذریعۂ ہذا ملتمس ہوں کہ باقی نصف رقم (مبلغ -/۸۵۰ روپے) مہربانی فرما کر جلد ادا کر دی جائے - آپ کا ممنون رہوں گا -

دیگر اینکہ میرے پرووڈنٹ فنڈ کی بھی کچھ رقم کالج سے واجب الادا ہے ، وہ بھی دلوائی جائے - والتسلیم

محمود شیرانی

(۷)

To,
The Chairman,
Library Committee,
University of the Punjab,
Lahore.

Dear[2] Sir,

I shall feel extremely obliged if you will kindly arrange to have

---

۱- شیرانی صاحب اپنے مجموعۂ کتب کی قیمت میں سے مبلغ -/۸۵۰ روپے وصول کر چکے تھے - باقی نصف رقم کی ادائیگی کی یاد دہانی کے لیے یہ سطور قلمی ہوئیں (مرتب)

۲- رقم کی ادائیگی کی بابت یہ دوسرا خط بطور یاد دہانی دفتر انجمن ترقی اردو دہلی سے لکھا گیا - متعلقہ فائیل میں لائبریرین یونیورسٹی لائبریری نے ۲۹- اپریل ۴۲ء کو

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۲ پر)

sent to me the second instalment of the price of my books acquired by the University library.

Your faithfully,
H. M. Shairani

1, Daryaganj,
Delhi.
Dated : 12th April, 1942

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱)

ایک نوٹ دیا ہے کہ چونکہ سنڈیکیٹ نے شیرانی صاحب کے مجموعۂ کتب کی قیمت مبلغ -/۱۶۳۹۲ روپے منظور کی تھی اس لیے بقایا رقم پورے -/۸۵۰۰ روپے نہیں ہے بلکہ -/۷۸۹۲ روپے ہے - مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم کا ایک نوٹ ۹- مئی کا بدیں الفاظ درج ہے : "The V. C. has sanctioned payment to Mr. Shairani". اس طرح یہ سارا معاملہ اختتام کو پہنچا (مرتب)